

جَوَامِعُ الْكَلِمِ



مؤلف:

راشد بن محمد بن فطيس الهاجري

ترجمہ:

مجموعۃ الأندلس برائے اسلامی ترجمہ

مَعْمَدُ الْجَامِعِ عَيْبِي بن سَلْمَانَ
لِلدِّرَاسَاتِ الْإِسْلَامِيَّةِ



جَوَامِعُ الْكَلِمِ

جَوَامِعُ الْكَلِمِ

رحمتِ الہی کا امیدوار
راشد بن محمد بن فطیسِ الهاجری
(اللہ ان کی اور ان کے والدین کی مغفرت فرمائے)

ترجمہ:

مجموعۃ الأندلس برائے اسلامی ترجمہ

العنوان: جوامع الكلم
مؤلف: راشد بن محمد بن فطيس الهاجری
ترجمہ: محمد عیسی
مراجعة: ابو نجار الازھری
پروف ریڈر: محمد راغب
زیر نگرانی الاندلس گروپ برائے اسلامی ترجمہ
www.alandalusgroup.org

حقوق طبع محفوظ ہیں

* * *

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على نبينا محمد وآله
وصحبه أجمعين وبعد:

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو ایسے عطیات اور نعمتیں عطا کی ہیں جو آپ ﷺ کے مرتبے کی شایان شان ہیں، اور آپ ﷺ کو سب انبیاء علیہم السلام پر فضیلت عطا کی، اسی لئے اللہ نے آپ ﷺ کو زبان و بیان میں حکمت بالغہ عطا کی۔ رسول اللہ ﷺ کا کلام موجز ہوتا تھا؛ جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی بہت زیادہ ہوتے تھے، یہ اللہ کی طرف سے نصرت و تائید تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ (۲) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۴)﴾ [النجم: ۴-۳]

ترجمہ: «اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے»۔

رسول اللہ ﷺ نے اس فضل کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأَحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِي الْأَرْضُ طَهْرًا وَمَسْجِدًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَخْتِمَ بِي النَّبِيُّونَ»

ترجمہ: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جامع کلام کرنے کا ملکہ دیا گیا ہے (۲) رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی (۳) مالِ غنیمت میرے لئے حلال کر دیا گیا ہے (۴) روئے زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے (۵) مجھے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کا سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔

جامع کلمات کے ساتھ مبعوث ہونے کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا»۔ جوامع الکلم کی تفسیر کرتے ہوئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جوامع الکلم کی تعریف جو مجھ تک پہنچی وہ یہ ہے کہ پہلی کتابوں میں جو بہت سے امور بیان کئے گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے ایک یا دو باتوں میں جمع کر دیتا ہے۔

آثارِ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قَلَّتْ مَدَائِحُ خَلْقِ اللَّهِ قَاطِبَةً	إِلَّا مَدَائِحَهُ جَلَّتْ مِنَ الْعِظَمِ!
كَلَامُهُ جَامِعُ الْخَيْرَاتِ كَيْفَ وَقَدْ	أَوْتِيَ جَوَامِعَ فَضْلِ اللَّهِ فِي الْكَلِمِ!
يُصَرِّفُ الْقَوْلَ بِالْمَعْرُوفِ مِنْهُ كَمَا	يُؤَلِّفُ اللَّفْظَ وَالْمَعْنَى مِنَ الْحِكْمِ
لَفْظُ الْكِتَابِ وَلَفْظُ الشَّارِعِ ائْتَلَفَا	كَالشَّمْسِ وَالْبَدْرِ فِي صُبْحٍ وَفِي ظُلْمٍ
يَدْعُو إِلَى الْخَيْرِ بِالتَّكْرَارِ أُمَّتُهُ	وَيَأْمُرُ الْأَهْلَ بِالْمَعْرُوفِ وَالْهِمَمِ
الْجُودِ وَالْحُسْنِ وَالْخَيْرَاتِ قَدْ جُمِعَتْ	فِيهِ مَعَ اللَّطْفِ وَالْإِحْسَانِ وَالْهِمَمِ
وَقَدْ تَقَسَّمَ فِيهِ الْفَضْلُ أَجْمَعُهُ	ذَاتًا وَمَعْنَى وَأَفْعَالًا مَعَ الْكَلِمِ!

ترجمہ: اگر تمام مخلوق کی تعریفیں جمع کی جائیں تو کم پڑ جائیں گی کیوں کہ آپ کی تعریف بہت بلند و برتر ہے۔ آپ کا کلام تمام بھلائیوں کو جمع کرنے والا ہے، کیوں کہ نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوامع الکلم سے نوازا ہے۔ آپ بھلی باتیں کیا کرتے ہیں، نیز لفظ اور معنی حکمت سے پُر ہوا کرتے ہیں۔ قرآن کے الفاظ اور آپ ﷺ کے الفاظ ایسے ہی ہیں جیسے صبح کے وقت سورج اور رات کے وقت چودھویں کا چاند ہو۔ وہ اپنی امت کو بار بار خیر کی دعوت دیتے ہیں، اور لوگوں کو بھلائیوں اور حوصلہ بلند رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ نرمی، احسان اور ہمت کے ساتھ ساتھ سخاوت، حسن اور بھلائی آپ ﷺ میں جمع ہیں تمام کی تمام فضیلتیں آپ ﷺ کے ظاہر و باطن اور آپ ﷺ کے افعال اور کلام میں منقسم ہیں۔

توفیق الہی سے میں نے آپ ﷺ کے تیس جوامع الکلم کا انتخاب کیا ہے، اور انتخاب میں بڑے اہتمام سے کام لیا ہے، تاکہ خطبات کے لئے موزوں علمی مواد اکٹھا ہو جائے، اور ہر جمعہ کے خطبے میں ایک حدیث پر روشنی ڈالی جائے۔ اللہ کے فضل سے میرا یہ کام اختتام کو پہنچ گیا، اور میں نے یہ خطبات امیر مرحوم شیخ عیسیٰ بن سلمان آل خلیفہ کی مسجد بمقام شہر رفاع، مملکت بحرین میں سنہ ۱۴۳۷ھ ہجری کو ایک سال کی مدت میں پورا کیا۔

اُس وقت خدائے واحد کی مدد سے میں یہ خطبات، میری نظر سے گزرنے والے مقالات، خطبات اور کتابوں کی مدد سے اپنے حافظے کی بنیاد پر زبانی دیا کرتا

تھا، تو بعض لوگوں نے مجھے ان خطبات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کرنے کو کہا تاکہ ان تک رسائی اور استفادہ آسانی ہو سکے۔

لہذا میں ان جوامع الکلم کے خطبات کا مجموعہ پیش کر رہا ہوں اور خدا وندِ قدوس سے دعاء گو ہوں کہ لکھنے اور پڑھنے والوں کو اس سے فائدہ پہنچائے اور میرے اور میرے والدین کے لیے اسے صدقہ جاریہ بنائے اور اس کا ثواب دونوں جہاں میں ہمیں عطا فرمائے۔

از رحمتِ الہی کا امیدوار:

راشد بن محمد بن فطیس الہاجری

مغربی رفاع - مملکت بحرین

۱۴۳۹ھ - ۲۰۱۸ء

(۱)

مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ

اے اللہ کے بندو! نبی ﷺ کی بلاغت آپ کی عظمت کا جیتا جاگتا مظہر اور آپ کے نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے، آپ ﷺ واضح زبان والے، سیدھی بات والے، حکمت بالغہ والے، سچی بات کہنے والے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے معجزات کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے کلام کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ (۲) إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ (۴)﴾ [النجم: ۴-۳]

ترجمہ: «اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے»۔

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں منقول ہے:- «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ»^(۱)، ترجمہ: مجھے جوامع الکلم کے ساتھ مبعوث کیا گیا، اور آپ ﷺ نے تمام انبیاء پر اپنی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد

فرمایا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں روایت ہے:-

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتِّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ۔۔۔۔»

ترجمہ: مجھے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی: (۱) مجھے جامع کلام کرنے کا ملکہ دیا گیا ہے، پھر باقی چیزوں کو آپ نے شمار کیا۔^(۲)

نبی کریم ﷺ کو عطا کی جانے والی فضیلتوں میں سے ایک «جوامع الکلم» ہیں۔ امام بخاری «جوامع الکلم» کے معنی کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وَبَلَّغَنِي أَنْ جَوَامِعَ الْكَلِمِ: أَنْ اللَّهَ يَجْمَعُ الْأُمُورَ الْكَثِيرَةَ، الَّتِي كَانَتْ تُكْتَبُ فِي الْكُتُبِ قَبْلَهُ، فِي الْأَمْرِ الْوَاحِدِ وَالْأَمْرَيْنِ»

ترجمہ: پہلی کتابوں میں جو بہت سے امور بیان کئے گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے لئے ایک یا دو باتوں میں جمع کر دیتا ہے۔ یعنی آپ ﷺ ایک جملہ کہتے اور اس کے تحت بہت سارے مسائل، احکام، ہدایات، سبق اور عبرت کی باتیں ہوتی تھیں۔

ان شاء اللہ، آج ہم جوامع الکلم کے ایک جملہ پر بات کریں گے اور پھر آنے والے ہر جمعے میں اسی طرح ایک ایک جملے پر بات کرتے رہیں گے۔

اس خطبہ میں ہمارا موضوع وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں منقول ہے، حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ» (۳)

ترجمہ: جو اعمالِ صالحہ میں سست رہا تو اس کا نسب اسے کچھ کام نہیں آئے گا۔ دیکھنے میں یہ چھوٹا سا جملہ ہے مگر جب اس کے معنی میں غور کریں، تو بہت بڑا بن جاتا ہے۔

اس میں بہت سے فوائد ہیں:

فائدہ اول:

سارے کے سارے لوگ اپنے اپنے راستے اللہ رب العزت کی طرف رواں دواں ہیں، اپنے اس سفر میں کچھ نے نیک عمل کو اپنی سواری بنایا ہے تو کچھ دیگر نے حسب و نسب کو۔

بہر حال جنہوں نے نیک عمل کو اپنی سواری بنایا ہے تو وہ خیر کی طرف گامزن ہیں، اور جس نے نیک عمل کے علاوہ حسب و نسب کو اپنی سواری بنایا ہے تو وہ شر اور برائی کی طرف جا رہا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو مالک اشعری سے مروی ہے ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو» یعنی سارے لوگ چل رہے ہیں،

«فَبَايَعُ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا»^(۴)

ترجمہ: کسی نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس کا سودا کر کے اسے عذاب سے آزاد کرا لیا ہے، اور کسی نے اسے عذاب میں ڈال دیا ہے

ہر شخص چل رہا ہے، تو۔ اے اللہ کے بندے۔ اپنی سواری کو دیکھو، آیا وہ نیک عمل ہے یا پھر حسب و نسب۔

فائدہ دوم:

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا فرمایا اور انہیں مختلف حسب و نسب، مختلف خاندان اور نسلوں سے بنایا، انہیں اس شکل و ہیئت کے ساتھ بنایا تاکہ وہ ایک دوسرے سے الفت و محبت رکھیں نہ کہ نفرت، تاکہ وہ رحم کا معاملہ کریں نہ کہ بغض و عداوت کا، تاکہ وہ اپنے درمیان اتفاق و اتحاد کی فضاء رائج کریں نہ کہ اختلاف کی، تاکہ وہ ایک دوسرے کو جائیں نہ کہ فرقہ بندی کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَتَّيِبُهَا لِلنَّاسِ إِذَا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ

أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَنْفَعَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾ [الحجرات: ۱۳]

ترجمہ: اے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لیے تقسیم

کیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان کر سکو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ مفتی ہو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز سے باخبر ہے۔

فائدہ سوم:

دین اسلام میں طرفداری، تعصب، اور فرقہ واریت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے ارشاد فرمایا:

﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ۲۱۴]

ترجمہ: اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر ارشاد فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ»

ترجمہ: اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کا اللہ سے سودا کرلو، یعنی: انہیں اللہ کو بیچ ڈالو، اور ان کی قیمت جنت ہے۔

ارشاد فرمایا: «يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ»

لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ سَلِينِي بِمَا شِئْتِ»
یعنی: فی الدنیا «لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا»^(۵)

ترجمہ: اے قریش کی جماعت! تم! اپنی جانوں کو اللہ سے (اس کی اطاعت کے بدلے) خرید لو، میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے کچھ بھی نجات نہیں دلا سکتا، اے صفیہ! (رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی) میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا، اے فاطمہ بنت محمد! تمہیں جو کچھ بھی مانگنا ہو مانگ لو، لیکن (یہ جان لو کہ) میں اللہ کے پاس تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، کیوں کہ اس دین میں طرفداری کا پہلو نہیں ہے۔

فائدہ چہارم:

بے شک قابلِ مدح و ثناء وہی ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول مدح و تعریف کریں، لہذا جس کی اللہ مدح و تعریف کرے وہ قابلِ مدح و ثناء ہے، اور جس کی اللہ اور اس کے رسول مذمت کریں وہ مذموم ہے۔

مسند احمد میں ابو نضرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ آبَاءَكُمْ وَاحِدٌ، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ

عَلَى عَجْمِيٍّ، وَلَا لِعَجْمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى، أَبْلَغْتُ؟ قَالُوا: بَلَّغَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ^(۶)

ترجمہ: اے لوگو! سن لو کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر، کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ تو صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول نے پہنچا دیا۔

ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ میں ایک بڑی پتے کی بات کہا، وہ فرماتے ہیں: مذکورہ بالا حدیث کے مضمون کے پیش نظر قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس میں نسب کی بنیاد پر کسی کی تعریف یا برائی کی گئی ہو، ہاں ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر تعریف کی گئی ہے، اور کفر، فسق اور نافرمانیوں کی بنیاد پر مذمت کی گئی ہے۔^(۷)

علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کسی کتاب میں ایک جگہ فرمایا کہ: قرآن و حدیث میں پسندیدہ صفات جیسے اسلام، ایمان، نیکی، تقویٰ، علم، نیک عمل، احسان وغیرہ کی وجہ سے فضیلت ہے، محض عربی ہونے یا عجمی ہونے، گورے ہونے یا کالے ہونے، شہری ہونے یا دیہاتی ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔^(۸)

(۶) احمد (۴۱۱/۵)۔

(۷) مجموع الفتاویٰ (۲۳۰/۳۵)۔

(۸) اقتضاء الصراط المستقیم (۴۱۵/۱)۔

اس فائدہ کا خلاصہ حضرت عمر کی زبانی کچھ یوں ہے: بخدا اگر عجمی (نیک) عمل لائیں اور ہم بغیر عمل کے آئیں تو وہ قیامت کے دن ہمارے نبی محمد ﷺ کے زیادہ قریب ہوں گے۔^(۹)

فائدہ پنجم:

اس دین کی وجہ سے لوگ شان و شوکت پاتے ہیں، اور اس کے بغیر انہیں کوئی حیثیت نصیب نہیں ہوتی۔

ایک جلیل القدر عالم، امام مالک اور اوزاعی وغیرہ جیسے لوگوں کے استاذ امام ابن شہاب زہری امیر المؤمنین عبد الملک بن مروان کے پاس گئے اور اس نے ان سے پوچھا: «اے زہری! کہاں سے آئے ہو؟ تو انہوں نے کہا: مکہ سے، اس نے پوچھا: اپنے پیچھے مکہ والوں کی حکمرانی کے لیے کس کو چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے کہا: عطاء بن ابی رباح، اس نے پوچھا: عربی ہے یا غلام؟»

ذرا امیر المؤمنین کو دیکھو کیسے سوال کر رہا ہے، نہ تو علم کے بارے میں سوال کیا اور نہ ہی ان کے تقویٰ و دین داری کے بارے میں، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: کس چیز سے حکمرانی کرتا ہے؟ جواب دیا: دیانت اور روایت سے، تو امیر المؤمنین نے کہا: دیانت و روایت والوں کو تو حاکم بنانا ہی چاہئے، اچھا اہل یمن پر کون حکمرانی کرتا

ہے؟ انہوں نے جواب دیا: طاوس بن کیسان، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل مصر پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: یزید بن حبیب، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل شام پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: مکحول، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، یہ ایک غلام تھا جسے ایک عورت نے ہذیل سے خرید کر آزاد کر دیا تھا، اس نے پوچھا: اہل جزیرہ پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میمون بن مهران، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل خراسان پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ضحاک بن مزاحم، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: اہل بصرہ پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: حسن بن ابوالحسن، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے کہا: غلاموں میں سے، اس نے پوچھا: تیرا بھلا ہو، اچھا اہل کوفہ پر کون حکمرانی کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ابراہیم نخعی، اس نے پوچھا: عرب میں سے ہے یا غلاموں میں سے؟ انہوں نے جواب دیا: عرب میں سے، اس نے کہا: اے زہری! اب جا کر مجھے آرام ملا۔

امام زہری نے ایک ایسی عمدہ بات کہی ہے، جو میرے سارے مضمون کا خلاصہ ہے۔ اگر ہم صرف اسی بات کو ذہن نشین کر کے اس مجلس سے باہر نکلیں، تو یہ ہمارے لئے کافی ہے۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین حکم اور دین تو اللہ کا ہے، اور جو اس کی پاسداری کر لے، وہی حاکم ہے اور جو اسے ضائع کر دے وہ خائب و خاسر ہے۔^(۱۰)

یہی دنیا اور دنیوی زندگی کا خلاصہ ہے، جسے حکمرانی، عزت، بلندی اور غلبہ چاہئے، وہ اس دین کی حفاظت میں لگ جائے، ورنہ اس دین کو ضائع کرنے والے ہر شخص کے لئے خسارہ لازمی نتیجہ ہوگا۔

لَعَمْرُكَ مَا الْإِنْسَانُ إِلَّا بَدِينِهِ فَلَا تَتْرُكِ التَّقْوَى وَتَتَّكِلْ عَلَى النَّسَبِ
لَقَدْ رَفَعَ الْإِسْلَامُ سَلْمَانَ فَارِسٍ وَقَدْ وَضَعَ الشِّرْكَ الشَّقِيَّ أَبَالَهَبٍ^(۱۱)

ترجمہ: تیری عمر کی قسم! انسان اپنے دین کے بغیر کچھ بھی نہیں ہے، لہذا تقویٰ کو چھوڑ کر نسب پر بھروسہ نہ کرنا، سلمان فارسی کو اسلام نے عزت بخشی اور شرک نے ابو لہب کو ذلیل و خوار کیا۔

(۱۰) تاریخ دمشق (۳۹۳/۴۰)، تہذیب الکمال (۸۲/۲۰)، وسر اعلام النبلاء (۸۵/۵)۔

(۱۱) محاضرات الادب (۴۱۴/۱) و تاریخ دمشق (۴۲۶/۲۱) و مطلع الانوار و نزہۃ البصائر و الابصار (ص: ۲۳۰)۔

(۲)

مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ

اے اللہ کے بندو! آج میری تقریر کا عنوان وہ دوسرا جملہ ہے جسے اس نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جو اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ» (۱۲)

ترجمہ: بندہ کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔ یہ کلمات تو تھوڑے ہیں مگر اس کے معانی بہت عظیم ہیں۔

جب بھی کوئی بندہ اپنے مال سے صدقہ نکالتا ہے تو اللہ کے ہاں یہ کم نہیں ہوتا ہے، نہ تو دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔

ہاں، ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ» یعنی بندہ کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا، سبب یہ ہے کہ تم - اے اللہ کے بندے - جب کبھی صدقہ کرتے ہو تو تمہارے دنیوی اکاؤنٹ سے نکل کر وہ آخرت کے اکاؤنٹ میں چلا جاتا ہے، دونوں اکاؤنٹ

تمہارے ہی ہیں اور دونوں رجسٹر تمہارے نام سے ہیں، اسی کا نام فقہ الحدیث ہے۔
جب بھی کوئی مسلمان صدقہ کرتا ہے، تو وہ اپنے مال کو اس [دنیوی] اکاؤنٹ
سے نکال کر اُس اخروی اکاؤنٹ میں جمع کرواتا ہے، اسی لئے اس کے مال میں کوئی
کمی نہیں آتی ہے۔

سلف صالحین نے یہی مفہوم سمجھا اور انہوں نے صحیح سمجھا؛ کیوں کہ جب تم
میں سے کوئی فقیر کو آتا ہوا دیکھتا ہے تو کہتا ہے: خوش آمدید جو ہمارے مال کو دنیا
سے لے کر آخرت کے لیے ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، تو یہی تو ایک اکاؤنٹ سے
دوسرے اکاؤنٹ کی طرف منتقل کرنا ہے۔

لیکن قرآن و سنت میں غور کرنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں اس
کا صرف یہی مفہوم نہیں ہے بلکہ حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ صدقہ سے مال زیادہ
ہوتا ہے، حق سبحانہ فرماتا ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ

يَقْبِضُ وَيَبْضُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [البقرة: ۲۴۵]

ترجمہ: کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے
لئے کئی گنا بڑھا دے؟ اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے اور وہی وسعت دیتا ہے، اور
اسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔

سورہ بقرہ میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (٢٦١)

[البقرة: ٢٦١]

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اگائے (اور) ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے۔

اسی سورہ میں تیسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ (٢٧٢) [البقرة: ٢٧٢]

ترجمہ: اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا۔

چوتھی جگہ سورہ سبأ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزِقِينَ﴾ [سبأ: ٣٩]

ترجمہ: اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو، وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

نبی ﷺ صادق و صدوق نے سچ ہی کہا: «مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ»

ترجمہ: بندے کا مال صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔

مال کم بھی کیسے ہو! بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ»

ترجمہ: کوئی بھی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں بندہ صبح کرے (سال بھر ہر

دن) «إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا، وَيَقُولُ

الْآخَرُ: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا» (۱۳)

ترجمہ: مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ

کرنے والے کو اس کا بدلہ دے اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روکنے والے کو برباد کر دے۔

سنن ترمذی میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں

کہ نبی کے اہل بیت بکری کا گوشت تقسیم کر رہے تھے۔ یعنی وہ بکری ذبح کر کے

اس کا گوشت تقسیم کر رہے تھے اتنے میں نبی کریم ﷺ نے آکر عائشہ رضی اللہ

عنہا سے دریافت کیا: بانٹنے اور صدقہ کرنے کے بعد کچھ بچا بھی؟ تو انہوں نے کہا:

صرف کاندھا بچا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کے لیے اسے بچا لیا تھا کیوں کہ آپ کو

کاندھا بہت پسند تھا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا»^(۱۴)

ترجمہ: کندھے کے علاوہ سب کچھ بچ گیا۔

نبی ﷺ نے صدقے کا یہی مفہوم سمجھا اور سمجھایا ہے کہ جو چلا گیا وہی باقی رہے گا، اور جو ہم کھاپی کر یا پہن کر اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں وہ فنا ہو جاتا ہے، اور جو ہم ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں وہ وارثوں کا مال ہے، اور جو مال ہم صدقہ کر دیتے ہیں، وہی باقی رہے گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

«بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرَ كَتِفِهَا»

ترجمہ: کندھے کے علاوہ سبھی بچ گیا۔

صحیح مسلم میں ابن مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس ایک تیار اونٹنی لے کر آیا اور کہا: یا رسول اللہ! اسے اللہ کے راستہ میں خرچ کر دیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِئَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُومَةٌ»^(۱۵)

ترجمہ: قیامت کے دن تمہیں اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی وہ سب کی سب تیار ہوں گی۔

(۱۴) احمد (۵۰/۶)، و ترمذی (۲۴۷۰)۔

(۱۵) مسلم (۱۸۹۲)۔

جب یہ شخص اس اونٹنی کو اپنی ملکیت والے ریوڑ میں سے نکال دیا، تو اس ریوڑ میں سے ایک عدد اونٹ کم ہو گیا، وہ یہ دیکھ رہا کہ سو کم ہو گئے، یہ دیکھ رہا کہ دس کم ہو گئے، لیکن ہمارے نبی ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں: کچھ کم نہیں ہوا۔ «لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِئَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَحْطُومَةٌ» ترجمہ: قیامت کے دن تمہیں اس کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی، جو سب کی سب تیار ہوں گی۔

بخاری و مسلم کی ایک حدیث قدسی میں ہمارا پروردگار فرماتا ہے:

«يَا ابْنَ آدَمَ أَنْفِقْ أَنْفِقْ عَلَيْكَ» (۱۶)

ترجمہ: اے ابنِ آدم! تو خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی

ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ لِمَنْ يَصِلُهُ أَوْ صِلَةٍ إِلَّا زَادَهُ اللَّهُ بِهَا كَثْرَةً» (۱۷)

ترجمہ: کوئی شخص صدقہ یا صلہ رحمی کے لیے عطیہ کا جب بھی دروازہ کھولتا

ہے، تو اللہ اسے خوب بڑھا چڑھا کر دیتے ہیں۔

طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی

(۱۶) بخاری (۳۶۸۴)، و مسلم (۹۹۳)۔

(۱۷) شعب الایمان (۳۱۴۰) و احمد (۴۳۶/۲)۔

اللہ عنہ کے پاس کھجور کا ڈھیر دیکھا، تو پوچھا: یہ کیا ہے، اے بلال؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے یہ تھوڑی سی کھجوریں آپ ﷺ کے لیے جمع کر رکھی ہیں، مگر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْفَقْ بِلَالٌ، وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا»^(۱۸)

ترجمہ: اے بلال خرچ کرو اور عرش والے پروردگار کی طرف سے کمی کا خوف مت رکھو۔

جب مسلمان کے دل میں یہ مفہوم واضح ہو جائے گا، تو اس کے اندر خرچ کرنے کا جذبہ زیادہ ہو جائے گا، اور اس کو اللہ کے نزدیک صدقہ کی قدر معلوم ہو جائی گی کہ اس کی شان کتنی عظیم ہے، امام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

«ذُكِرَ لِي أَنَّ الْأَعْمَالَ تَبَاهَى» الصلاة، الصيام، الصدقة «فَتَقُولُ
الْصَّدَقَةُ: أَنَا أَفْضَلُكُمْ»^(۱۹)

ترجمہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ اعمال آپس میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے، جن میں نماز ہوگی، روزہ ہوگا، صدقہ ہوگا، تو صدقہ کہے گا: میں تم میں سب سے افضل ہوں۔

(۱۸) المعجم الكبير (۱/۳۲۲، ۱۰۲۵)، وشعب الایمان (۱۲۸۳)۔

(۱۹) صحیح ابن خزیمہ (۲۳۳۳)، و مستدرک حاکم (۱/۴۱۶)۔

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ، وَالْيَدُ السُّفْلَى

السَّائِلَةُ» (۲۰)

ترجمہ: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ مانگنے والا ہے۔

ہاں، صدقہ کی شان ہی عظیم ہے، نبی ﷺ سے اس کے متعلق بہت سے آثار منقول ہیں، ان آثار میں سب سے زیادہ عظمت والی بات یہ ہے کہ: صدقہ گناہوں کو مٹانے اور غلطیوں کو دھونے کا بڑا ذریعہ ہے۔

اے اللہ کے بندو! کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں پڑھا:

﴿إِنْ بُدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

[البقرة: ۲۷۱]

ترجمہ: اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تب بھی اچھا ہے اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور (صدقہ کی برکت سے) تم سے تمہارے بعض گناہیں دے گا؛ اور اللہ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

سنن ترمذی میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْحَطِيبَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ» (۲۱)

ترجمہ: صدقہ گناہوں کو ایسے بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو۔

صدقہ کی عظمتِ شان کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ صدقہ کرنے والے کے ساتھ اس کی قبر میں بھی جائے گا، اور قیامت کے دن اس کے سر پر سایہ فگن ہوگا۔ طبرانی نے اپنی کتاب المعجم الکبیر میں عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے، اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ صدقہ چاہے کم ہو یا زیادہ، نبی کریم ﷺ کی اس عظیم وعدے کو دیکھو، آپ فرماتے ہیں:

«وَإِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ عَنْ أَهْلِهَا حَرَّ الْقُبُورِ، وَإِنَّمَا يَسْتَظِلُّ الْمُؤْمِنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي ظِلِّ صَدَقَتِهِ» (۲۲) ترجمہ: صدقہ کرنے والے سے صدقہ قبر کی گرمی کو بجھا دیتا ہے، اور قیامت کے دن مومن بندہ اپنے صدقہ کے سائے میں ہوگا۔

صدقہ تمام کاموں میں آسانی پیدا کرنے کی کنجی ہے، جب تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو صدقہ کرو اور اس فرمان خداوندی کو یاد کرو:

﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴿٦﴾ فَسَنِيَرُهُ مِنَ الْعُسْرَى ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ

﴿٨﴾ وَاسْتَعْتَنَ ﴿٩﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ﴿١٠﴾ فَسَنِيَرُهُ مِنَ الْعُسْرَى ﴿١٠﴾﴾ [اللیل: ۱۰-۵]

(۲۱) احمد (۲۳۸/۵)، و ترمذی (۲۶۱۶)، وابن ماجہ (۳۹۷۳)۔

(۲۲) المعجم الکبیر (۲۸۶/۱۷، ۷۸۸)۔

ترجمہ: تو جس نے (خدا کے رستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی، اور نیک بات کو سچ جانا، اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے، اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا، اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا، اسے سختی میں پہنچائیں گے۔ {اللیل: ۵-۱۰}

آسانی پیدا کرنے والے دروازوں میں سے ایک دروازہ صدقہ ہے جو اللہ کے بندے کرتے ہیں۔

تو پھر ہمارے نبی نے سچ ہی کہا:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ»

ترجمہ: صدقہ سے بندے کا مال کم نہیں ہوتا۔

ابن قیم نے اپنی کتاب (الوابل الصیب) کے باب الصدقہ میں کتنی خوبصورت بات کہی ہے، وہ صدقہ کے عظیم فوائد شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں: بلاؤں کو ٹالنے میں صدقہ کی عجیب تاثیر ہے، چاہے وہ فاجر یا ظالم نے ہی کیا ہو، بلکہ اگرچہ وہ کافر نے ہی کیوں نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ اس سے بہت سی اقسام کی بلاؤں کو ٹال دیتا ہے۔^(۲۳)

جس وقت انسان صدقہ کرتا ہے چاہے وہ فاجر ہو یا ظالم ہو یا کافر ہو، دنیوی بلاء اس سے اس صدقہ کے بقدر ہٹا دی جاتی ہے۔ صدقہ کی یہ عظیم شان ہے۔

لیکن ایک بات رہ گئی، جب انسان قرآن و حدیث میں وارد ان نصوص

(۲۳) الوابل الصیب (ص: ۳۱)۔

کی تصدیق کرتے ہوئے ان پر ایمان لاتا ہے، تو اس کے دل میں پائے جانے والی تصدیق کے بقدر اس کا دل صدقہ و خیرات کی طرف مائل ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس شخص کو اپنے لئے جمع ہونے والے ذخیرہ آخرت پر سچا یقین ہوگا، وہی شخص خوب صدقہ کرتا ہے۔^(۲۴) تو جو شخص کتاب و سنت میں وارد نصوص پر ایمان رکھتا ہے وہ صدقہ خوب کرے گا، کیوں کہ وہ اللہ کی طرف سے بہترین بدلہ کا منتظر ہوتا ہے۔

(۲۴) روضة العقلاء (ص: ۲۴۲) و مسند الشہاب (۳۶۶) و تذکرۃ الموضوعات (ص: ۶۴)۔

(۳)

الدِّينُ النَّصِيحَةُ

اے اللہ کے بندو! بھائی چارگی محبت کا تقاضہ کرتی ہے اور محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کو نصیحت کی جائے، اور کسی کو نصیحت کرنے کی شان بڑی عظیم ہے۔ اور ہم نے جو بابرکت تقریری سلسلہ شروع کیا ہے اس کے ضمن میں یہی آج کا موضوع بحث ہے، یہ حدیث جوامع الکلم میں شمار ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ»

ترجمہ: دین سراسر خیر خواہی ہے۔

دیکھنے میں تو یہ دو ہی لفظ ہیں، (مگر اس میں مخفی) سبق آموز باتیں، عبرت اور فوائد و احکام بہت زیادہ ہیں:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ» اصل میں یہ حدیث تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ» دین سراسر خیر خواہی ہے، ہم نے پوچھا: کس کے لیے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ» (۲۵)

ترجمہ: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، ائمہ مسلمین کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔

خیر خواہی ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ: إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللَّهَ فَسَمِّتْهُ» أَي: سَمِّتْهُ فَقُلْ: يَرْحَمُكَ اللَّهُ «وَإِذَا مَرِضَ فَعُدُّهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ» (۲۶)

ترجمہ: مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، جب تو اس سے ملے تو سلام کر، جب وہ تجھے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کر، جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر، جب اسے چھینک آئے تو اس کیلئے «یرحمک اللہ» کہہ، جب وہ بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کر، اور جب انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا۔

اس حدیث میں ہمارے موضوع سے متعلق دلیل آپ ﷺ کا یہ جملہ ہے:

«وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ»۔

(۲۵) مسلم (۵۵)۔

(۲۶) مسلم (۲۱۶۲)۔

نصیحت اور خیر خواہی کی شان بھی بڑی نرالی ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ بعض صحابہ سے ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت لیتے تھے، صحیح بخاری میں حضرت جریر بن عبد اللہ سے روایت ہے :

«بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنَّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ» (۲۷)

ترجمہ: میں نے نبی کریم ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی پر بیعت کی۔

پورے معاشرے میں امن و امان اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس میں نصیحت کار فرمانہ ہو، نصیحت کرنے والا نصیحت کرے اور جس کو نصیحت کی جائے وہ اسے قبول کرے، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: «وَبَنُو آدَمَ لَا يَعْشَوْنَ إِلَّا بِاجْتِمَاعِ بَعْضِهِمْ إِلَى بَعْضٍ، وَإِذَا اجْتَمَعَ اثْنَانِ فَصَاعِدًا فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ ائْتِمَارِ بَأْمِرٍ وَتَنَاهٍ عَنْ أَمْرٍ» (۲۸) ترجمہ: بنی نوع انسان ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ہی زندگی گزارتے ہیں، جب دو یا دو سے زائد لوگ ایک ساتھ رہیں تو کسی بات کا حکم اور کسی بات سے پرہیز ضروری ہے، یعنی ان کے اندر خیر خواہی اور نصیحت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

(۲۷) بخاری (۵۷)۔

(۲۸) مجموع الفتاویٰ (۱۶۸/۲۸)۔

نصیت دوسرے کے ساتھ بھلائی کرنے کا نام ہے، ناصح دوسرے کے لیے خیر خواہی کرتا ہے اور اسے اسکا پتہ دیتا ہے، یہ انبیاء و مرسلین کا عمل ہے، جو بھی نبی آیا وہ اپنی قوم کا خیر خواہ رہا، اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کی شان میں یوں فرماتا ہے:

﴿أَبْلَغُكُمْ رَسُولَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾
[الأعراف: ٦٢]

ترجمہ: میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے۔
حضرت ہود علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿أَبْلَغُكُمْ رَسُولَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ [الأعراف: ٦٨]

ترجمہ: میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا دیانتدار خیر خواہ ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولَاتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِن لَّا تُحِبُّونَ التَّصْحِيحَ﴾ [الأعراف: ٧٩]

ترجمہ: اس موقع پر صالح ان سے منہ موڑ کر چل دیئے اور کہنے لگے: اے

میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور تمہاری خیر خواہی کی مگر (افسوس کہ) تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے:

﴿فَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِي ربي وَنَصَحْتُ لَكُمْ

فَكَيْفَ ءَأَسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٩٣﴾ [الأعراف: ٩٣]

ترجمہ: چنانچہ وہ (یعنی شعیب علیہ السلام) ان سے منہ موڑ کر چل دیئے اور کہنے لگے: اے قوم! میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے اور تمہارا بھلا چاہا۔ (مگر) میں اس ناشکر قوم پر کیا افسوس کروں۔

خیر خواہی کی شان عظیم ہے، خیر خواہی کی شان کی عظمت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرَعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحْطِهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ

الْجَنَّةِ» (٢٩)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو کسی قوم کا حاکم بناتا ہے اور وہ خیر خواہی کے ساتھ اس کی حفاظت نہیں کرتا ہے، تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

میں اپنے گھر والوں کا نگہبان ہوں اور میرے گھر والے میری رعایا ہیں، تم میں سے ہر کوئی حکمران ہے اور ہر حکمران سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تو ہر حکمران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے، ورنہ وہ گنہگار ہوگا۔

خیر خواہی کی شان بھی کتنی عظیم ہے، امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «لا خیرَ فی قومٍ لیسوا بناصِحینَ، ولا خیرَ فی قومٍ لا یُحِبُّونَ الناصِحینَ»^(۳۰) ترجمہ: اس قوم میں کوئی خیر نہیں ہے جو خیر خواہ نہیں ہے، اور اس قوم میں بھی کوئی خیر نہیں ہے جو خیر خواہی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتی ہے۔

خیر خواہی کرنے کے اسباب درج ذیل ہیں:

اول: روئے زمین پر بندگی کے اصول کا تیقن ہو، تاکہ مخلوق اپنے خالق کی عبادت کرے، لوگوں کے ساتھ سب سے بہترین خیر خواہی انہیں اللہ کی طرف بلانا ہے، ان کے ساتھ یہ عہد و پیمان کرنا کہ وہ اللہ کی بندگی کے اس مقصد کو پورا کریں گے جس کے بارے میں قرآن حکیم فرماتا ہے:

«وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ» [الذاریات: ۵۶]۔

ترجمہ: میں نے جن و انس کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے پیدا نہیں کیا

کہ وہ میری عبادت کریں۔

خیر خواہی نام ہے احتساب کا اور خیر خواہی کرنے والا محتسب ہے، اور اسلام میں احتساب کا نام ولایت ہے اور اسلام میں تمام ولایات کا مقصد دین کا قیام ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: «جميع الولايات في الإسلام مقصودها أن يكون الدين كله لله، وأن تكون كلمة الله هي العليا»^(۳۱) ترجمہ: اسلام میں تمام ولایتوں کا مقصد یہ ہے کہ پورے کا پورا دین اللہ کے لیے ہو جائے اور اللہ کا کلمہ بلند ہو۔

دوم: انحراف کرنے والوں سے اس بات کا عہد لینا کہ معاشرے کو ان سے پاک کیا جائے؛ کیوں کہ کوئی معاشرہ اس وقت تک پر امن نہیں رہ سکتا جس وقت تک انحراف کرنے والوں سے خیر خواہی کا عہد نہ لیا جائے۔

ہاں یہاں ایک غلط ثقافت چل پڑی ہے: وہ یہ کہ لوگوں کے ذاتی امور میں مداخلت نہ کرو، کوئی کہتا ہے کہ میرے ذاتی مسئلے میں دخل اندازی نہ کرو، مجھے نصیحت نہ کرو، یہ غلط ثقافت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہو۔

نصیحت در اصل «المنصحة» سے ماخوذ ہے اور منصحة کہتے ہیں سلامتی کرنے والی سوئی کو؛ کیوں کہ یہ انحراف کرنے والا اپنے دین و مذہب کے خلاف کھڑا ہوتا

(۳۱) مجموع الفتاویٰ (۶۱/۲۸)۔

ہے اور اے ناصح تم منصوص کے کپڑے میں اپنی اس سوئی سے اس پھٹن کو سلائی کرنے آئے ہو۔

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (منبر پر) کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا:

﴿يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾

[المائدة: ١٠٥]

ترجمہ: اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو مگر اسے اس کا صحیح مقام نہیں دیتے ہو: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر رہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

آج جب تم کسی کو نصیحت کرنے کھڑے ہوتے ہو، اپنے بھائی میں کوئی غلطی دیکھتے ہو تو اسے نصیحت کرتے ہو، یا اپنے گھر والوں کی کسی غلطی پر مطلع ہوتے ہو تو تم انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہو: اے فلاں، تمہارے گھر والوں میں ایسا ایسا ہے۔ وہ کہتا ہے:

«عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ»،

اے بھائی! لوگوں کے ذاتی کاموں میں دخل اندازی نہ کرو۔ نہیں! ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تَقْرَؤُونَ هَذِهِ الْآيَةَ، وَتَضَعُونَهَا

في غير موضعها: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ [المائدة: ١٠٥]

ترجمہ: اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو مگر اسے اس کی جگہ نہیں رکھتے: اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر رہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوْا الْمُنْكَرَ لَا يُغَيِّرُونَهُ، أَوْشَكَ أَنْ يَعْمَهُمُ اللَّهُ بِعِقَابِهِ» (۳۲)

ترجمہ: جب لوگ برائی دیکھ کر اسے تبدیل نہیں کرتے تو قریب ہے کہ اللہ ان سب پر اپنا عقاب عام کر دے، اس لیے نصیحت کرنی چاہئے۔ انسان جب کسی کو غلطی کرتے ہوئے دیکھے تو اسے نصیحت کرے، یہ بھی واجب ہے۔ یہ نصیحت معاشرے کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ہے۔ اے اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ ناصح پر نصیحت کرتے وقت نصیحت کے آداب و ضوابط کی پاسداری کرنا لازم ہے۔

نصیحت کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے نصیحت کرو، اس لیے نصیحت نہ کرو کہ لوگ کہیں کہ ناصح ہے، اور نہ اس لیے کہ تمہاری طرف انگلی

اٹھا کر اشارہ کیا جائے کہ تم ناصح امین ہو، اور نہ اس لیے کہ کتابوں میں تمہارے مقولے لکھے جائیں، اور نہ اس لیے کہ تمہارے پاس بہت زیادہ ووٹ جمع ہو جائیں، علانیہ نصیحت کرو، پوشیدگی میں تمہیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی، اپنی نصیحت اللہ کے لیے کرو، اپنے دل کو غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ کرو۔

ادب دوم: نصیحت کرتے وقت تمہارے عمل اور نصیحت میں تضاد نہیں ہونا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ تمہاری نصیحت ایک وادی میں اور تمہارا عمل دوسری وادی میں ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ نَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [البقرة: ۴۴]

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔

یہ عقل مندی کی بات بھی تو نہیں ہے کہ تم دوسرے کو صحیح بات کی نصیحت کر رہے ہو اور خود اس کی مخالفت کر رہے ہو، حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا:

﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ﴾ [هود: ۸۸]

ترجمہ: اور میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ میں جس بات سے تمہیں منع کر رہا ہوں، تمہارے پیچھے جا کر وہی کام خود کرنے لگوں۔ میرا مقصد اپنی استطاعت کی حد تک اصلاح کے سوا کچھ نہیں ہے، اور مجھے جو کچھ توفیق ہوتی ہے صرف اللہ کی مدد سے ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٢﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ

اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٢﴾﴾ [الصف: ۳-۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی قابل نفرت ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ الْمَعْلَمُ غَيْرُهُ هَلَّا لِنَفْسِكَ كَانَ ذَا التَّعْلِيمِ
تَصِفُ الدَّوَاءَ الَّذِي السَّقَامُ وَذِي الضَّنَا كَيْمَا يَصِحَّ بِهِ وَأَنْتَ سَقِيمٌ
لَا تَنَّهُ عَنِ خُلُقٍ وَتَأْتِي مِثْلُهُ عَارٌّ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمٌ^(۳۳)

ترجمہ: اے وہ شخص جو دوسروں کو تعلیم دیتا پھر رہا ہے، پہلے خود کو تعلیم والا بنا، تم بیماروں کے لیے دوا تجویز کر رہے ہو، وہ صحیح کیسے ہو گا جب کہ تم خود بیمار ہو، اس عادت سے تم روکتے ہی کیوں ہو جب خود ویسا ہی کرتے ہو، اگر تم ایسا کرتے ہو تو تمہارے لئے بہت بڑی شرم کی بات ہے۔

(۳۳) ادب الدین والدین (ص: ۳۲)، جامع میان العلم (۱/۶۷۴)، و تاریخ دمشق (۱۵۹/۳۴)، و شرح شذور

نصیحت کا ادب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے چپکے سے کرے، تاکہ منصوح کے لیے تمہاری نصیحت حتی الامکان تنہائی میں رہے، چاہے تمہارا کوئی بیٹا ہی ہو، کیوں کہ نفس کو فطری طور پر علانیہ نصیحت اچھی نہیں لگتی، چاہے منصوح کوئی چھوٹا بچہ ہی کیوں نہ ہو، بقدر امکان نصیحت پوشیدگی سے ہونی چاہئے، ہمارے نبی ﷺ بسا اوقات جب کسی کو نصیحت کرنے کا ارادہ کرتے تو منبر پر کھڑے ہو کر یوں عرض کرتے:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَفْعَلُونَ كَذَا وَكَذَا؟!» (۳۴)

ترجمہ: قوم کو کیا ہو گیا وہ ایسا ایسا کرتے ہیں۔

فضیل بن عیاض نے بڑے پتے کی بات کہی، وہ کہتے ہیں کہ: «الْمُؤْمِنُ يَسْتُرُ وَيَنْصَحُ، وَالْفَاجِرُ يَهْتِكُ وَيَفْضَحُ» (۳۵) ترجمہ: مومن نصیحت کرتے وقت ستر پوشی کرتا ہے اور فاجر شخص عزت اچھالتا ہے اور رسوا کرتا ہے۔ کچھ لوگ نصیحت تو کرتے ہیں مگر ان کا مقصد رسوا کرنا ہوتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کسی مجلس میں کریں گے، اور ایسا شخص بھی تمہاری غلطی سے آگاہ ہو جائے گا جسے کچھ پتہ نہیں تھا، لوگوں میں تمہیں نصیحت کرنے کا اس کا مقصد تمہاری رسوائی کرنا ہے، ایسا صرف فاجر لوگ کرتے ہیں، یہ فاجروں کا عمل ہے جن کا مقصد رسوا کرنا ہوتا ہے نہ کہ نصیحت۔

آج کل کی نصیحتوں کو دیکھیں کہ کہاں ہوتی ہیں؟ ویب سائٹس پر، وہ نیٹ ورکنگ سائٹس پر ایک دوسرے کو نصیحت کر رہے ہوتے ہیں، لیکن حقیقت میں

(۳۴) بخاری (۲۵۶)، و مسلم (۱۵۰۴)۔

(۳۵) جامع العلوم والحکم (۲۲۵/۱)۔

وہ ایک دوسرے کو رسوا کر رہے ہوتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: «مَنْ وَعَظَ أَخَاهُ سِرًّا فَقَدْ نَصَحَهُ وَزَانَهُ، وَمَنْ وَعَظَهُ عَلَانِيَةً فَقَدْ فَضَحَهُ وَشَانَهُ»^(۳۶) ترجمہ: جس نے تنہائی میں اپنے بھائی کو نصیحت کی اس نے اس کے ساتھ خیر خواہی کی اور جس نے علانیہ نصیحت کی اس نے اسے رسوا کیا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

تَعَمَّدَنِي بِنُصْحِكَ فِي انْفِرَادٍ وَجَنَّبَنِي النَّصِيحَةَ فِي الْجَمَاعَةِ
فَإِنَّ النَّصْحَ بَيْنَ النَّاسِ ضَرْبٌ مِنَ التَّوْبِيخِ لَا أَرْضَى اسْتِمَاعَهُ
فَإِنَّ خَالَفْتَنِي وَعَصَيْتَ أَمْرِي فَلَا تَجْزَعُ إِذَا لَمْ تُعْطَ طَاعَهُ^(۳۷)

ترجمہ: مجھے تنہائی میں نصیحت کرو اور لوگوں کے درمیان نصیحت کرنی ہو تو مجھ سے دور رہو، کیوں کہ لوگوں کے درمیان نصیحت ایک قسم کی ڈانٹ ڈپٹ ہے جس کا سننا مجھے گوارا نہیں، اگر تم نے میری مخالفت کی اور میری بات نہ مانی تو پھر اس وقت بھی حیرت میں نہ پڑنا جب تمہاری کوئی اطاعت نہ کرے۔

ہاں، دین نصیحت اور خیر خواہی ہے، پورے دین کی بنیاد دوسروں کے ساتھ خیر خواہی اور نصیحت ہے۔

(۳۶) حلیۃ الاولیاء (۹/۱۲۰)۔

(۳۷) دیوان الامام الشافعی (ص: ۷۵)۔

(۴)

اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ

درگزر کردینا پسندیدہ عادتوں میں نگیسنہ کی حیثیت رکھتا ہے، اللہ کی طرف جانے والے مسافرین کے راہ میں ایک نور بن کر چمکتا ہے۔

درگزر کرنے کا بڑے کریمانہ اخلاق میں شمار ہوتا ہے، کامل لوگوں کی ہمتیں جس سے عاجز ہیں۔

درگزاری خیر کا بادل ہے جو بارش والے پانی سے بھرا ہوا ہے۔

درگزاری نفس کے ظلم و بغاوت کے وقت فتح و قوت اور عزیمت ہے۔

درگزاری زندگی میں چلنے والے کو سایہ فراہم کرتی ہے۔

درگزاری ہی ہمارا آج کا موضوع ہے جو آپ ﷺ کے جوامع الکلم کی ایک مبارک کڑی ہے۔

ہمارا آج کا پسندیدہ موضوع مسند احمد میں منقول ایک حدیث ہے جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ» (۳۸)

ترجمہ: درگزر کرو تمہارے لیے بھی چشم پوشی کی جائے گی۔

ہاں، جوامع الکلم میں سے «اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ» ایک چھوٹا سا جملہ ہے، اس کے کلمات تھوڑے ہیں مگر معانی، سبق آموز باتیں اور ہدایات بہت زیادہ ہیں۔

درگزاری کے متعلق اگر تم کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں تلاش کرو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اس کی بہت عظیم شان ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: اللہ کے نزدیک کونسا دین سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ»^(۳۹)

ترجمہ: درگزر والا راہ روی والا۔

درگزر کا مقصد دوسروں کے ساتھ معاملات میں سہولت، نرمی اور آسانی کرنا ہے۔

درگزر کا مقصد دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنا اور ان سے چشم پوشی کرنا ہے۔

درگزاری صرف طاقتور، متقی اور شریف لوگوں ہی سے ہوتی ہے، اسی لیے

لوگ کہتے ہیں: درگزر کرنے والا کریم ہے، کیوں کہ اس نے اپنے حق کو معاف کر

لوگوں کو ان کے حقوق دیا ہے؛ اس لیے کہ وہ ایک آنکھ سے دنیا اور دوسری آنکھ

سے آخرت دیکھتا ہے۔

ہم آپس میں چشم پوشی کیوں کرتے ہیں؟ میں خود کو اور آپ کو چشم پوشی

کرنے والوں کی صف میں کیوں دیکھنا چاہتا ہوں؟

(۳۹) احمد (۲۳۶/۱)، والادب المفرد (۲۸۷) و بخاری (۱۶/۱)۔

جواب: اول: میں درگزر اس لیے کرتا ہوں کیوں کہ اللہ نے ہم سب کو درگزر کرنے کا حکم دیا ہے۔

ہم سورہ نور میں پڑھتے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا أَلَا يُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

[النور: ۲۲]

ترجمہ: انہیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

ہم سورہ تغابن میں پڑھتے ہیں:

﴿وَأِنْ تَعَفُّواْ وَتَصْفَحُواْ وَتَغْفِرُواْ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [التغابن: ۱۴]

ترجمہ: اور اگر تم معاف کر دو اور درگزر کرو، اور بخش دو تو اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

ہم سورہ مائدہ میں پڑھتے ہیں:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَأَصْفَحْ﴾ [المائدة: ۱۳]

ترجمہ: لہذا (فی الحال) انہیں معاف کر دو اور درگزر سے کام لو۔

یہ اللہ کا حکم ہے!

میں چشم پوشی اس لیے کرتا ہوں کیوں کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میں روادار بنوں اور دوسروں کی غلطیوں سے چشم پوشی کروں۔

دوم: تاکہ میں اپنے رسول کے نقش قدم پر چلوں۔

جو بھی نبی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو تمام احوال میں اسے نبی کی اتباع کرنی چاہئے، اور آپ ﷺ کے احوال میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ درگزر کرنے والے تھے، ترمذی کی ایک حدیث میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

«لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا صَحَّابًا بِالْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفُو وَيُصْفَحُ»^(۳۰) ترجمہ: وہ سخت گو اور نازیبا کلام کرنے والے نہیں تھے، وہ بازاروں میں چیخنے والے بھی نہیں تھے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیا کرتے بلکہ آپ ﷺ عفو و درگزر کیا کرتے تھے۔ یہ ہیں ہمارے ﷺ!

سوم: کیوں کہ قاعدہ ہے: درگزر کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی درگزر کیا جائے گا۔

یہی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں: «اسْمَعُ يُسْمَعُ لَكَ»، جو شخص بھی دنیا میں درگزر کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس سے درگزر کرے، حدیث واضح ہے۔

لیکن اس حدیث مبارکہ کو دیکھو جسے ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں نقل کیا ہے: نبی ﷺ نے ایک طویل حدیث میں اہل جنت اور اہل جہنم کے احوال ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

«فَيَقُولُ اللَّهُ: انظروا في النار هل تلقون من أحدٍ عمل خيراً قط؟»
 رحمۃ اللہ تَشْمَلُ حَتَّى الَّذِينَ فِي النَّارِ «قَالَ: فَيَجِدُونَ فِي النَّارِ رَجُلًا،
 فَيَقَالُ لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا، غَيْرَ أَنِّي كُنْتُ أُسَامِحُ النَّاسَ
 فِي الْبَيْعِ وَالشَّرَاءِ، فَيَقُولُ اللَّهُ: ائْسَمِحُوا لِعَبْدِيكَ إِسْمَاحِهِ إِلَيَّ عَبِيدِي.
 فَأَخْرَجَهُ مِنَ النَّارِ»^(۴۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جہنم میں دیکھو کہ کیا کسی کے پاس کوئی نیک عمل ہے؟ اللہ کی رحمت ان لوگوں کو بھی شامل حال ہوگی جو جہنم میں ہونگے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہیں جہنم میں ایک شخص ملے گا، اسے کہا جائے گا: کیا کبھی کوئی نیک کام کیا؟ تو وہ کہے گا: نہیں، سوائے اس کے کہ میں خرید و فروخت میں لوگوں سے درگزر کیا کرتا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے سے درگزر کرو کیوں کہ یہ میرے بندوں سے درگزر کیا کرتا تھا، لہذا اسے جہنم سے نکال دو۔

اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو درگزر کی بنیاد پر جہنم سے آزاد کر دیا، اس لئے کہ وہ کمزور یا ناتواں ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ طاقت و قوت رکھتے ہوئے بھی لوگوں کے ساتھ نرمی، رواداری اور درگزر سے کام لیا کرتا تھا۔

چہارم: میں درگزر کرتا ہوں کیوں کہ میں اجر کی طرف دیکھ رہا ہوں، اس شخص کے پاس نہیں جس سے درگزر کرتا ہوں بلکہ اللہ کے پاس اجر طرف دیکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ [الشوری: ۴۰]

ترجمہ: پھر بھی جو کوئی معاف کر دے، اور اصلاح سے کام لے تو اس کا ثواب اللہ نے ذمے لیا ہے۔

اس سے بدلہ کی امید مت رکھو جس کی تم نے درگزر کیا، اس انتظار میں مت رہو کہ اس سے کوئی اچھا بدلہ مل جائے گا، ہو سکتا ہے کہ وہ شخص فطری طور پر نسیم ہو، نہیں! اللہ سے اجر کی امید رکھو، اللہ فرماتا ہے:

﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾

پنجم: کیوں کہ چشم پوشی کرنے والا دوسروں کے مقابل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ

بَصِيرٌ ﴿البقرة: ۲۳۷﴾

ترجمہ: اور اگر تم رعایت کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں فراخ دلی کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔ جو عمل بھی تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اسے دیکھ رہا ہے۔

ششم: کیوں کہ چشم پوشی کرنے والے پر رحمت ہوتی ہے، جو شخص لوگوں میں درگزر کے ساتھ زندگی گزارتا ہے اس پر رحمت ہوتی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمَحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى»^(۳۲)

ترجمہ: اللہ ایسے شخص پر رحم کرے جو خرید و فروخت کے وقت اور [اپنے قرض کا] تقاضہ کرتے وقت چشم پوشی کا معاملہ کرے۔

ہفتم: کیوں کہ مسامحت اور درگزر ایسی سیڑھی ہے جس پر صرف بڑے اور سردار لوگ چڑھتے ہیں، تم دیکھتے ہو کہ چشم پوشی کرنے والا کمزور نہیں ہوتا اور نہ ہی سادہ مزاج ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کوئی معمولی شخص ہوتا ہے، بلکہ چشم پوشی کرنے والا بڑا ہوتا ہے، جو شخص بھی دوسروں کو معاف کر دیتا ہے اور ان کی غلطیوں میں نہیں پڑتا تو ایسا کرنے والا بڑا اور عظیم انسان ہوتا ہے، شاعر کہتا ہے:

وَبَيْنَ بَنِي عَمِّي لِمُخْتَلَفٍ جَدًّا
وَأَنَّ هَدَمُوا مَجْدِي بَنَيْتُ لَهُمْ مَجْدًا
وَلَيْسَ رَيْسُ الْقَوْمِ مَنْ يَحْمِلُ الْحِقْدَا (۴۳)

وَإِنَّ الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَ بَنِي أَخِي
فَإِنْ أَكَلُوا لَحْمِي وَفَرَّتْ لِحُومِهِمْ
وَلَا أَحْمِلُ الْحِقْدَ الدَّفِينِ عَلَيْهِمْ

ترجمہ: میرے اور میرے بھائیوں کے بیٹوں اور میرے چچا کے بیٹوں کے درمیان بہت اختلاف ہے، اگر وہ میرا گوشت کھاتے ہیں تو میں ان کے گوشت کی حفاظت کرتا ہوں اور اگر وہ میری عزت و شرافت کو ڈھاتے ہیں تو میں ان کے لیے شرافت بناتا ہوں، اور میں اپنے سینے میں بغض و کینہ چھپا کر نہیں رکھتا، وہ شخص قوم کا سردار نہیں ہوتا جو کینہ رکھے۔

وہ ان کی بے عزت کرنے کے درپے ہیں اور یہ ان کی عزت کی حفاظت میں لگا ہوا ہے، وہ ان کی چغلی کھاتے ہیں اور وہ ان کے عزت و ناموس کی پاسداری کرتا ہے، ایسا کرنے والا شخص لوگوں میں بڑا اور عظیم ہوتا ہے۔

امام شعبی کے سامنے ایک شخص نے انہیں گالی دی اور برا بھلا کہا، تو امام شعبی نے کہا: «إِنَّ كُنْتَ صَادِقًا فَغْفَرَ اللَّهُ لِي، وَإِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَغْفَرَ اللَّهُ لَكَ» (۴۴)

ترجمہ: اگر تو سچا ہے تو اللہ میری مغفرت فرمائے اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تیری مغفرت فرمائے۔ انہوں نے کچھ کہہ کر اس کا رد نہیں کیا بلکہ دوسروں کی غلطیوں

(۴۳) روضة العطاء (ص: ۱۷۳-۱۷۴)، دیوان حماسہ (ص: ۸۲۹)، وتاریخ بغداد (۲۰/۱۲۰)۔

(۴۴) الاشراف (۲۵۹)، والجالد (۸۰۰، ۳۳۲۳)۔

سے سکوت اختیار کر کے انہیں عزت و شرف ملا۔

اسی لیے امام شافعی کہتے ہیں:

قَالُوا سَكَتَ وَقَدْ خُوصِمْتَ قُلْتُ لَهُمْ
 إِنَّ الْجَوَابَ لِبَابِ الشَّرِّ مِفْتَاحُ
 الصَّمْتُ عَنْ جَاهِلٍ أَوْ أَحْمَقٍ شَرٌّ
 وَفِيهِ أَيْضًا لَصَوْنُ الْعَرِضِ إِصْلَاحُ
 أَمَا تَرَى الْأَسَدَ تَخْشَى وَهِيَ صَامِتَةٌ
 وَالْكَلْبُ يَحْسَى لِعَمْرِي وَهُوَ نَبَّاحٌ^(۴۵)

ترجمہ: لوگوں نے کہا: لوگ آپ سے جھگڑتے رہے اور آپ خاموش ہو، میں نے کہا: جواب دینے سے شر کا دروازہ کھلتا ہے، جاہل اور احمق کی بات کا جواب نہ دینے میں ہی بھلائی ہے، اس میں بھی عزت کی حفاظت ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ شیر خاموش رہتا ہے پھر بھی لوگ ڈرتے ہیں اور کتا بھونکتا رہتا ہے مگر کسی کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔

ہشتم: کیوں کہ درگزر کرنے والے بڑی فضیلت والے عمل کے حامل ہیں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون سے اعمال افضل ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: «الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ»^(۳۶)

ترجمہ: صبر اور درگزر۔

(۳۵) دیوان الشافعی (ص: ۵۱)۔

(۳۶) مصنف ابن ابی شیبہ (۶۱۱/۱۵)، وشعب الایمان (۹۲۶۰)۔

انسان اس وقت تک درگزر نہیں کر سکتا جب تک کہ اس میں صبر کا مادہ نہ پایا جائے۔

نہم: درگزر کرنے والا راحت میں ہے، جو شخص درگزر نہیں کرتا وہ غم و آلام کی زندگی جیتتا ہے، اور درگزر کرنے والا راحت میں ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «خَدَمْتُ رَسُولَ اللَّهِ تِسْعَ سِنِينَ، فَمَا أَعْلَمُهُ قَالَ لِي قَطُّ: لِمَ فَعَلْتَ كَذَا وَكَذَا؟ وَلَا عَابَ عَلَيَّ شَيْئًا قَطُّ»^(۳۷) ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی نو سال خدمت کی، مجھے نہیں معلوم کہ کبھی آپ نے کہا ہو: ایسا ایسا کیوں کیا؟ اور نہ ہی کبھی آپ نے مجھ پر کوئی عیب دھرا۔

جو شخص درگزر نہیں کرتا وہ سکون سے نہیں رہتا، وہ ہمیشہ دوسرے کے عتاب میں رہتا ہے، بیوی کو پریشان کرے گا کیونکہ اس نے کھانا لانے میں تاخیر کر دی، دوست سے ناراض ہو جائے گا، کیونکہ اس نے مقررہ وقت سے پانچ منٹ تاخیر کر دی، اور جب کوئی اس کا ساتھی سب دوستوں کو اپنے بیٹے کی شادی کی دعوت دے، اور اس کو نہ بلائے، تو وہ اپنے ساتھی پر لعن طعن کرے گا۔ وہ لوگوں کے عتاب میں جئے گا، دوسروں کی غلطیاں نکالتا رہے گا، وہ مظلومیت کی زندگی جیتتا رہے گا گویا کہ ہمیشہ اس پر ظلم ہی ہوتا ہے۔

خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے، وہ

فرماتے ہیں: «إِذَا سَمِعْتَ الْكَلِمَةَ تُؤْذِيكَ فَطَأْطِئْ لَهَا حَتَّى تَتَخَطَّكَ»^(۳۸)
ترجمہ: جب تم کوئی ایسی بات سنو جس سے تمہیں تکلیف ہو تو تم اس کے سامنے
جھک جاؤ، تاکہ وہ تمہارے اوپر سے گذر کر پار ہو جائے۔ دوسروں کے ساتھ برتاو
کرنے کا یہی اصول ہے۔

دوسروں کی غلطیوں کو چھیڑو نہیں، کیوں کہ تمہارے آس پاس کے لوگ
تمہاری طرح انسان ہیں، ان سے خطا سرزد ہو گئی ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ دوسرے
لوگ تمہارے ساتھ درگزر کریں تو تم ان کے ساتھ درگزر کرو۔

ایک شاعر کہتا ہے:

لَمَّا عَفَوْتُ وَلَمْ أَحْدِ عَلَيَّ أَحَدٍ أَرَحْتُ نَفْسِي مِنْ هَمِّ الْعَدَاوَاتِ
ترجمہ: جب میں نے معاف کر دیا اور کسی سے کینہ نہیں رکھا تو دشمنی کے غم
سے اپنی جان کو راحت دی۔

إِنِّي أَحْبَبِي عَدُوِّي عِنْدَ رُؤْيَتِهِ لِأَدْفَعِ الشَّرَّ عَنِّي بِالتَّحِيَّاتِ
وَأُظْهِرَ الْبَشَرَ لِلْإِنْسَانِ أَبْغِضُهُ كَمَا قَدْ مَلَأَ قَلْبِي بِالْمَوَدَّاتِ^(۴۹)
ترجمہ: جب میں اپنے دشمن کو دیکھتا ہوں تو انہیں سلام کرتا ہوں کیوں کہ
سلام سے شر مجھ سے دور ہوتا ہے، اور جس انسان سے میں بغض رکھتا ہوں، اس

(۳۸) العقد الفرید (۲/۱۴۰)۔

(۳۹) روضة العطاء (ص: ۱۶۹)، والبصائر والذخائر (۸/۱۹۰)، وادب الدنيا والدين (ص: ۱۸۲)۔

سے میں مسکرا کر ایسے ملتا ہوں، گویا کہ میرے دل میں محبت بھری ہوئی ہو۔

اگر اکثر و بیشتر عتاب کرتے رہو گے تو شاعر کی زبانی کچھ یوں ہو گا:

إِذَا كُنْتَ فِي كُلِّ الْأُمُورِ مُعَاتِبًا صَدِيقَكَ لَمْ تَلَقَ الَّذِي لَا تُعَابِهُ^(۵۰)

ترجمہ: اگر ہر کام میں عتاب ہی کرو گے تو تم اپنے ان دوستوں سے نہیں مل سکو گے جنہیں تم عتاب نہیں کرتے۔

ایسا انسان کہاں ملے گا جس سے غلطی نہیں ہوتی، لہذا درگزر کرو تمہارے ساتھ بھی درگزر کیا جائے گا۔

دہم: میں درگزر اس لیے کرتا ہوں کہ درگزر پر مرتب ہونے والا اجر مجھے ملے، سنن ابو داؤد میں سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيَّرَهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ مَا شَاءَ»^(۵۱)

ترجمہ: جو شخص غصہ پی جائے جب کہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے لوگوں کے سامنے بلائیں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جو بھی حور پسند ہو لے لو۔

(۵۰) دیوان بشار بن برد (۳۲۶/۱)۔

(۵۱) احمد (۴۴۰/۳)، وابوداؤد (۴۷۷۷)، وابن ماجہ (۴۱۸۶)۔

وہ ایک بات کا جواب دس باتوں سے دینے پر قادر ہے اور ایک دن کے بدلے دس دن چھوڑنے پر قادر ہے لیکن وہ معاف کرتا رہتا ہے اور درگزر کرتا رہتا ہے کیوں کہ اسے اس اجر عظیم کی طلب ہے:

﴿مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى رُؤُوسِ السَّحَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ مَا شَاءَ﴾

ایک شخص نے عمر بن ذر کو گالی دی اور ان کے بارے میں برا بھلا کہا تو سیدنا عمر نے کہا: «يا أخي لا تُفْرِطَنَّ فِي شَتْمِنَا، وَدَعْ لِلصَّالِحِ مَوْضِعًا، فَإِنَّا لَا نُكَافِي مَنْ عَصَى اللَّهَ فِينَا إِلَّا أَنْ نُطِيعَ اللَّهَ فِيهِ»^(۵۲) ترجمہ: اے بھائی ہماری بہت زیادہ برائی نہ کرو اور صلح کی کوئی گنجائش باقی رکھو، کیوں کہ ہم اس شخص سے بدلہ نہیں لیتے جو ہمارے معاملے میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، مگر ہم اس کے معاملہ میں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

اس جملہ کو اپنے دل میں دہراتے رہیں:

درگزر کرو تمہارے ساتھ بھی درگزر کیا جائے گا۔

(۵)

أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ

ہمارا موضوع آج طبرانی کی المعجم الکبیر کی حدیث ہے، نبی ﷺ سے کسی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! نجات کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلَيْسَعَكَ بَيْتُكَ، وَابْنُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ» (۵۳)

ترجمہ: اپنی زبان قابو میں رکھ، تیرا گھر تیرے لئے وسیع ہو (یعنی گھر سے باہر کم نکلا کر) اور اپنے گناہوں پر ندامت کے ساتھ آنسو بہا۔ ہمارا موضوع پہلا جملہ یعنی «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ» ہے۔

اے نجات کو تلاش کرنے والے! دنیا کے اندر اور آخرت کے اندر نجات، زبان کو روک رکھنے میں ہے، جب سائل نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس میں ہے تو اس نے دنیا و آخرت کی قید نہیں لگائی، بس یہ پوچھا کہ نجات کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ»

زبان ہی سے آدمی خوش بخت بھی بنتا ہے اور بد بخت بھی، اسی سے سلامتی بھی ملتی ہے اور اسی سے مار بھی کھاتا ہے، اسی سے جنت کے اعلیٰ درجات ملتے ہیں اور اسی سے جہنم کی گہری کھائی بھی۔

زبان جسم کا سب سے خطرے والا عضو ہے، جو آج بُوتا ہے وہ قیامت کے دن کاٹے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِيهِ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾﴾ [مریم: ۷۹-۸۰]

ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں! جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ہم اسے لکھ رکھیں گے، اور اس کے عذاب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ اور اس کے وارث ہم ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال اور اولاد کے) اور یہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا، یعنی اس کی بات کو ہم لکھ رہے ہیں اور اپنی پھر وہ اپنی کہی بات کو پالے گا۔
حتی کہ اگر یہ بات چپکے سے پردے کے پیچھے کہے، حتی کہ اشاروں کی آڑ میں کہی جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۗ بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾﴾ [الزخرف: ۸۰]

ترجمہ: کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم ان کی خفیہ باتیں اور ان کی سرگوشیاں نہیں سنتے؟ کیسے نہیں سنتے؟ نیز ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں، وہ سب کچھ لکھتے رہتے ہیں۔

زبان سے نکلنے والا ہر ہر لفظ لکھا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَيْنِدٌ ﴾ [ق: ۱۸]

ترجمہ: انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگر اس پر ایک نگران مقرر ہوتا ہے۔

ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے، حضرت معاذ نے اخیر میں فرمایا: نبی ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: اسے قابو میں رکھو، میں نے کہا: یا نبی اللہ ﷺ! کیا ہماری بات پر ہماری پکڑ ہوگی؟ تو آپ نے فرمایا: «تَكَلَّمْتُكَ أُمَّكَ يَا مُعَاذُ، وَهَلْ يَكْتُبُ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ - أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ - إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ» (۵۴)

ترجمہ: تمہاری ماں تم پر روئے اے معاذ! کیا لوگوں کو دوزخ میں منہ یا نتھنوں کے بل زبان کے علاوہ بھی کوئی چیز گرائے گی۔

جو بھی نجات کا طلب گار ہے اور اس کے طریقے ڈھونڈتا ہے، تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ نجات زبان قابو رکھنے میں ہے۔

اگر آپ سوال کریں: کیوں؟

میرا جواب ہوگا: اول: کیوں کہ جنت کا مثالی راستہ زبان کو قابو میں رکھنا ہے۔

صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ» أَي: لِسَانَهُ «وَمَ ابْنِ رَجُلَيْهِ» أَي: فَرَجَهُ «أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ»^(۵۵) ترجمہ: جو شخص مجھے اس پتھر کی ضمانت دے جو اس کے دونوں جبروں کے درمیان (زبان) ہے اور اس چیز کی ضمانت دے جو اس کی دو رانوں کے درمیان ہے (شرمگاہ) تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے خلیفۃ الرسول! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس چیز نے مجھے کن کن بربادیوں تک پہنچایا۔ یہ ابو بکر اپنے بارے میں کہہ رہے ہیں: اس چیز نے مجھے کن کن بربادیوں تک پہنچایا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ شَيْءٌ مِّنَ الْجَسَدِ إِلَّا وَيَشْكُو مِن ذَرْبِ اللِّسَانِ»^(۵۶)

ترجمہ: جسم کو کچھ نہیں ہے مگر وہ زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔

تیز زبان: یہ فحش گو زبان ہے، یہ وہ زبان ہے جس سے صرف شر نکلتا ہے، یہ کہنا کہ فلان کی زبان تیز ہے یہ غلط ہے، تم اس کی برائی کر رہے ہو حالانکہ تمہارا مقصد اس کی مدح ہے، تو تیز زبان فحش گو اور بیہودہ گفتگو کرنے والی زبان کو کہتے ہیں۔

(۵۵) بخاری (۶۳۷۴)۔

(۵۶) شعب الایمان (۳۵۹۶)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْجَسَدِ إِلَّا وَيَشْكُو مِنْ ذَرْبِ اللِّسَانِ»

ترجمہ: جسم کو کچھ نہیں ہے مگر وہ زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے، یعنی اس کے شر، فحش اور شدت کی شکایت کرتی ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب کے باب الادب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا، انہوں نے فرمایا: «ما على الأرض شيءٌ أحوجُ إلى طولِ سِجْنٍ مِنْ لِسَانٍ»^(۵۷) ترجمہ: روئے زمین پر زبان لمبی قید سے زیادہ ضرورت کسی چیز کی نہیں ہے، یعنی وہ زیادہ ضرورت ہے کہ اسے قید و بند میں رکھا جائے۔

یہ نبی ﷺ کی وصیت ہے: «أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ»

وَاحْفَظْ لِسَانَكَ وَاحْتَرِزْ مِنْ لَفْظِهِ فَاَلْمَرْءُ يَسْلَمُ بِاللِّسَانِ وَيَعْطَبُ
وَزِنِ الْكَلَامَ إِذَا نَطَقْتَ وَلَا تَكُنْ ثَرْثَارَةً فِي كُلِّ وَادٍ تَخْطُبُ^(۵۸)

ترجمہ: اپنے زبان کی حفاظت کرو اور اس کو کھولنے سے احتراز کرو، کیوں کہ انسان زبان سے سلامت بھی رہتا ہے اور ہلاک بھی ہوتا ہے۔ بولتے وقت بات کو ناپ تول لیا کرو، اور ہر بات میں فضول گوئی مت کیا کرو۔

(۵۷) ابن ابی شیبہ (۲۲۱)، والمصنف (۱۳/۲۸۹)، و ابو داود (۱۳۹)، المعجم الکبیر (۱۳۹/۹، ۱۳۴-۸۷)۔

(۵۸) مجابی الادب فی حدائق العرب (۴/۹۱)، و مجموعة القصائد الزهدیة (۲/۲۸۰)۔

بعض لوگ بس بولنا جانتے ہیں، جہاں بھی جس بھی مجلس میں دیکھو بس بک بک کر رہے ہوتے ہیں، ہر وقت ہر چیز کے بارے میں فضول گوئی کرتے ہیں، اسی لیے یونس بن عبید فرماتے ہیں: «خِصْلَتَانِ إِذَا صَلَّحْتَ مِنَ الْعَبْدِ صَلَّحَ مَا سِوَاهُمَا مِنْ أَمْرِهِ: صَلَاتُهُ وَلِسَانُهُ»^(۵۹) ترجمہ: دو عادتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ بندے سے صحیح ہو جائیں تو باقی سارے امور صحیح ہو جائیں: نماز اور زبان۔

موطاً امام مالک میں مروی ہے: ذکر کیا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا خنزیر کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے خنزیر سے فرمایا: سلامتی سے گزر جا، پوچھا گیا: اے اللہ کے نبی! آپ خنزیر سے کیا کہہ رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: «إِنِّي أَكْرَهُ وَأَخَافُ أَنْ أَعُوذَ لِسَانِي النَّطْقَ بِالسُّوءِ»^(۶۰) ترجمہ: مجھے ناپسند ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ میری زبان سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے۔ کیوں کہ ان کا ارادہ اپنے نفس کی تربیت کرنا تھا کہ زبان سے صرف حق اور اچھی بات نکلے۔

نجات زبان کو قابو میں کرنے میں ہی ہے؛ کیوں کہ جس کی زبان پھسلی وہ حق سے دور ہو گیا اور وہ قیامت کے دن نبی ﷺ کی مجلس سے دور ہو جائے گا۔ ترمذی کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۵۹) حلیۃ الاولیاء (۲۰/۳)۔

(۶۰) الموطا (۲/۹۸۵، ۴)۔

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحْسَنُكُمْ
أَخْلَاقًا، وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الشَّرَّارُونَ»

ترجمہ: بے شک تم لوگوں میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور
قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہو گا جس کے اخلاق سب سے
اچھے ہوں، اور بے شک قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور فضول گوئی
کرنے والے اور گھمنڈ کرنے والے لوگ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ
سے دور اور مخلوق میں مبغوض ہوں گے،

« وَإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الشَّرَّارُونَ
وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفِيهِقُونَ »، قالوا: يا رسول الله، قد علمنا الشَّرَّارِينَ
وَالْمُتَشَدِّقِينَ فما الْمُتَفِيهِقُونَ؟ قال: «الْمُتَكَبِّرُونَ»^(۶۱)

ترجمہ: میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ
سے دور وہ لوگ ہوں گے جو فضول گو، بلا احتیاط بولنے والے اور متفہقون ہیں،
صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے شرارون (باتونی)، متشدقون (بلا احتیاط بولنے
والا) کو تو جان لیا لیکن متفہقون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: تکبر کرنے والے۔

نجات زبان کو قابو میں کرنے اور اس کو شر سے روکنے میں ہی ہے کیوں کہ
زبان پورے بدن کی قیادت کرتی ہے، اگر وہ صحیح رہی تو پورا جسم صحیح رہے گا اور

اگر وہ کج رو ہوگئی تو پورا جسم کج رو ہو جائے گا۔ سنن ترمذی میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ» فِي كُلِّ صَبَاحٍ «فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ»،
 أَي: تَخْضَعُ لَهُ وَتَذِلُّ «تَقُولُ: اتَّقِ اللَّهَ فِينَا، فَإِنْ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ
 اعْوَجَجَتْ اعْوَجَجْنَا»^(۶۲)

ترجمہ: انسان روزانہ صبح جب بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے مخاطب ہو کر اسے تاکید کرتے ہیں کہ دن میں درستی اور صداقت پر قائم رہنا اور بیہودہ گوئی سے بچے رہنا، کیوں کہ اگر تو درست اور ٹھیک رہے گی، تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو کج روی کے راستے پر چلے گی، تو ہم بھی کج روی کے راستے پر چل پڑیں گے۔

مسند احمد میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَسْتَقِيمُ إِيمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ، وَلَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى
 يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ»^(۶۳)

ترجمہ: بندے کا ایمان صحیح نہیں رہتا جب تک کہ دل صحیح نہ ہو اور دل صحیح نہیں رہتا جب تک کہ زبان صحیح نہ ہو۔

جب زبان صحیح ہوگی تو دل بھی صحیح ہوگا اور ایمان بھی۔

(۶۲) احمد (۹۶/۳)، و ترمذی (۲۳۰۷)۔

(۶۳) احمد (۱۹۸/۳)۔

جوامع الکلم میں سے یہ ایک زندہ جاوید نصیحت ہے: نجات چاہئے تو زبان قابو میں رکھو۔

سفیان بن عبد اللہ ثقفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے ملے اور دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ: میرے بارے میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کو کس چیز کا اندیشہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کپڑ کر فرمایا: «هَذَا»^(۶۳) یہ ہے، یعنی یہی وہ چیز ہے جس سے میں سب سے زیادہ ڈرتا ہوں، کیوں کہ اس کی وجہ سے انسان کے ساری نیکیاں چلی جاتی ہیں، نماز، روزہ، حج اور صدقات سب کی نیکیاں اس زبان کی وجہ سے جاتی رہتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت کا ذکر کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ: فلاں عورت رات کو قیام کرتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے اور صدقہ کرتی ہے مگر اپنی پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس میں کوئی بھلائی نہیں، وہ جہنمی ہے۔ یعنی پوری رات نماز پڑھتی ہے، غیر رمضان میں روزہ رکھتی ہے، شوال کے چھ روزے رکھتی ہے، عرفہ کے روزہ رکھتی ہے اور کبھی کبھی ایام بیض کے روزے رکھتی ہے، اس کے پاس صیام و قیام ہے اور صلاح و تقویٰ ہے، لیکن اپنے ایک عضو زبان سے مجبور ہے، اسی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو آپ نے فرمایا: اس میں کچھ بھی

(۶۴) احمد (۴/۳۱۳)، وترمذی (۲۴۱۰)، وابن ماجہ (۳۹۷۲)۔

بھلائی نہیں۔ صیام و قیام کہاں ہیں؟ اچھے اچھے کام کہاں ہیں؟ صدقات کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں کوئی خیر نہیں، وہ جہنمی ہے۔

اسی حدیث میں ہے، صحابہ کرام - رضوان اللہ علیہم اجمعین - نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! فلاں عورت صرف فرض نمازیں ادا کرتی ہے حتیٰ کہ اس کے پاس سنن و رواتب بھی نہیں صرف فرض نمازیں ادا کرتی ہے اور پنیر کے ٹکڑوں کا صدقہ کرتی ہے، لیکن کسی کو تکلیف نہیں دیتی، (اس کے بارے میں کیا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هِيَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ»^(۶۵) ترجمہ: یہ جنتی عورت ہے۔

لہذا کسی کو اپنی نماز، روزہ، صلاح اور دینداری سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہئے، کسی کے بارے میں کچھ بولنے سے پرہیز کرنا چاہئے؛ کیوں کہ بعض لوگ صلاح، دینداری اور پرہیزگاری دیکھ کر سمجھیں گے کہ دوسروں کے بارے میں بات کرنا نیک عمل ہے، یہ بہت بڑی غلطی ہے، مصیبت یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کے بارے میں بات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس بات سے وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں دین کی وجہ سے لوگوں کے بارے میں بات کرتا ہوں، میں دعوت کی وجہ سے لوگوں کے متعلق گفتگو کرتا ہوں، میں صلاح کی وجہ سے لوگوں کے بارے میں بات کرتا ہوں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے غرور کو خوش کر رہے ہیں، وہ اپنے خواہش نفس کی وجہ سے بات کر رہے ہیں۔

ابن قیم نے کتنی اچھی بات کہی، انہی کی بات پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

عجیب بات ہے کہ انسان کے لیے حرام کھانے، ظلم، زنا، چوری، شراب پینے، اور حرام چیزوں کو دیکھنے سے بچنا آسان ہے، یہ سب اس کے لیے آسان ہیں، وہ نہ تو شراب پیتا ہے، نہ ہی زنا کرتا ہے، نہ چوری کرتا ہے، نہ حرام کھاتا ہے اور نہ ہی ظلم کرتا ہے۔ اور فرمایا: مگر اس کے لیے زبان کو حرکت دینے سے بچنا مشکل ہے، حتیٰ کہ ایسا شخص جس پر دینداری، زہد اور عبادت کا لیبیل لگا ہوا ہے وہ اللہ کو ناراض کرنے والے ایسے کلمات بول دیتا ہے، جو اس شخص کو مشرق اور مغرب کے درمیان پائے جانے والی دوری سے بھی زیادہ دور پھینک دیتے ہیں، تم نے کتنے ہی لوگوں کو دیکھا ہو گا جو فحش اور ظلم سے تو بچتے ہیں، جبکہ ان کی زبان سے زندہ و مردہ اشخاص کی عزت محفوظ نہیں اور انہیں اپنے قول کی پرواہ بھی نہیں ہوتی۔^(۶۶) یہ بڑی مصیبت ہے۔

دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! نجات کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھنا۔

میرے بھائی! کسی مجلس میں تم سے یہ کہا جانا کہ اے فلاں، تم نے کیوں نہیں بولا؟ یہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ تم سے کہا جائے: اے فلاں تو کیوں بولا؟

(۶)

مَنْ يُحْرِمِ الرَّفْقَ يُحْرِمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ

دوستو!

زرمی اچھی عادت ہے، اللہ اسے پسند کرتا ہے۔

زرمی ہر چیز کے لئے خوبصورتی ہے، یہ ہر چیز کو خوبصورت بناتی ہے۔

زرمی خیر ہی خیر لاتی ہے۔

زرمی کرنے والا دنیا اور آخرت کے خیر پاتا ہے۔

زرمی دل کی کنجی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فِيمَا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا لَفَقَضْنَا مِنْ حَوْلِكَ
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ
يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ [آل عمران: ۱۵۹]

ترجمہ: ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بناء پر (اے پیغمبر)

تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے

تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہذا ان کو معاف کر دو، ان کے لیے مغفرت کی دعاء کرو، اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے «جوامع الکلم» سے متعلق ہماری گفتگو جاری ہے، اور آج ہمارا موضوع جوامع الکلم کی وہ حدیث ہے جسے سنن ابو داؤد میں نقل کیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ يُحْرِمِ الرَّفْقَ يُحْرِمِ الْحَيَرَ كُلَّهُ»^(۶۷) ترجمہ: جو نرمی سے محروم ہے وہ تمام خیر سے محروم ہے۔

یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے، اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو نرمی سے محروم ہے وہ تمام خیر ہی سے محروم ہے، یہ ایسا شخص ہے جو نرمی کا راستہ ہی نہیں جانتا، جس کے نفس پر رفق کا دروازہ نہیں کھلتا وہ ہر بھلائی سے محروم ہے، اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جب رفق کسی چیز میں داخل ہو جاتی ہے تو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے، ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں مروی ہے:

«إِنَّ الرَّفِقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُرْفَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ» (۶۸)

ترجمہ: نرمی کسی چیز میں ہو تو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور کسی چیز سے اٹھ جائے تو اسے خراب کر دیتی ہے۔

ہر وہ چیز جس میں رفق داخل ہو جائے تو اسے خوبصورت بنا دیتا ہے اور ہر وہ چیز جس سے نرمی اٹھالی جائے تو خراب ہو جاتی ہے، مسند احمد میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ ارْفُقِي، فَإِنَّ اللَّهَ إِذَا أَرَادَ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا دَلَّهْمُ عَلَى بَابِ الرَّفِقِ» (۶۹)

ترجمہ: اے عائشہ! نرمی کیا کرو، کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی اہل خانہ سے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو انہیں نرمی کے دروازہ کا پتہ دے دیتا ہے۔

اسی لیے جس گھر میں نرمی کثرت سے ہوتی ہے اس گھر پر رحمت ہوتی ہے اور جس گھر میں سختی، شدت اور غلظت ہوتی ہے وہ گھر محروم ہوتا ہے، جب کہ پہلے والے پر رحمت ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب گھر ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیانے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۶۸) مسلم (۲۵۹۳)۔

(۶۹) احمد (۱۰۴/۶)۔

«إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ أَهْلَ بَيْتٍ أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرَّفْقَ» (۷۰)

ترجمہ: بیشک جب اللہ کسی گھر والوں کو پسند کرتا ہے تو ان پر نرمی عطا کر دیتا ہے۔ یہ گھر کتنا ہی قابل ستائش ہے، یہ ایک تنظیم ہے، قابل رہائش جگہ ہے، ایک ایسی مجلس ہے، جس میں سب بھائی رستے ہیں۔ جب اللہ ان سے محبت کرتا ہے انہیں نرمی عطا کر دیتا ہے، لہذا اگر دیکھو کہ کسی گھر میں نرمی نہیں ہے تو جان لو کہ وہ گھر اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے۔

اے اللہ کے بندو! نرمی کے میدان بہت زیادہ ہیں، اگر شمار کرنے لگیں تو بہت لمبا ہو جائے گا، لیکن عقلمند کو ایک یا دو مثال کافی ہے، اس کے باوجود چار نمونے عرض کر دیتے ہیں؛ کیوں کہ ہمیں نرمی کے لیے مثال کی ضرورت ہے:

نرمی کا میدان اول: ہمیں مخالف کے ساتھ نرمی کی ضرورت ہے، اختلاف امر طبعی ہے، دور والوں سے پہلے قریب والوں سے اختلاف ہو جاتا ہے، دشمن سے پہلے محبوب سے اختلاف ہو جاتا ہے، کافر سے پہلے مسلمان سے اختلاف ہو جاتا ہے، اس اختلاف میں نرمی ہونی چاہئے؛ کیوں کہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے خوبصورت بنا دیتی ہے، اپنے اور اپنے بھائی کے درمیان اختلاف کو تصور کیجئے لیکن یہ اختلاف خوبصورت ہو جاتا ہے جب اس میں نرمی داخل ہو جاتی ہے۔

صحیح بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ

یہودی - یہود و نصاریٰ کافر ہیں اس کے باوجود نرمی دیکھو - نبی ﷺ کے پاس آئے اور 'السام علیکم' کہا جس کے معنی موت کی دعاء کرنا ہے۔ مجھے ان کا مطلب سمجھ آگیا، اس لیے جواب دیا: 'وعلیکم السام واللعنة'، تم پر بھی موت آئے اور لعنت ہو (بندروں اور خنزیروں کے بھائیوں)۔ آپ نے فرمایا: رکو عائشہ، اللہ تعالیٰ ہر کام میں نرمی پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ان کے کلمات نہیں سنے؟ فرمایا:

«أَوْ لَمْ تَسْمَعِي أَنِّي أَرَدْتُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ، فَأَقُولُ: وَعَلَيْكُمْ»^(۷۱)

ترجمہ: تم نے میرا جواب 'وعلیکم' نہیں سنا، یعنی تم پر بھی۔ بات یہاں پر ختم ہو گئی۔

اس نرمی سے بھاگتے کیوں کیوں ہو؟

یہ دعوت ہے، اس کے ذریعے سے میں خود اپنے آپ کو اور تمہیں متوجہ کرتا ہوں، جب اختلاف ہو تو نرمی سے دور مت جاؤ، یہ پیغام ہے جس کے ذریعے سے میں خطیبوں، صحافیوں اور مصنفین وغیرہ کو متوجہ کرتا ہوں کہ مخالف کو گالم گلوچ، برا بھلا کہنے اور اس کی تحقیر سے باز آجاؤ اگرچہ تمہیں یقین ہی ہو کہ وہ غلطی پر ہے، آپ کو ایسا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خاص طور پر ایسے زمانے میں جس میں ہم آج جی رہے ہیں، یہ آزمائش کا دور ہے، اس طرح کی باتوں سے صرف تقسیم ہوگی، ہمیں ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اتحاد کی دعوت دے نہ کہ جنگ و جدال کی، ہم ایسے زمانے میں ہیں جس میں ہمیں ایسی چیزوں کی طرف دعوت دینی چاہئے، جو ہمیں

ایک دوسرے سے ملا کر کامل و مکمل بناتی ہوں، نہ کہ ایسی چیزوں کی طرف دعوت دی جائے، جو ہمیں لڑائی اور جھگڑی کی طرف گھسیٹتی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: اے عائشہ! رکو، یہود کو جواب نہیں دیا، عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے عائشہ! رکو، اللہ رفیق ہے اور وہ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ ان کے 'السام علیکم' کے جواب میں بس 'وعلیکم' کہنا کافی ہے، یہ ترازو ہے جس کے مطابق ہمیں جینے کی ضرورت ہے صرف منبر پر نہیں بلکہ اپنی زندگی میں۔

بیوی کے ساتھ نرمی کریں جب بھی آپ کا اس سے اختلاف ہو، اور اولاد کے ساتھ نرمی کریں جب بھی اس کا آپ سے اختلاف ہو، ہمیں اسی کی ضرورت ہے جب کبھی کسی سے ہمارا اختلاف ہو جائے، مخالف کے ساتھ نرمی کریں۔

دوسرا میدان: سردار کا اپنی رعیت کے ساتھ نرمی کرنا، حاکم کا اپنے محکوم کے ساتھ، وزیر کا اپنی وزارت میں، جنرل کا اپنی فوج میں، والد کا گھر میں، ہمیں نرمی کی ضرورت ہے، ہم جو شدت، سختی اور غلظت دیکھتے ہیں یہ نبی ﷺ کے منہج سے بہت دور کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر راہنما کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿وَأَخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الشعراء: ۲۱۵]

ترجمہ: اور جو مومن تمہارے پیچھے چلیں، ان کے لیے (انکساری کے ساتھ اپنی

شفقت کا) بازو جھکا دو۔

ابو داؤد کی ایک حدیث میں جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس شخص کو دیکھو جو یہ بول رہا ہے کہ آپ ﷺ انہیں اپنے قول و عمل سے ہدایت دیا کرتے تھے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيرِ» يَعْنِي فِي الْقَافِلَةِ «فِي زَجِي الضَّعِيفِ، وَيُرْدِفُ، وَيَدْعُو لَهُمْ» (۷۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ قافلہ میں پیچھے چلتے، کمزور (اونٹنی) کو ہانکتے اور (کمزور کو) پیچھے بٹھاتے اور (سب کے لیے) دعائیں کرتے۔

آپ قافلہ میں پیچھے چلتے، سواری کو ہانکتے اور اسے مارتے، تاکہ تیز چلے اور جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اسے اپنے پیچھے بٹھالیتے، پھر سب کے لیے دعائیں کرتے۔

بلکہ آپ اس شخص کے لیے بھی دعاء کرتے جسے اس امت کا والی بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ نرمی کیا کرے، تو آپ فرماتے کہ اللہ اس کے ساتھ نرمی کرے، دیکھئے کیا دعاء کی ہے آپ ﷺ نے:

«اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشَقُّ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَّقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ» (۷۳)

ترجمہ: اے اللہ! جو میری امت کا والی مقرر ہو وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی

(۷۲) ابوداؤد (۲۶۳۹)۔

(۷۳) مسلم (۱۸۲۸)۔

اس پر سختی میں ڈال اور جو میری امت کا والی مقرر ہو اور وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی کر۔

یہ ولایت کوئی سی بھی ہو، آپ اپنے گھر میں ولی ہیں، اور امام اپنے محراب میں ولی ہے، اسے نرمی کرنا ضروری ہے، خطیب اپنے منبر پر ولی ہے اسے نرمی کرنا ضروری ہے، سب کے سب حکمران اور ولی جب امت پر سختی کریں گے تو نبی کی بد دعاء انہیں جا پہنچے گی اور جب وہ نرمی کریں گے تو نبی کی دعاء ان کے حق میں جائے گی۔

نرمی کا تیسرا میدان: خود کے ساتھ نرمی کرو، اس نفس کا حق ہے،

«وَإِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا»^(۷۳)

ترجمہ: تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔

لہذا اس کے ساتھ نرمی کرو، اور ایک بات میں خاصکر اپنے نوجوان بچوں کے لئے کہتا چاہتا ہوں، کہ اس نفس کے ساتھ نرمی کرنا ضروری ہے، نفس کے ساتھ نرمی کرنے کی ایک بڑی صورت یہ ہے کہ تم اسے اللہ کے تابع بنا دو اور نفس کے ساتھ سختی کرنے کی بڑی صورت اسے راہ خدا سے دور کرنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ڈالنا ہے اور اسے اس چیز کے تابع بنانا ہے جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے؛ لہذا

جو شخص اس کو شراب وغیرہ کی لت لگا کر عذاب دینے کی جرات کرتا ہے وہ اپنے نفس کے ساتھ نرم دل نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ»

ترجمہ: جو پہاڑ سے گر گیا،

ہمارے بعض نوجوان بچے جو اپنی گاڑیوں سے پہاڑ پر چڑھتے ہیں وہ کبھی گر کر مر جاتے ہیں حالانکہ انہوں نے مرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا لیکن یہ ایک ممکن بات ہے، نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«مَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدَّى فِيهَا، خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا»

ترجمہ: جس شخص نے خود کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کیا تو وہ دوزخ میں جائے گا، ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہے گا۔

یا لاپرواہی میں لال بتی [ریڈ سگنل] پار کرتے ہوئے خود کو قتل کر دے یا دوسرے کا قتل کر دے یا قانونی رفتار سے تجاوز کر جائے، تو وہ درحقیقت خود کو مار رہا ہے، یا اس طرح وہ شخص جو نشے کا عادی بن جاتا ہے۔ ہم روز مرہ ایسی اموات کے بارے میں سنتے ہیں جو نشے کی وجہ سے ہوتی ہیں، ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

«وَمَنْ تَحَسَّيْسًا فَقَتَلَ نَفْسَهُ، فَسَمُّهُ فِي يَدِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَحَسَّأُ، فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيدَةٍ، فَحَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا» (۷۵)

ترجمہ: اور جس شخص نے زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کیا تو وہ زہر قیامت کے دن بھی اس کے ہاتھ میں ہو گا جسے وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ بیٹا رہے گا۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیار سے قتل کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہو گا جسے وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عَدُوًّا ظَلَمًا سَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾﴾

[النساء: ۲۹-۳۰]

ترجمہ: اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے، اور یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔

زرمی کے پہلو: کمزور کے ساتھ زرمی، یہ کمزور آپ کے گھر کا خادم ہو سکتا ہے،

آپ کے کارخانہ کا ملازم ہو سکتا ہے، بیوی ہو سکتی۔ بیوی کمزور ہوتی ہے۔ بیٹا ہو سکتا ہے، ان سب کے ساتھ نرمی مطلوب ہے۔

میں جس وقت یہ بات بیان کر رہا ہوں میرے اور آپ کے ذہن میں سختی کی وہ صورت ہونی چاہیے جسے ہم اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں، باپ کے دل میں ذرہ برابر بھی رحم و شفقت نہیں ہوتی اس لیے وہ اپنے بیٹے کو مار مار کر مار ڈالتا ہے، میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ ایک باپ اور اس کی بیوی نے اپنی بیٹی پر ظلم کرتے کرتے اسے مار دیا، یہ ہمارے معاشرے میں بعید نہیں ہے، ایسی صورتیں ہمارے شہر میں موجود ہیں، اسی قبیل سے بنائے گئے کچھ مراکز کا جائزہ لیجئے، آپ باپ کی اولاد کے ساتھ سختی کی عجیب داستانیں سنیں گے، تو یہ ہیں وہ لوگ جو نرمی نہیں کرتے۔

یا بعض نوجوان سڑکوں پر کام کرنے والے مزدور پر ظلم کرتے ہیں اور وہ اس ظلم کی تصویریں بنا کر فخر سے اسے نشر کرتے ہیں کہ یہ مردانگی ہے، اس میں مردانگی نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ ان کی مردانگی اسی وقت ختم ہوگئی تھی جب انہوں نے ایسا کام کیا اور ان کی مروت چلی گئی۔

یہ ہے وہ انسان جو اپنی بیوی پر اس وقت بھی ظلم کرتا ہے جب وہ کہہ رہی ہوتی ہے کہ اس شہر میں اللہ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے، نہ باپ ہے اور نہ ہی بیٹا ہے، اور شوہر اسے مار مار کر اس پر ظلم کرتا ہے جبکہ اسے پتہ ہے کہ وہ کمزور ہے، مگر یہ لوگ جانتے ہی نہیں۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: میں اپنے ایک غلام کو کوڑا لے کر مار رہا تھا۔ تو مجھے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی: « ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے»۔ غصے کی شدت کی وجہ سے میں توجہ نہ کر سکا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ جب وہ قریب آگئے تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں، جو فرما رہے ہیں: « ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے»۔ آنحضرت ﷺ کی بیعت کی وجہ سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اعلمَ أَبَا مَسْعُودٍ أَنَّ اللَّهَ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ»^(۷۶)

ترجمہ: « ابو مسعود! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تجھے اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے، اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے»۔

تجھے اس غلام پر جس قدر اختیار حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے، اس وقت تم طاقت میں ہو لیکن اللہ تم سے زیادہ طاقتور ہے، کسی دن تم ضعیف ہو جاوگے اور وہ تم پر کسی ایسے کو مسلط کر دے گا جو تم سے زیادہ طاقتور ہو گا۔

ہر طاقتور اپنی قوت، سلطنت، منصب، زبان، مرتبہ اور مال سے دھوکہ کھاتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب ختم ہو جائے گا، اللہ کی قوی ذات باقی رہے گی۔ وہ اس کمزور کے لیے اس کا حق آخرت سے پہلے اس دنیا میں لے گا، وہ اس

کمزور کے لیے اس دنیا میں اس کا حق لے گا، وہ کمزور اسے ایسے دیکھے گا جیسے اس نے دیکھا ہی نہ ہو، لیکن تاریخ ہمارے لیے سبق ہے کہ وہ لوگ جنہیں اپنی طاقت پر غرور تھا ان کا کیا ہوا، ان کے دل میں ان کمزوروں سے نہ تو نرمی ہے اور نہ ہی رحمت۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے:

«مَنْ يُحْرَمِ الرَّفْقَ يُحْرَمِ الْحَيْرَ كُلَّهُ»

ترجمہ: جو نرمی سے محروم رہا وہ تمام خیر سے محروم رہا۔

(۷)

تَعَلَّمُوا مِنْ أُنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ

اے لوگو! ہمارا آج کا موضوع ترمذی کی وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أُنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ»^(۷۷) ترجمہ: تم اپنے نسبوں کو سیکھو، تاکہ اپنے رشتہ داروں کو پہچان کر ان سے صلہ رحمی کر سکو۔

صلہ رحمی کی شان بھی عظیم ہے، یہ ایک شرعی ضرورت اور فطری و معاشرتی ضرورت ہے، اللہ نے اپنی کتاب میں اس کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دی ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کی تعریف کی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ﴾ [الرعد: ۲۱]

ترجمہ: اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے قطع رحمی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ [الرعد: ۲۵]

ترجمہ: اور (دوسری طرف) جو لوگ اللہ سے کیے ہوئے عہد کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے حصے میں لعنت آتی ہے، اور [اصلی وطن میں] برا انجام انہی کا ہے۔

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّىٰ إِذَا فَرَغَ مِنْهُمْ قَامَتِ الرَّحِمُ، فَقَالَتْ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِدِ مِنَ الْقَطِيعَةِ. قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مِنْ وَصْلِكَ، وَأَنْ أَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكَ؟ قَالَتْ: بَلَىٰ، قَالَ: فَذَاكَ لِكَ»، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «افْرُوا وَإِنْ شِئْتُمْ: ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ (۲۲) أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّىٰ أَبْصَرَهُمْ ﴿۲۳﴾ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (۲۴) [محمد: ۲۴-۲۲]» (۷۸)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو رحم [رشتہ] نے کھڑے ہو کر

کہا: [اے اللہ] یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحمی سے تجھ سے پناہ مانگے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اس سے تعلق جوڑوں جو تجھ سے تعلق جوڑے اور اس سے قطع تعلق کر لوں جو تجھے قطع کرے، رشتے [رحم] نے کہا کیوں نہیں [یعنی راضی ہوں] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس یہ تیرے لئے ہو گیا یعنی ایسا ہی ہو گا پھر رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو [اسکی تائید میں یہ آیات قرآنی] پڑھ لو: پھر اگر تم نے (جہاد سے) منہ موڑا تو تم سے کیا توقع رکھی جائے؟ یہی کہ تم زمین میں فساد مچاؤ، اور اپنے خوئی رشتے کاٹ ڈالو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، چنانچہ انہیں بہرا بنا دیا ہے اور ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں۔ بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ» (۷۹)

ترجمہ: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو۔

صلہ رحمی کی شان بہت بڑی ہے اور صلہ رحمی کرنے والے کی شان اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے، اسی طرح قطع رحمی بہت بڑا گناہ ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ صلہ رحمی کی وجہ سے تمہیں عزت ملتی ہے، اور اس کے بالمقابل قطع رحمی سے سر جھک جاتے ہیں، تمہیں یہ منظر دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔

صلہ رحمی وہ تصویر نہیں ہے جسے ہم گھروں کی دیواروں اور مجلسوں میں جسپاں کرتے ہیں، جس میں اول تا آخر خاندان کا شجرہ نسب لکھا ہوتا ہے۔

اس بات کی خواہش رکھنا کہ تم اور تمہاری اولاد اس شجرہ نسب میں شامل ہوں، یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی اپنے رشتوں کو جوڑنا ہے، اس سے پہلے تمہیں نسبوں کو جاننا ہوگا، یہ معلوم کرو کہ تمہارے چچا زاد بھائی کون ہیں اور قبیلہ کے کون لوگ ہیں، تاکہ تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو نہ کہ اسلئے کہ تم ان پر فخر کرو، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أُنْسَابِكُمْ» ترجمہ: اپنے نسب سیکھو، ان پر تفاخر نہ کرو اور اکڑو نہیں، بلکہ «مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ» ترجمہ: تم ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

قطع رحمی کرنے والا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم کا مرتکب ہے، اور روئے زمین پر اس گناہ کا اثر ہوتا ہے میں تمہیں اور خود کو کچھ آثار یاد دلاتا ہوں:

قطع رحمی کا پہلا اثر: لعنت، بہرا پن اور اندھا پن کا ہونا۔

لعنت کا ہونا، یعنی رحمت خداوندی سے دور ہونا، اور بہرہ پن کا ہونا، چنانچہ حق بات نہیں سنے گا اپنے ارد گرد کی سنے گا لیکن حق بات نہیں سن سکے گا، اور حق دیکھنے سے عاجز ہو جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴾ [۲۲]
 ﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعَمَّى أَبْصَرَهُمْ ﴾ [۲۳] ﴿ محمد: ۲۳-۲۲ ﴾

ترجمہ: پھر تم سے یہی توقع ہے کہا اگر تمہیں حکومت مل جائے، تو زمین میں فساد برپا کرو گے، اور اپنے خوئی رشتے کاٹ ڈالو گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنی لعنت کی، پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا بنا دیا اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

جو بھی قطع رحمی کرتا ہے اس اثر میں مبتلا ہوگا، تو سوچو جب ماں یا باپ جیسے قریبی رشتے داروں سے قطع تعلق کر لیا جائے، تو کیا ہوتا ہوگا؟، تمہیں تعجب ہوگا جس وقت بیٹا اپنے والد کو چھوڑ کر اس سے قطع رحمی کر لیتا ہے، اور کہتا ہے: میں باپ سے بات نہیں کروں گا، اور ماں سے بات نہیں کروں گا، اپنے حقیقی بھائی سے بات نہیں کروں گا، اپنے چچا زاد بھائی سے بات نہیں کروں گا، ایسا شخص اللہ کی رحمت سے دور زندگی گزار رہا ہے۔

دوسرا اثر: عمل کا قبول نہ ہونا

یہ بڑی مصیبت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے، مسند احمد میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«إِنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ»

ترجمہ: ہر جمعرات جمعہ کی رات کو بنی آدم کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے، اسے شعیب ارناووط نے مسند احمد میں حسن قرار دیا ہے، ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَا يُقْبَلُ عَمَلٌ قَاطِعٍ رَحِمٍ»^(۸۰) ترجمہ: ہر جمعرات جمعہ کی رات کو بنی آدم کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، تو قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔ چاہے وہ رشتہ قریب کا ہو یا دور کا، لہذا صلہ رحمی کرو چاہے سلام ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو، بعض رشتے داروں سے قریب ہونے پر مشکلیں بڑھتی ہیں، اس کے باوجود ان سے قریب رہو، اس رشتہ کو جوڑو اگرچہ سلام کے ذریعے سے ہی صحیح تاکہ رشتہ ٹوٹ نہ جائے، اور آپ کا عمل قبول ہو جائے۔

تیسرا اثر خطرناک ہے: قطع رحمی کرنے والا کو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی عقوبت جھیلنا پڑتا ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ عقوبت کیسی ہو، تنگ دستی عقوبت ہو سکتی ہے، غم و آلام عقوبت ہو سکتے ہیں، اور معاملات کی مشکلات عقوبت ہو سکتے ہیں۔

ہمیں نہیں معلوم کہ عقوبت کیا ہوگی، ہمیں جو معلوم ہے وہ یہ کہ - جیسا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب الادب المفرد میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے - نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ أَحْرَى أَنْ يُعَجَّلَ اللَّهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يُدْخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، مِنْ قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَالْبَغْيِ»^(۸۱)

ترجمہ: کوئی دوسرا ایسا گناہ نہیں ہے جس کے کرنے والے کو دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں سزا ملے سوائے قطع رحمی اور زنا کے۔

کتنے ہی لوگوں نے قطع رحمی کی، یہ بات میرے اور آپ سب کے لیے ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس رشتے کو اس کے صحیح مقام پر رکھا جائے، ورنہ ہم سب سزا کے مستحق ہوں گے۔

صحیح مسلم میں بہت خطرناک سزا ذکر کی گئی ہے، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ»^(۸۲)

ترجمہ: قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(۸۱) الادب المفرد (۶۷)، و احمد (۳۶/۵)، و ابوداؤد (۳۹۰۲)، و ترمذی (۲۵۱۱)، و ابن ماجہ (۳۲۱۱)۔

(۸۲) بخاری (۵۹۸۳)، و مسلم (۲۵۵۶)۔

ان چار آثار کو جب کوئی عقل مند سنے گا تو کہہ اٹھے گا: اللہ میری توبہ، کیوں کہ یہ گناہ ہے بلکہ گناہ کبیرہ ہے، اور عقلمند خطا کار وہ ہے جو اپنے اور توبہ کے درمیان رکاوٹ پیدا ہونے [یعنی موت آنے] سے پہلے پہلے اس زندگی میں ملنے والے موقع کو ہی غنیمت سمجھ کر اپنے آپ کو سنبھال لے۔

میں اس نقطہ پر رکنا نہیں چاہتا، میں چاہتا ہوں کہ اس بات کو تم جیسے اچھے کام کرنے والوں تک پہنچاؤں، میں چاہتا ہوں کہ اسے تم جیسے صلہ رحمی کرنے والوں تک پہنچاؤں، جنہوں نے صلہ رحمی کی، اپنے اقارب سے بھلائی کے ساتھ پیش آئے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا، وہ ضرور سنیں کہ اللہ نے ان کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے۔ اور بعض ایسے بھی لوگ ہیں، جو قطع رحمی کے گناہ میں مبتلاء ہیں، لیکن اللہ کا فضل کہ یہاں اکثر وہی لوگ ہیں جو صلہ رحمی کرتے ہیں۔

اللہ نے صلہ رحمی کرنے والوں کے لیے جو ثواب تیار کر رکھا ہے، اسے سنکر انہیں اپنا سر فخر سے بلند کرنا چاہئے

فائدہ اول: اے صلہ رحمی کرنے والے! تمہارے لیے:

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں برکت ڈال دیں گے اور تمہارے لیے اس دنیا میں برکت کے فیصلے کریں گے، بیہقی نے شعب الایمان میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«صِلَّةُ الرَّحِمِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ يُعَمِّرُنَا الدِّيَارَ، وَيَزِدُنَا فِي الْأَعْمَارِ»^(۸۳)

ترجمہ: صلہ رحمی اور حسن اخلاق سے ملک آباد ہوتے ہیں اور عمر بڑھتی ہے۔

یہ بڑی بات ہے، اے صلہ رحمی کرنے والے! دنیا کو آباد کرنے والوں کی طرف دیکھو، ان میں سے تو بعض لوگ یہ تصور کرنے لگتے ہیں کہ گھر کی آبادی گھروں اور منزلوں کی تعداد کا بڑھنا ہے، حالانکہ فرحت و سرور کے ساتھ دل کی کشادگی اصل آبادی ہے۔

دوسرا بڑا فائدہ:

صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں، اسے قوت، عطیات اور لطف و رحم عطا کرتے ہیں، امام بخاری نے ہماری ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الرَّحِمُ شَجْنَةٌ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلَتْهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعَتْهُ»^(۸۴)

ترجمہ: رشتہ داری شاخ ہے، جو اسے جوڑتا ہے میں اسے جوڑتا ہوں اور جو اسے توڑتا ہے میں اسے توڑتا ہوں،

تو معلوم یہ ہوا کہ صلہ رحمی کرنے والے کی رسی اللہ کی ذات سے جڑی ہوئی ہے۔

(۸۳) شعب الایمان (۷۵۹۹)۔

(۸۴) بخاری (۵۹۸۹)۔

تیسرا فائدہ یہ بہت ہی بڑا ہے:

نیک کاموں میں سب سے جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے، ابن حبان نے اپنی کتاب الصحیح میں ابو بکرہ سے روایت کیا ہے۔ اس عظیم حدیث پر غور کرو، کیوں کہ اس میں تدبر و تامل کی ضرورت ہے، ضرورت ہے کہ تم اس حدیث کی حقیقت کو سمجھو، یہ بہت قیمتی بات ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ أَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صَلَاةَ الرَّحِمِ، حَتَّىٰ إِنَّ أَهْلَ الْبَيْتِ لَيَكُونُوا فَجْرَةً»

ترجمہ: طاعت میں سب سے جلدی ثواب صلہ رحمی کا ملتا ہے چاہے گھر والے فاجر ہی کیوں نہ ہوں، یعنی مومن نہ ہوں، صالح نہ ہوں کیوں کہ اکثر انہیں پر فحور کا اطلاق ہوتا ہے،

«فَتَنَّمُوا أَمْوَالَهُمْ وَيَكْتُرُوا عَدَدَهُمْ إِذَا تَوَاصَلُوا، وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ»^(۸۵)

ترجمہ: جب وہ صلہ رحمی کرتے ہیں تو ان کے مال بڑھتے ہیں، ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ایسا کوئی گھر نہیں ہو سکتا جس میں رہنے والے صلہ رحمی کرتے ہوں اور وہ محتاج بھی ہوں۔ اس «وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَاجُونَ» کو اپنا اصول بنا لو، اس لیے تم دیکھو گے کہ صلہ رحمی کے بندھن سے جڑے ہوئے خاندان

مسلسل بھلائی، ترقی، اور عزت کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں، اور اگر اس خاندان کا کوئی ایک فرد الگ راہ اپنا لیتا ہے، تو یہ خاندان برباد ہو جاتا ہے اور اس پر زندگانی تنگ ہو جاتی ہے۔ «وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَتَوَاصَلُونَ فَيَحْتَا جُونَ» صلہ رحمی کرنے والے کے لیے یہ بہت عظیم فائدہ ہے۔

صلہ رحمی سے حاصل ہونے والا چوتھا فائدہ:

گناہوں کی معافی، ہم اس فائدہ کے کتنے محتاج ہیں، سنن ترمذی میں بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا کیا میرے لیے توبہ ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہاری ماں ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ نے پوچھا: تمہاری کوئی خالہ ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں، تو آپ نے فرمایا: «فَبِرَّهَا»^(۸۶) ترجمہ: اس کے ساتھ حسن سلوک کر۔

گناہوں کے معاف کرانے کا راستہ اپنی خالہ کے ساتھ حسن سلوک کرنا یعنی صلہ رحمی کرنا ہے، اپنی پھوپھی کے ساتھ صلہ رحمی کر کے حسن سلوک کرنا ہے، اپنے بڑے بھائی کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے، جس نے تمہاری دیکھ بھال کی ہے اور تم پر مہربان رہا ہے، تمہاری پرورش کی یہاں تک کہ تم بڑے ہو کر یونیورسٹی سے فارغ ہو گئے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اپنے فلاں فلاں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اس صلہ رحمی سے تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(۸)

وَيُعْجِبُنِي الْفَالُ الْحَسَنُ

اے اللہ کے بندو! ہمیں ایسی حدیث کی کتنی سخت ضرورت ہے جس کے ذریعہ ہم اللہ کی رحمت سے بیچارے نا امید بندوں کو مخاطب کریں!

ہمیں ایسی حدیث کی کتنی سخت ضرورت ہے جس کو ہم ہر اُس شخص تک پہنچائیں، جو مصیبت کا مارا ہو، اور جس کو دنیا کے مصائب نے گھیر رکھا ہو!

ہمیں ایسی حدیث کی کتنی سخت ضرورت ہے جو اپنے اندر پریشانی کے بعد راحت اور تنگی کے بعد آسانی کی حامل ہو!

ہمیں کتنی سخت ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم تمام یقین کے ساتھ یہ فرمانِ خداوندی دہراتے رہیں: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝٥﴾ [الشرح: ۶-۵]

ترجمہ: چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔

ہم یقین کے ساتھ دہرائیں: ﴿سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا﴾ [الطلاق: ۷]

ترجمہ: کوئی مشکل ہو تو اللہ اس کے بعد کوئی آسانی بھی پیدا کر دے گا۔

ہمیں بھی وہی بات کہنے کی کتنی ضرورت ہے جو پہلے والوں نے کہا:

وَلَرُبَّ نَازِلَةٍ يَضِيقُ بِهَا الْفَتَى ذَرْعًا وَعِنْدَ اللَّهِ مِنْهَا الْمَخْرَجُ
ضَاقَتْ فَلَمَّا اسْتَحْكَمَتْ حَلَقَاتِهَا فُرِجَتْ وَكُنْتُ أَظُنُّهَا لَا تُفْرَجُ! (۸۷)

ترجمہ: بہت سی مصیبتیں ایسی ہیں کہ جن سے نوجوان پریشان ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے پاس اس مصیبت سے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔ (بعض مرتبہ) مصیبت سخت ہوگئی اور جب اس کے حلقے بہت مضبوط ہو گئے تو ان میں کشادگی ہوگئی (مصیبت کا گھیرا ٹوٹ گیا) حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ (مصیبت کے بند ٹوٹیں گے نہیں اور) کشادہ نہیں ہوں گے۔

دورِ حاضر میں جبکہ بد فالی اور مایوسی رکھنے والوں کی کثرت ہے، ہمیں اس بات کی کتنی ضرورت ہے کہ ہم امید کی لہر چلائیں، اور نیک فالی کا چرچا کریں!
ہمیں آج کل امید کی بولی بولنے والی زبان کی سخت ضرورت ہے، کیوں کہ نا امیدی کا بول بولا ہے!

اے اللہ کے بندو! ہمارا آج کا موضوع جوامع الکلم کی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں منقول ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «وَيُعْجِبُنِي الْفَالُ الْحَسَنُ» (۸۸) ترجمہ: نیک فالی یعنی کلمہ صالحہ مجھے پسند ہے۔

یہ اُس نیک فالی کی دعوتِ اشاعت ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ حسن ظن اور

(۸۷) فرج بعد الشدة (۱۵/۵)، و معجم الادباء (۸۱/۱)، و خزائن الادب (۱۱۹/۶)۔

(۸۸) بخاری (۵۷۶)، و مسلم (۲۲۲۳)۔

اس پر بہترین توکل سے جڑی ہوئی ہے۔

نیک فالی کی دعوت؛ اس لیے کہ یہ جان ہمارے جسم کے اندر اس معدن کی طرح ہے جو اپنے ماحول سے متاثر ہو جاتا ہے، اسی لئے رنج و غم یہ سے زنگ آلود اور تنگ ہو جاتی ہے، جبکہ امید و نیک فالی سے یہ پھلتی پھولتی ہے۔

سیرت نبوی میں غور کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کتنے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، مگر آپ ان کی طرف اس نیک فالی لینے والے شخص کی نظر سے دیکھتے تھے جو اللہ سے حسن ظن رکھتا ہے، ابو بکر رضی اللہ عنہ اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مشرکین غار ثور کے اوپر تھے اور نبی ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ غار میں تھے۔ وہ فرماتے ہیں: اگر کوئی اپنے قدموں کے نیچے نظر کرتا تو ہمیں دیکھ لیتا۔ فرماتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر کوئی اپنے قدموں کے نیچے نظر کرے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاِثْنَيْنِ اللَّهُ تَالِثُهُمَا» ترجمہ: اے ابو بکر! تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں جن میں تیسرا اللہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے امید کے دروازے اُس وقت کھول رہے ہیں، جب کہ مشرکین آپ کے سر پر کھڑے تھے، آپ ﷺ نیک فالی کی راہ اپنا رہے ہیں، جبکہ آپ کا پیچھا کرنے والے آپ کے سر کے اوپر ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: «مَا ظَنُّكَ يَا

أَبَا بَكْرٍ بِأَثْنَيْنِ اللَّهُ تَالِثَهُمَا^(۸۹) ترجمہ: اے ابو بکر! تمہارا کما خیال ہے ان دو کے بارے میں جن میں تیسرا اللہ ہو۔

باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِلَّا نَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ ﴿۴۰﴾ يَا أَيُّهَا الْمُكَتِّبُ الْمَهْمُومُ لَا تَحْزَنْ ﴿۴۱﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۲﴾﴾ [التوبة: ۴۰]

ترجمہ: اگر تم ان کی (یعنی نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے تو (انہیں کچھ نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ ان کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب ان کو کافر لوگوں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی، اور ان کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافر لوگوں کا بول نیچا کر دکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے، اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔

نیک فالی انسان کے اندر فطری و طبعی ہوتی ہے، یہ چھ ارکان پر مشتمل ہے جسے ہم اختصاراً بیان کر رہے ہیں:

نیک فالی کا رکن اول:

ہم یہ یقین رکھیں کہ جو مقدر ہے وہ یقینی طور پر ہو کر رہے گا، تاکہ دلی سکون حاصل ہو جائے، کیونکہ تقدیر میں لکھی ہوئی چیز کو نہ کوئی غم ختم کر سکتا ہے، نہ مایوسی اس کا علاج بن سکتی ہے، اور نہ ہی غصہ و شکایت اس کو اپنے سے بھگا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سورہ حدید میں ہم سے مخاطب ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ [الحديد: ۲۲]

ترجمہ: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں نازل ہو یا تمہاری جانوں کو لاحق ہو، مگر وہ ایک کتاب میں اس وقت سے درج ہے جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا، یقین جانو یہ بات اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ تو اے ہمارے رب، ہم کیا کریں؟ وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [الحديد: ۲۳]

ترجمہ: اس لیے کہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اس پر تم اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اتراہٹ میں مبتلا ہو، شیخی بگھارنے والا ہو۔

ہم یہ یقین رکھیں کہ جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا، یہی بات ہمارے نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سکھایا، سنن ترمذی میں منقول ہے اور یہی بات ہم نے کم عمری اور جوانی میں سیکھی، اور آج تک یہی بات ہمارے کانوں سے ٹکراتی رہتی ہے: «وَأَعْلَمُ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَيَّ أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَيَّ أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»^(۹۰) ترجمہ: یہ بات جان لو کہ اگر پوری امت تمہیں کسی چیز کا فائدہ پہنچانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو وہ تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ اس بات پر اکٹھی ہو جائے کہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے تو وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی مگر جو اللہ نے تم پر لکھ دیا ہے، قلم اٹھائے گئے ہیں اور دفاتر خشک ہو گئے ہیں۔

اس بات پر یقین کرنے سے تمہارے دل میں نیک فالی کے پودے اگیں گے۔

رکن دوم:

ہم اس بات کا یقین رکھیں کہ یہ دنیا گزرگاہ ہے، جائے قرار نہیں، اور اس دنیا میں گزرتے وقت مصائب و آلام اور پریشانیوں کا سامنا ہوگا۔ یہ لازمی بات ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿۱﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الْيَتَامَىٰ الَّذِينَ أَخَذْنَا مَالَهُمْ وَوَعَدْنَا لَهُمْ مَالًا كَثِيرًا وَوَعَدْنَا لَهُم مَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الْيَتَامَىٰ الَّذِينَ أَخَذْنَا مَالَهُمْ وَوَعَدْنَا لَهُمْ مَالًا كَثِيرًا وَوَعَدْنَا لَهُم مَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱﴾

وَهُمْ لَا يَفْتَنُونَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ
الْكَاذِبِينَ ﴿٣﴾ [العنكبوت: ۱-۳]

ترجمہ: الم کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا کہ بس وہ یہ کہہ دیں کہ: ہم ایمان لے آئے۔ اور ان کو آزمایا نہ جائے؟ حالانکہ ہم نے ان سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ لہذا اللہ ضرور ظاہر کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے کام لیا ہے اور وہ یہ بھی ظاہر کر کے رہے گا کہ کون لوگ جھوٹے ہیں۔ یہ دنیا کی فطرت میں داخل ہے۔

طَبَعَتْ عَلَى كَدَرٍ وَأَنْتَ تُرِيدُهَا صَفْوًا مِنَ الْأَقْدَاءِ وَالْأَكْدَارِ
وَمُكَلِّفُ الْأَيَّامِ ضِدًّا طِبَاعِهَا مُتَطَلِّبٌ فِي الْمَاءِ جَذْوَةَ نَارٍ (۹۱)

ترجمہ: دنیا کی فطرت ہی گندگی ہے اور آپ اسے آلائشوں سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ واضح رہے کہ زمانے کو اس کی طبیعت کے خلاف آمادہ کرنا گویا پانی میں آگ لگانا ہے۔

رکن سوم:

ہم اس بات کا یقین رکھیں کہ ہر حال کے لیے بندگی ہے، لہذا خوشی اور مسرت کی حالت میں شکر کرنا بندگی ہے اور مصیبت و پریشانی کی حالت میں صبر کرنا بندگی ہے، چنانچہ ہر حال کے لیے بندگی کی ایک شکل ہے، لہذا اس بندگی کا اثر تم پر ظاہر

ہونا چاہئے، جب تمہارے پاس دنیا آئے تو شکر کرو اور جب وہ تم سے منہ موڑ لے تو صبر کرو، اور جس کی تمہیں چاہت ہے اگر تمہیں وہ مل جائے تو شکر کرو اور اگر نہ ملے تو صبر کرو، اللہ تعالیٰ ہم سے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَأَصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۗ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾﴾ [النحل: ۱۲۷-۱۲۸]

ترجمہ: اور اگر صبر ہی کر لو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے۔ اور (اے پیغمبر) تم صبر سے کام لو، اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ اور ان (کافروں) پر صدمہ نہ کرو، اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو۔ یقیناً اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعَلْنَاكَ يُضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۹۸﴾ وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾﴾ [الحجر: ۹۷-۹۹]

ترجمہ: یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں، ان سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو (اس کا علاج یہ ہے کہ) آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔

یہاں بھی عبودیت و بندگی اور وہاں بھی بندگی، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ»^(۹۲) ترجمہ: مومن کا معاملہ بھی کیا ہی خوب ہے، اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، مومن کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ خوبی نہیں ہے، جب اسے کوئی خوشی ہوتی ہے اور وہ شکر کرتا ہے تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور اس پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔ یہی مومن بندے کا حال ہے کہ اس کے لیے ہر ایک حال میں بندگی ہے۔

رکن چہارم:

نا امید اور مایوس لوگوں سے حتی الامکان دو رہو، کیوں کہ یہ لوگ تمہارے پاس منفی سوچ لے کر آتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ بیٹھنے، ان کی باتیں سننے سے ناامیدی پیدا ہوتی ہے، اس لیے بقدر امکان نہ تو ان کی بات سنو اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھو اور نہ ہی ان کی خبروں کو سنو۔

آج کل ناامیدی کی بات ہر جگہ اور ہر مجلس میں سنی جاتی ہے، ٹیلی ویژن پر آپ مشاہدہ کرتے ہوں گے، فون پر آپ سنتے ہوں گے، اخباروں میں آپ پڑھتے

ہوں گے، سب نا امید کی زبان ہے اس سے اپنے حاضر اور مستقبل کے بارے میں تمہارے اندر بد شکونی پیدا ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ﴾ ترجمہ: وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں،۔ ڈرانے والا یہ اندازِ بیاں دیکھو، یہ سورہ آل عمران کی آیت ہے، مشرکین و منافقین صحابہ میں مستقبل کے متعلق خوف و ڈر پھیلا رہے ہیں، تمہارا شہر چلا جائے گا اور اسلام کمزور ہو جائے گا اور تم نقصان اٹھاؤ گے، ﴿الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ﴾ ترجمہ: وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا: یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لیے (پھر سے) جمع ہو گئے ہیں،۔ تو پھر ہم کیا کریں؟ ارشاد باری ہے: (فَأَخْشَوْهُمْ)۔ لہذا ان سے ڈرتے رہنا۔ وہ کافر چاہتے ہیں کہ ہم خوف زدہ، کمزور اور بزدل ہو جائیں۔ تو صحابہ نے کیا کیا: ﴿فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ (۱۷۳) ﴿فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللَّهِ وَفَضَّلِ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ﴾ (۱۷۴) ﴿إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ، فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (۱۷۵) ﴿[آل عمران: ۱۷۵-۱۷۳]

ترجمہ: تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اٹھے کہ: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی

نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہذا اگر تم مومن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو۔

تو ان کی نہ سنو اور حتی الامکان ان سے دور رہو، اللہ تعالیٰ سورہ احزاب میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ﴾ [الأحزاب: ۱۸]

ترجمہ: اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ یہ نفسیاتی و فکری الجھنیں رکھنے والوں کا مشغلہ ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ رکاوٹوں کی اشاعت ہے، ﴿قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [الأحزاب: ۱۸]

ترجمہ: اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (جہاد میں) رکاوٹ ڈالتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ: ہمارے پاس چلے آؤ اور خود لڑائی میں آتے نہیں، اور آتے ہیں تو بہت کم۔ ان کافر لوگوں کو تم کبھی امت کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نہیں دیکھو گے، کیونکہ یہ لوگ خوف کے مارے واپس لوٹ آتے ہیں؛ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ: هَلَكَ النَّاسُ، فَهُوَ أَهْلُكُهُمْ» أو «فَهُوَ أَهْلُكُهُمْ» (۹۳) ترجمہ: جب کوئی شخص کہے کہ لوگ برباد

ہو گئے تو اسی نے انہیں برباد کیا، یعنی ان کی بربادی کا وہی سبب بنا۔

بعض لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کے منہ سے صرف آپ یہ سنیں گے کہ: «لوگ برباد ہو گئے، ہم پر مصیبت آن پڑی، مستقبل خطرناک ہے، مستقبل تاریک ہے، اللہ ہماری اہل و عیال کی مدد کرے، یورپ منصوبہ سازی کر رہا ہے، اور عنقریب یورپ ایسا ایسا کرنے والا ہے»، تم ان سے صرف یہی باتیں سنو گے۔

لیکن نبی ﷺ کی وہ وصیت پر عمل کرو جو نیک فالی کی دعوت دیتی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: «أَحْرَضَ عَلَيَّ مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنَ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ كَانَ كَذَا كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللَّهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»^(۹۳) ترجمہ: نفع بخش کام کرنے کے حریص رہو، اور اللہ کی مدد طلب کرو اور عاجز نہ بنو۔ اگر تمہیں کوئی مصیبت پیش آ جائے تو یہ نہ کہو کہ اگر ایسا ہوتا تو ایسا ایسا ہوتا، بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ نے مقدر کیا تھا وہ ہوا، کیونکہ «اگر» شیطانی راستہ کھولتا ہے۔

رکن پنجم:

خیر کی امید رکھو، وہ خیر تمہیں مل کر رہے گی، یہ نہ کوئی حدیث اور نہ ہی کوئی قرآنی آیت ہے، بلکہ عوام الناس میں یہ کہاوت مشہور ہے: خیر کی امید رکھو، وہ تمہیں مل کر رہے گی؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں ارشاد فرماتا ہے: «أَنَا

عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِـي»^(۹۵) ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں۔ اگر وہ خیر کا گمان کرتا ہے تو خیر ہے اور اگر شر کا گمان کرتا ہے تو شر ہے، خیر کی امید رکھو خیر ملے گی، بیٹھ کر یا سستی کے ساتھ نہیں، بلکہ کام کے ساتھ ساتھ خیر کی امید رکھو، خیر کی امید رکھو اور اللہ سے حسن ظن رکھو اور اللہ پر سچا توکل رکھو، جب نبی کریم ﷺ کسی حاجت کے لیے نکلتے تو یہ سن کر انہیں اچھا لگتا: اے راشد! [صحیح راستے پر چلنے والے]، اے نصح [کامیاب] ^(۹۶)۔ جب کوئی کسی کو ان ناموں سے بلاتا تو آپ کو سن کر بہت اچھا لگتا اور آپ ان ناموں سے نیک فالی لیا کرتے تھے۔

جب حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے دادا آئے تو نبی ﷺ نے دریافت کیا: آپ کا کیا نام ہے؟ تو انہوں نے کہا: میرا نام حزن (غم) ہے۔ اس نام میں منفی اثر ہے، جو اس پر اور اس کے گھر والوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم سہل (آسانی) ہو۔ آپ نے ان کا نام حزن سے بدل کر سہل رکھ دیا۔ آپ نے فرمایا: تم سہل ہو، تو انہوں نے کہا: میں وہ نام نہیں بدل سکتا جسے میرے والد نے رکھا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا انکار کر دیا۔ ان کے پوتے سعید بن مسیب فرماتے ہیں: یہ غم کی تاثیر آج تک ہمارے اندر باقی ہے ^(۹۷)۔ ابھی تک ختم نہیں ہوئی ہے۔ لہذا جب خیر کی امید رکھو گے تو اللہ سے

(۹۵) بخاری (۷۴۰۵)، و مسلم (۲۶۷۵)۔

(۹۶) ترمذی (۱۶۱۶)۔

(۹۷) بخاری (۶۱۹۰)۔

ضرور خیر ہی پاؤ گے۔

زندگی کے اندر تقاویں کے ارکان میں سے چھٹا وہ رکن ہے جس کے ذریعہ زندگی کی مصیبتوں پر غلبہ پایا جاسکتا ہے:

ربانی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر زندگی کے امور سے بخوبی واقفیت رکھنے والی ذات نے تمہیں اس طرف متوجہ کیا ہے، اور وہ ذات یقیناً رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ مسند احمد میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا أَصَابَ أَحَدًا قَطُّ هَمٌّ وَلَا حَزَنٌ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ ابْنُ عَبْدِكَ ابْنُ أَمَتِكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ، مَا ضِيقٌ فِي حُكْمِكَ، عَدْلٌ فِي قَضَائِكَ، أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمِيَتْ بِهِ نَفْسُكَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ، أَوْ اسْتَأْثَرْتُ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ، أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رِبِيعَ قَلْبِي، وَنُورَ صَدْرِي، وَجَلَاءَ حُزْنِي، وَذَهَابَ هَمِّي. إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ حُزْنَهُ وَهَمَّهُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرَحًا»^(۹۸) ترجمہ: کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جسے کوئی پریشان کس کفر یا غم لا حق ہو جائے اور وہ کہے: اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں، اور تیرے بندے کا بیٹا ہوں ، اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، اور میرے لیے تیرا حکم نافذ ہو کر ہی رہنے والا ہے، تیرے فیصلوں میں انصاف ہے، میں تجھ سے ہر اُس نام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جو تُو نے خود اپنی ذات کو دیا، یا جو تُو نے

اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا جو نام تُو نے اپنی کتاب میں نازل کیا، یا جس نام کو تُو نے اپنے پاس غیب کے علم میں اپنے لیے مخصوص کر لیا ہو، کہ تُو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کی روشنی، میرے غم کو دُور کرنے والا، اور میری پریشانیوں کو بھگانے والا بنا دے، (تو جب کوئی بندہ یہ کلمات کہے گا تو) اللہ اُس کی پریشانی کو ضرور دُور فرمائے گا، اور اس کے غم کو خوشی میں بدل دے گا۔

ان الفاظ کے ساتھ دعاء کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ: «إِلَّا أَذْهَبَ اللَّهُ حُزْنَہُ وَهَمَّہُ، وَأَبْدَلَهُ مَكَانَهُ فَرِحًا» ترجمہ: تو اللہ اُس کی پریشانی کو دُور فرمائے گا اور اس کے غم کو خوشی میں بدل دے گا۔ صرف پریشانی دور نہیں ہوگی بلکہ اس کی جگہ اسے خوشی بھی ملے گی، اس دعاء سے ہم کتنی دور ہیں! یہ دعاء یاد کر لو اور اپنے گھر میں لٹکا لو۔ جب بھی تمہارے نفس میں ناامیدی، غصہ اور تنگ دلی پیدا ہو تو یہ دعاء دہرا لو، اسے یاد کر لو، اسے صلکھ لو اور دوسروں کو بتاؤ، تم سے پریشانیاں اور غم دور ہوں گے اور خوشی آئے گی۔

يَا صَاحِبَ الْهَمِّ إِنَّ الْهَمَّ مُنْفَرِحٌ أَبْشِرْ بِخَيْرٍ فَإِنَّ الْفَارِجَ اللَّهُ
الْيَأْسُ يَقْطَعُ أَحْيَانًا بِصَاحِبِهِ لَا تَيَأْسَنَّ فَإِنَّ الْكَافِيَ اللَّهُ
إِذَا بُلِيَتْ فَتَقُ بِاللَّهِ وَارْضَ بِهِ إِنَّ الَّذِي يَكْشِفُ الْبَلْوَى هُوَ اللَّهُ (۹۹)

(۹۹) حاشیة احسان عباس علی نفع الطیب (۳/۳۱۶) محاسن والاَضداد (ص: ۱۵۷)، وادب الدینا والدین

ترجمہ: اے پریشانی میں مبتلاء شخص، پریشانی تو ختم ہو جائے گی، تجھے خیر کی بشارت ہو کیوں کہ غم دور کرنے والا اللہ ہے۔ ناامیدی کبھی کبھار ناامید شخص کو توڑ دیتی ہے اس لیے کبھی مایوس نہ ہونا کیوں کہ اللہ کی ذات کافی ہے۔ اگر کسی مصیبت میں مبتلاء ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو، اور اس کے فیصلوں سے خوش رہو، کیوں کہ پریشانیوں کو دور کرنے والا اللہ ہی ہے۔

(۹)

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ

اے اللہ کے بندو! ہمارا موضوع پچھلے جوامع الکلم سے ہی مربوط ہے، آج کا موضوع مسند احمد میں کعب بن عجرہ سے مروی وہ حدیث ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ»^(۱۰۰) ترجمہ: جنت میں نہیں جائے گا وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔

یہ حدیث جامع ہے، لہذا جس شخص یا اس کی اولاد کا جسم حرام سے پروان چڑھا تو اس پر جنت میں نہ جانے کا حکم لگا رہی ہے۔ وہ شخص جس نے حرام معاملات میں لین دین کیا، حرام مال کھایا، اُس نے اپنے اور اپنے بچوں کے جسم کی حرام مال سے پرورش کی ہے، تو ایسا شخص ہمارے نبی ﷺ کا یہ ارشاد غور سے سنے: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ» ترجمہ: جنت میں نہیں جائے گا وہ گوشت جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔

اللہ نے مال کی شان کو بڑھایا اور حلال مال کی ترغیب دی، لہذا ارشاد فرمایا:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كَلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ [البقرة: ۱۷۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَتَأْتِيهَا النَّاسُ كُلُّوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ [البقرة: ١٦٨]

ترجمہ: اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، یقین جانو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس کے بالمقابل حرام مال کی حقیقت بیان کی اور حرام مال سے ڈرایا، ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يٰكْفُرُوْنَ اَمْوَالَهُمْ اَلَيْسَتْ لِيْكُمْ اِثْمًا يٰكُوْنُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نٰرًا وَّسَيَصْلُوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾﴾ [النساء: ١٠]

ترجمہ: بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا۔

دوسری جگہ پر ارشاد باری ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتَدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٨﴾﴾ [البقرة: ١٨٨]

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ

ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو۔

صحیح مسلم میں حضرت عدی الکندی روایت کرتے ہیں کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ اسْتَعْمَلَنَا مِنْكُمْ عَلَى عَمَلٍ» ترجمہ: تم میں سے جس کو ہم نے کسی کام پر لگایا، یعنی ملازمت پر رکھا، چاہے وہ حکومتی ادارہ ہو، یا قومی، وہ چاہے ذمہ دار شخص ہو یا نہ ہو، چاہے وہ کام کسی بھی نوعیت کا ہو، «فَكَتَمْنَا مَخِيطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُوبًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»^(۱۰۱) ترجمہ: پھر اس نے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی چیز چھپالی، تو وہ خیانت کرنے والا شمار ہوگا، جسے وہ قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا۔

«فَكَتَمْنَا مَخِيطًا» یعنی سوئی کی مقدار کے برابر، سوئی کی قیمت کے بقدر یا اس سے کم کھا لیا تو وہ چور ہے، قیامت کے روز ایسے آئے گا جیسے کوئی چور۔ جس نے مال غنیمت میں سے چوری کر لیا ہو، تو «كَانَ غُلُوبًا يَأْتِي بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ترجمہ: وہ چوری ہے جسے وہ قیامت کے دن اپنے ساتھ لائے گا۔

صحیح مسلم میں ابو امامہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ اسْتَطْعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللَّهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» ترجمہ: جس نے کسی مسلمان کا حق مارا تو اللہ نے اس کے لیے جہنم

واجب کر دی ہے اور جنت کو حرام کر دیا ہے۔ کسی نے پوچھا: چاہے وہ حق معمولی ہی ہو اے اللہ کے رسول ﷺ؟ - یعنی اگرچہ اس نے چھوٹی سی کوئی چیز لے لی ہو۔ تو آپ نے فرمایا: «وَإِنْ قَضِيًّا مِنْ أَرَاكٍ»^(۱۰۲) ترجمہ: چاہے وہ مسواک کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، اگر مسواک کا ٹکڑا بھی ہو تو اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب کر کے جنت حرام کر دی ہے، جس نے مسواک لیا حالانکہ وہ اس کا حق نہیں تھا، بلکہ دوسروں کا حق تھا، چاہے وہ حقوق عامہ میں سے ہو یا حقوق خاصہ میں سے، تو اللہ نے اس کے لیے جہنم واجب کر کے جنت حرام کر دی ہے۔

اسی لیے امت کے سلفِ صالحین حرام مال سے بہت ڈرتے تھے، اور اس چیز سے بھی پرہیز کرتے تھے جس میں شبہ ہو؛ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «كُنَّا» یعنی: وہ اپنے زمانے کی بات سناتے ہوئے فرماتے ہیں: «نَدْعُ تِسْعَةَ أَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةً مِنَ الْوُقُوعِ فِي الْحَرَامِ»^(۱۰۳) ترجمہ: «ہم نوے فیصد حلال پھر کو حرام میں پڑنے کے ڈر سے چھوڑ دیتے تھے»۔ وہ لوگ حرام سے اس قدر ڈرتے تھے کہ جو چیز نوے فیصد حلال ہے، اس کو بھی اس لئے چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں حرام میں نہ پڑ جائیں۔

ہاں، تم نے ایسے لوگوں کو بھی سنا ہو گا جو تمہارے لیے حرام کو جائز ٹھہراتے

(۱۰۲) مسلم (۱۳۷)۔

(۱۰۳) مصنف عبد الرزاق (۱۵۲/۸)، انساب الاشراف (۳۲۸/۱۰)۔

ہیں اور تمہیں حرام لینے کی ہمت دیتے اور تمہارے لیے اس کے دروازے کھولتے ہیں اور کہتے ہیں: «حرام لے کر صدقہ کر دو، حرام لے کر اللہ سے تقرب حاصل کرو، دو پلڑوں کے درمیان توازن برقرار رکھو»، یہ سوچ ہی الٹی ہے، کس نے تمہیں دیا ہے کہ اس مال سے جو تم نے صدقہ کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے؟ یاد رکھو اللہ پاک ہے اور پاک مال ہی قبول کرتا ہے۔

ابن مبارک نے کتنی خوبصورت بات کہی، وہ فرماتے ہیں: «لَأَنَّ أَرْدَدَ دَرَهَمًا مِنْ شُبْهَةٍ مِنْ شُبْهَةٍ لَيْسَ مِنْ حَرَامٍ» «أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَنْصَدَّقَ بِمِئَةِ أَلْفٍ وَمِئَةِ أَلْفٍ وَمِئَةِ أَلْفٍ» حَتَّى بَلَغَ سِتِّ مِئَةِ أَلْفٍ^(۱۰۳) ترجمہ: شبہہ (شبہہ کا نہ کہ حرام) کا ایک درہم لوٹانا میرے نزدیک سات لاکھ صدقہ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

یہ ان لوگوں کے لیے پیغام ہے جو حرام کھاتے ہیں اور کہتے ہیں: میں نیک عمل سے اسے پاک کر لیتا ہوں۔ میں کہتا ہوں: یہ الٹی سوچ ہے، متنبہ ہو جاؤ، جو حرام کھاتا ہے چاہے وہ سب لوگوں حق ہو یا کسی خاص شخص کا اور کہتا ہے: میں صدقہ کرتا ہوں، حج کے ایام میں دس لوگوں کو یا بیس لوگوں کو حج کراتا ہوں، تو مجھے سفیان ثوری کا قول یاد آتا ہے۔ ابن حجر ہیتمی کی کتاب الزواجر میں منقول ہے۔ انہوں نے کہا: «مَنْ أَنْفَقَ الْحَرَامَ فِي الطَّاعَةِ فَهُوَ كَمَنْ طَهَّرَ الثَّوْبَ

بالبول»^(۱۰۵) ترجمہ: جس نے حرام مال کو نیکی کے کاموں میں خرچ کیا تو اس کی مثال اس شخص کی ہے، جس نے کسی کپڑے کو پیشاب سے دھویا ہے۔

کچھ لوگ دوسروں کا مال ناحق کھاتے ہیں، جبکہ اس مال میں کچھ ان کے حقوق بھی ہیں اور کچھ دوسروں کے حقوق بھی ہیں، مثال کے طور پر موسم حج میں حج کرنے کے لیے مال چوری کرتا ہے، پرانے زمانے میں آباء و اجداد میں سے کوئی حج کا ارادہ کرتا تو لوگوں کے پاس جا کر ان سے اپنے حقوق معاف کرنے کی فرمائش کرتا، ان کے دروازے کھٹکھٹاتا، ان کی مجلسوں میں جاتا اور ان سے کہتا: میں حج کو جانے والا ہوں مجھے حلال کر دو، یعنی اگر تمہارا کوئی حق میرے پاس رہ گیا ہے، تو اس کو میرے لئے حلال کر دو، لیکن آج کل یہ عالم ہے کہ انسان حج کی نیت سے مال چراتا ہے، جبکہ دوکاندار اس سے اپنے مال کا مطالبہ کر رہا ہوتا ہے، اور گھر کا مالک اس سے کرائے کا مطالبہ کر رہا ہوتا ہے، اور اُس دوکان کا مالک، جو کئی دنوں سے اس کا منتظر ہے، وہ بھی اس سے مال کا مطالبہ کر رہا ہوتا ہے، تو یہ لوگ اس سے کہتے ہیں: اپنے اوپر جو حقوق ہیں، وہ پہلے ادا کر دو، پھر حج کو جانا، تو یہ شخص حقوق کے ادا کرنے سے انکار کرتے ہوئے مزید یہ کہتا ہے: تم لوگ مجھے حج کرنے سے روک رہے ہو میں اللہ کے گھر پہنچ کر تمہارے لیے بد دعاء کروں گا، حالانکہ اسے پتہ ہی نہیں ہے کہ صحابہ سے اس بارے میں کیا مروی ہے: «أَطْبُ

مَطْعَمَكَ تُسْتَجَبُ دَعْوَتُكَ»^(۱۰۶) ترجمہ: اپنی غذا پائسہ رکھو تمہاری دعاء قبول ہوگی۔ اور اس کی غذا تو حرام ہے لہذا اس کی دعاء قبول نہیں ہوگی۔

حرام کھانے کے اسباب:

سب اول:

اللہ سے حیاء کا نہ ہونا، بندہ جب اللہ سے حیاء نہیں کرتا ہے تو حرام میں پڑ جاتا ہے۔ ترمذی میں ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اسْتَحْيُوا مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ» ترجمہ: اللہ سے حیاء کرو جتنا کہ حیاء کا حق ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کا شکر ہے کہ ہم اس سے حیاء کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ ذَلِكَ، وَلَكِنَّ الْإِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى، وَالْبَطْنَ وَمَا حَوَى، وَلْتَذْكَرِ الْمَوْتَ وَالْبَلَى، وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ اسْتَحْيَا مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ»^(۱۰۷) ترجمہ: ایسے نہیں بلکہ اس کا حق یہ ہے کہ تم اپنے سر اور جو کچھ اس میں ہے اس کی حفاظت کرو، پھر پیٹ اور اس میں جو کچھ جمع کیا ہوا ہے اس کی حفاظت کرو اور پھر موت اور ہڈیوں کے گل سٹر جانے کو یاد کیا کرو اور جو آخرت کی کامیابی چاہتا ہے وہ دنیا کی زینت کو ترک کر دیتا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے

(۱۰۶) اوسط طبرانی (۶۳۹۵)۔

(۱۰۷) احمد (۳۸۷/۱)، ترمذی (۲۳۵۸)۔

اللہ سے حیاء کرنے کا حق ادا کر دیا۔

آفس میں کام کرنے والا صحیح طریقے سے اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کرتا ہے، اور جب اس کو ڈانٹا جاتا ہے، اور اس سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے، تو وہ اپنے آفیسر یا ذمہ دار شخص سے یہ کہنے لگتا ہے کہ: تم میری اور میرے بچوں کی روزی روٹی چھین رہے ہو۔ تو آفیسر کہتا ہے کہ: تم اپنی ملازمت صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے ہو، اور اس میں کوتاہی کرتے ہو حرام کھاتے ہو، اور تم اپنی ملازمت کا پورا پورا حق ادا نہیں کرتے ہو۔ ان سب باتوں کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ سے حیاء نہ رہی۔

سبب دوم:

وہ لوگ حرام کھاتے، کیوں کہ وہ جلدی مال کمانا چاہتے ہیں، اور حالات بھی اس کے مددگار ہیں، اعلانات جلد از جلد مالداری حاصل کرنے اور اپنی آمدنی کو دوگنا کرنے کی دعوت دیتے ہیں، مالی ادارے، جیسے بینک وغیرہ کی طرف سے پیش کئے جانے والے بعض پروگرام جلد از جلد مالدار بن جانے کی دعوت دیتے ہیں، اور بیچارہ انسان جلد کمانے کے چکر میں حرام میں پڑ جاتا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے اسی مناسبت سے ایک عظیم ہدایت دیتے ہوئے ہمیں چند نصیحتیں کی ہیں، مستدرک حاکم میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جلد کمانے کی رغبت رکھنے والوں سے فرمایا۔ کم وقت میں زیادہ مال کمانا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص سود کھائے، یا کسی لاٹری «یا نصیب» میں خریدے، یا لوگوں

کو دھوکہ دے، یا سادہ لوح انسانوں کو وھمی یا خیالی منصوبوں کا جھانہ دے، اور کم وقت میں مالدار بننے کا خواب دیکھے، ایسا شخص اصل حدیث سے غافل ہے: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ» وہ گوشت جنت میں داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پروان چڑھا ہو۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم میں سے کوئی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا مکمل رزق حاصل نہ کر لے۔ یہ تو آپ ﷺ کی طرف سے تو وضاحت ہے، اور آپ کی وصیت یہ ہے، فرمایا: «فَلَا تَسْتَبْطِئُوا الرِّزْقَ، وَاتَّقُوا اللَّهَ أَيُّهَا النَّاسُ، وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، وَخُذُوا مَا حَلَّ، وَدَعُوا مَا حَرَّمَ»^(۱۰۸) ترجمہ: تو رزق کے ملنے میں تاخیر کو غلط نہ سمجھو، اے لوگو اللہ سے ڈرو اور طلب کرنے میں میانہ روی اختیار کرو، جو حلال ہے اسے لے لو اور جو حرام ہے اسے چھوڑ دو۔ اس حدیث میں وضاحت بھی ہے اور وصیت بھی۔

ڈرو نہیں لیکن بیٹھو بھی نہیں بلکہ حرکت کرو، اس منہج کے ضمن میں حرکت کرو: مانگنے میں میانہ روی اختیار کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔

سبب سوم:

وہ لوگ لا پرواہی کی وجہ سے حرام کھاتے ہیں، یہ ایک لاعلاج بیماری ہے کہ انسان اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس نے یہ مال کہاں سے لیا۔ صحیح بخاری میں

نبی ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: «لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالِ، أَمِنْ حَلَالٍ أَمْ مِنْ حَرَامٍ؟!»^(۱۰۹) ترجمہ: لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جب آدمی یہ پرواہ کرنا چھوڑ دے گا کہ کس سے مال لیا، آیا وہ حلال تھا یا حرام؟!

آخر میں اس ہدایت اور حکم نبوی کے خاتمے کے طور پر میں حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرتا ہوں جس میں انہوں نے فرمایا: «جس کسی نے حرام مال کھایا اس کے اعضاء گنہگارہ ہو گئے، چاہے وہ اس بات کو مانے یا نہ مانے، اور چاہے وہ اس سے واقف ہو یا نہ ہو»۔ تو جو بھی حرام لقمہ پیٹ میں داخل ہوتا ہے وہ ان اعضاء کو حرام کی طرف بلاتا ہے، «وَمَنْ كَانَتْ طَعْمَتُهُ حَلَالًا أَطَاعَتْهُ جَوَارِحُهُ وَوَفَّقَتْ لِلْخَيْرَاتِ»^(۱۱۰) ترجمہ: جس کی غذاء حلال ہوتی ہے اس کے اعضاء اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اسے خیر کی توفیق ملتی ہے۔

(۱۰۹) بخاری (۲۰۸۳)۔

(۱۱۰) اجاء علوم الدین (۹۱/۲)۔

(۱۰)

لا ايمان لمن لا امانة له

اللہ نے امانت ادا کرنے کا حکم دیا، ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُوَدُّوا أَلْأَمَنَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ [النساء: ۵۸]

ترجمہ: (مسلمانو) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

اللہ نے مومنین کی صفات شمار کرتے ہوئے امانت کی حفاظت کو ان میں ذکر کیا، ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْنَتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ [المؤمنون: ۸]

ترجمہ: اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔

خیانت سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَتَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [الأنفال: ۲۷]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا۔

آج ہمارا موضوع مسند احمد کی وہ حدیث ہے جسے حضرت انس نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ»^(۱۱۱) ترجمہ: اس شخص کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں جو امانتدار نہیں۔

یہ حدیث جامع ہے اور امانتوں کی ادائیگی ہی ایمان کے وجود کی سچی دلیل اور ایمان اور امانت کے درمیان ایک مضبوط رشتہ ہے، لہذا جو امانت ادا کرتا ہے، یہ اس کی ایمانی قوت کا واضح ثبوت ہے اور ہم جسے امانت میں کمزور دیکھیں تو؛ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا ایمان کمزور ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہمارے نبی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ»^(۱۱۲) ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے مال اور جان کے حوالے سے مامون ہوں۔

یہ ہے ایمان اور امانت کے درمیان ربط، اس خلقِ عظیم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ یہ ایمان سے مربوط ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان کا امانت سے گہرا تعلق ہے، اسی لیے حضرت عمر رضی

(۱۱۱) مسند احمد (۳/۱۳۵)۔

(۱۱۲) احمد (۲/۳۷۹)، ترمذی (۲۶۲۷)، نسائی (۳۹۹۵)۔

اللہ عنہ فرماتے ہیں: «لَا تَنْظُرُوا إِلَى صِيَامِ أَحَدٍ وَصَلَاتِهِ، وَلَكِنْ أَنْظُرُوا إِلَى صِدْقِ حَدِيثِهِ إِذَا حَدَّثَ، وَأَمَانَتِهِ إِذَا أَتَمَّنَ، وَوَرَعِهِ إِذَا أَشْفَى»^(۱۱۳) ترجمہ: کسی کے صوم و صلوة کی طرف نہ دیکھو، بلکہ اس کی سچائی کی طرف دیکھو جب وہ بولے، اس کے امانتداری کی طرف دیکھو جب اسے امانت دی جائے، اور اس کے ورع و تقویٰ کی طرف دیکھو جب اسے سلطنت حاصل ہو یعنی جب اسے بادشاہت حاصل ہو اور اس کے لیے خزانے کھول دیئے جائیں اور اسے تصرف کا حق حاصل ہو، یعنی جب اسے بادشاہت حاصل ہو تو تم اسے متقی پاو گے۔

اگلی سطور سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ امانت صرف مال کی حفاظت تک محدود نہیں ہے، چنانچہ مال کی حفاظت کرنے والے کو خزانے کا امین کہتے ہیں، اسی طرح امانت کی صورتیں کئی ایک ہیں: حاکم اپنی حکومت کا امین ہے اور حکومت ایک امانت ہے، صاحب منصب اپنے منصب کا امین ہے اور منصب ایک امانت ہے، ملازمت کرنے والا اپنی ملازمت کا امین ہے اور ملازمت ایک امانت ہے، قلم کار اپنی تالیف کا امین ہے اور تالیف بھی ایک امانت ہے، اسی طرح ہم میں سے ہر شخص اپنے گھر کا امین ہے اور اپنے گھر کی نگہداشت کرنا بھی امانت ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عامل نہیں بنائیں گے - میں چاہتا

(۱۱۳) الزهد ابو داود (۶۴)، الورع (۲۱۴)، حلیۃ الاولیاء (۲/۳)، سنن کبریٰ (۶/۲۸۸)۔

ہوں کہ مجھے کوئی منصب تفویض کر دیں، یعنی کسی صوبے کا مجھے والی بنا دیں وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ نے میرے کندھے پر اپنے ہاتھ سے مارا اور فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ» ترجمہ: اے ابو ذر! تم کمزور ہو۔ ابو ذر ایسے صحابی ہیں جن کو آپ ﷺ کی زبان پر ذکر خیر ہوتا تھا، «وَأَنَّهَا أَمَانَةٌ، وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا، وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا»^(۱۱۳) ترجمہ: یہ امانت ہے اور یہ قیامت کے دن شرمندگی و ندامت کا سبب بنے گی، سوائے اس شخص کے جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اور پوری وفاداری کے ساتھ اپنے واجبات کو ادا کیا۔

اے مومن بندے کسی بھی ذمہ داری سے خوش نہ ہو، کیوں کہ یہ ایک بھاری امانت ہے، لہذا جب تم سے یہ چھین لی جائے تو خوش رہو اور خود کو خوش بخت سمجھو، کیوں کہ تمہارے کندھے سے ایک عظیم بوجھ ہٹا لیا گیا ہے۔

امانت «ربانی عادت» ہے، جس کے ذریعہ مخلوق کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو کہ خالق راضی ہو جائے۔ خود سے یہ کھہکر جواز نہ ثابت کرو کہ فلاں نے میرے ساتھ خیانت کی اس لیے میں بھی خیانت سے کام لوں، کیوں کہ پورا معاشرہ خیانتوں سے بھرا پڑا ہے، اس لئے میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں!! ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَيَّ مِنْ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»^(۱۱۵) ترجمہ: جس

(۱۱۳) مسلم (۱۸۲۵)۔

(۱۱۵) ابو داؤد (۳۵۳۵)، ترمذی (۱۲۶۳)۔

نے تمہیں امانت دی ہے اسے واپس کر دو، اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کیا اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔

یہ مومن کی عادت نہیں ہے، اگر تمہارے ساتھ خیانت کا معاملہ کیا گیا تو تم ایسا نہ کرو، «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ مَنِ اتَّمَمْتَهَا، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»^(۱۱۶) ترجمہ: جس نے تمہیں امانت دی ہے اسے واپس کر دو، اور جس نے تمہارے ساتھ خیانت کیا اس کے ساتھ بھی خیانت نہ کرو۔

دین سے سب سے پہلے اٹھائی جانے والی چیز امانت ہے، اور ہم سب کو یہ معلوم ہے کہ دینی احکام یکے بعد دیگرے اٹھائے جائیں گے۔ معجم طبرانی کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: «إِنَّ أَوَّلَ مَا تَفْقِدُونَ مِنْ دِينِكُمُ الْأَمَانَةُ»^(۱۱۷) ترجمہ: تم لوگ سب سے پہلی چیز جو اپنے دین سے کھو دو گے وہ امانت ہے۔

جب امانت ضائع کی جائے گی تو معاشرہ میں اس کے ضیاع کا اثر ہو گا اور معاشرے میں اس کے ضیاع کا اثر محسوس ہو گا، امانت ضائع کرنے کا پہلا اثر یہ ہو گا کہ ایمان کمزور ہو جائے گا، اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ نے ارشاد فرمایا: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ» ترجمہ: اس شخص کا کوئی ایمان

(۱۱۶) ابو داؤد (۳۵۳۵)، ترمذی (۱۲۶۴)۔

(۱۱۷) الجعفی (۲۹۵/۷)، عبد الرزاق (۳۶۳/۳)، واہب بن شیبہ (۵۵۵/۱۹)، حاکم (۵۰۴/۴)۔

نہیں ہے جو امانتدار نہیں اور اس شخص کا کوئی دین نہیں جس کے پاس ایفائے عہد نہیں۔ یہی آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے؛ معاشرہ میں جب بھی خیانت کی کثرت ہو جائے تو سمجھ لو کہ ایمان کمزور ہو گیا۔

امانت ضائع کرنے کا دوسرا اثر:

نفاق جیسی آفت کا پھیلنا، یہ سب سے خطرناک آفت ہے، جب امانت ضائع کی جاتی ہے تو معاشرہ میں منافقین کی کثرت ہو جاتی ہے، جب بھی تم منافقین کی کثرت دیکھو، تو جان لو کہ امانت ضائع ہو رہی ہے، بخاری کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «أَرَبِعٌ مِّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خِصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَهَا: إِذَا أُؤْتِمِنَ حَانَ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»^(۱۱۸) ترجمہ: چار چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں پائی جائیں وہ پورا منافق ہے، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو اس میں نفاق کی اتنی ہی خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے نہیں چھوڑ دیتا: جب امانت دی جائے تو وہ خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب معاہدہ کرے تو توڑ دے اور جب لڑے تو گالی دے۔ جب معاشرے میں امانتیں ضائع ہونے لگیں گی، تو یہ آفت پیدا ہو جائے گی، اور یہ نفاق کی آفت ہے۔

تیسری علامت - سب سے خطرناک :-

گزشتہ دونوں اثروں کے وجود کا یہ حتمی نتیجہ ہے، جب ایمان کمزور ہو جائے اور نفاق کی کثرت ہونے لگے تو یہ تیسرا اثر رونما ہوتا ہے، وہ ہے مفہوموں کا خلط ملط ہونا، جب امانتیں ضائع کی جاتی ہیں تو مفہوم خلط ملط ہو جاتے ہیں اور حقائق بدل دیئے جاتے ہیں اور معقول بات غیر معقول بن جاتی ہے اور غیر معقول بات معقول بن جاتی ہے، تو اس طرح سے مفہوم تبدیل ہو جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد ہے: «سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَاعَاتٌ يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْحَايِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوْبِيضَةُ»، قيل: وما الرُّوْبِيضَةُ يا رَسُولَ اللَّهِ؟ قال: «الرَّجُلُ التَّافَهُ يَتَكَلَّمُ فِيأَمْرِ الْعَامَّةِ»^(۱۱۹) ترجمہ: لوگوں پر بہت سے سال ایسے آئیں گے جن میں دھوکا ہی دھوکا ہوگا۔ اس وقت جھوٹے کو سچا سمجھا جائے گا اور سچے کو جھوٹا، بددیانت کو امانت دار تصور کیا جائے گا اور امانت دار کو بددیانت اور روْبِيضَة (گرے پڑے نااہل لوگ) قوم کی طرف سے نمائندگی کریں گے۔ عرض کیا گیا: روْبِيضَة سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: وہ نااہل اور بے قیمت آدمی جو جمہور کے اہم معاملات میں رائے دیں گے۔ یہ مفہوموں کا خلط ملط ہونا ہی تو ہے کہ مشہور جھوٹے کو سچا سمجھا جا رہا ہے اور سچے خیر خواہ کو جھوٹا گردانا جا رہا ہے،

وہ خیانت کرنے والا جس کی خیانت روز روشن کی طرح عیاں ہے اسے امین سمجھا جا رہا ہے، اور امین کو خیانت کرنے والا شمار کیا جا رہا ہے، عوام کی نا اہل لوگ کر رہے ہیں، کیوں کہ انہیں ہی بولنے کا ڈھنگ آتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: «إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ»^(۱۲۰) ترجمہ: جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! امانت ضائع کرنے کی شکل کیا ہوگی؟ فرمایا: جب حکومت کسی نا اہل کو دے دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔ یہ مفہوم کے خلط ملط ہونے کا نتیجہ ہی تو ہے۔

جب نبی کریم ﷺ نے حدیث جامع میں ارشاد فرمایا: «لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ» ترجمہ: اس شخص کے لیے ایمان نہیں جس کے لیے امانت نہیں، اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ معاشرے میں دو باتیں پروان چڑھیں گی، جب ایمان مضبوط ہوگا تو امانت پروان چڑھے گی اور معاشرے میں پائی جائے گی۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس مال غنیمت لایا گیا اور ان کے سامنے اسے جمع کیا گیا تو کیا دیکھتے ہیں ان مال غنیمت میں کسریٰ کا تاج اور اس کے دو کنگن تھے جو سونے اور جواہرات سے مرصع تھے، تو انہیں تعجب

ہوا کہ اس مالِ غنیمت میں یہ بھی ہے، انہوں نے صحابہ کے حضور فرمایا: «وَاللَّهِ إِنَّ الَّذِي أَدَّى إِلَيْنَا هَذَا لَأَمِينٌ»، یعنی: الَّذِي جَاءَ لَنَا بِهَذَا التَّاجِ وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى إِخْفَائِهِ، وَسِرِّقَتِهِ، وَالْإِحْتِفَاطِ بِهِ لِنَفْسِهِ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أَنْتَ أَمِينُ اللَّهِ، يُؤَدُّونَ إِلَيْكَ مَا أَدَّيْتَ إِلَى اللَّهِ، فَإِذَا رَتَعْتَ رَتَعُوا^(۱۲۱) ترجمہ: بخدا جس نے یہ ہمیں لا کر دیا وہ امین ہے یعنی جو اس تاج کو لے کر آیا وہ اسے چھپانے اور چرانے پر قادر تھا اور اس بات پر قادر تھا کہ اسے اپنے پاس رکھ لے۔ ایک شخص نے کہا: اے امیر المومنین، آپ اللہ کے امین ہیں، اور جب تک آپ اللہ کی امانت پوری پوری ادا کرتے رہیں گے، یہ لوگ بھی آپ کی امانت پوری پوری ادا کرتے رہیں گے، اور اگر آپ عیش پسند ہو جائیں گے وہ بھی عیش پسند ہو جائیں گے۔ یہی اصول ہے: جب آپ عیش پسند ہو جاو گے تو لوگ بھی عیش پسند ہو جائیں گے۔

(۱۲۱) امام شافعی (۳۵۲/۵-۳۵۴)، سنن کبریٰ (۳۵۷/۶)۔

(۱۱)

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ»^(۱۲۲) ترجمہ: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ یہ حدیث جامع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی رحمت اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، تو جو چاہتا ہے کہ وہ رحمت سے سرفراز ہو تو اسے چاہئے کہ وہ مخلوق پر رحم کرے، جتنا تم رحم کرو گے اسی قدر تم پر رحم کیا جائے گا، جو رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے یعنی جس قدر تم رحم کرو گے اسی قدر تم پر رحم کیا جائے گا؛ یہ حدیث جامع ہے جسے امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں نقل کیا ہے۔

آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اوپر رحم کرنا لازم کر رکھا ہے، چنانچہ سورہ انعام میں کئی جگہ ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ كُنَّ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾^(۱۲) [الأنعام: ۱۲]

ترجمہ: (ان سے) پوچھو کہ: «آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟» (اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ: «اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لیے توبہ کر لو تو پچھلے سارے گناہ معاف کر دے گا) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لیے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے۔

دوسرے مقام پر وہ فرماتا ہے: ﴿وَلِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ ط كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهْلَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٤﴾﴾ [الأنعام: ٥٤]

ترجمہ: اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کر لیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

باری تعالیٰ نے اپنی صفت رحمت کو بیان کیا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿وَرَبُّكَ

الغَفِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ﴾ [الأنعام: ١٣٣]

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار ایسا بے نیاز ہے جو رحمت والا بھی ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَسِعَتْ﴾

[الأنعام: ۱۴۷]

ترجمہ: پھر بھی اگر یہ (کافر) تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ: تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے اور اس کے عذاب کو مجرموں سے ٹالا نہیں جاسکتا۔

پروردگار عالم نے بتا دیا کہ رحمت اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور وہی اپنے بندوں پر رحمت کی بارش برساتا ہے، بلکہ تمام بنی نوع انسان پر رحمت کی بارش کرتا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ [فاطر: ۲]

ترجمہ: جس رحمت کو اللہ لوگوں کے لیے کھول دے، کوئی نہیں ہے جو اسے روک سکے اور جسے وہ روک لے تو کوئی نہیں ہے جو اس کے بعد اسے چھڑا سکے۔ اور وہی غالب ہے اور حکمت کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبانی بیان فرمایا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی، اس کی رحمت اس کے غضب سے سبقت لے گئی، یہ دونوں روایتیں صحیح بخاری میں منقول ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَمَّا قَضَى اللَّهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي»، وفي رواية: «إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي» (۱۲۳) اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو

عرش کے اوپر اپنے پاس لکھ کر رکھ لیا: بے شک میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی، دوسری روایت میں ہے: بیشک میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی ہے۔

رحمت کی شان میں سب سے زیادہ قابل ذکر چیز یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کا بڑا حصہ اپنے پاس ذخیرہ کر رکھا ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اور اس نے زمین پر رحمت کا صرف ایک حصہ اتارا ہے اور اسی ایک حصے کی وجہ سے دنیا میں لوگ آپس میں رحمت کا معاملہ کرتے ہیں۔

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ لِلَّهِ مِثَّةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُونَ، وَبِهَا يَتَرَاحَمُونَ، وَبِهَا تَعَطَّفُ الْوَحْشُ عَلَى وَلَدِهَا»^(۱۲۴) ترجمہ: بیشک اللہ کی رحمت سو حصے ہیں ان میں سے انس و جن اور چوپایوں اور جانوروں کے درمیان صرف ایک حصہ نازل کیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے شفقت و رحمت کا معاملہ کرتے ہیں اور اس سے وحشی جانور اپنے بچوں پر مہربان ہوتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سو حصے ہیں اس نے آسمانوں اور زمین کی خلقت سے لے کر تا قیام قیامت رحمت کا صرف ایک حصہ نازل کیا ہے، چنانچہ انس و جن، جانور، چوپائے، اور سارے مخلوق کے درمیان ہم جو باہمی رحم کے معاملات دیکھتے ہیں، وہ سب صرف اسی رحمت کے ایک حصے کی بنیاد پر ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ فرمان بشارت ہے اس پر خوشی مناؤ اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا: «وَأَخَّرَ اللَّهُ تَسْعًا وَ تَسْعِينَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» ترجمہ: اللہ نے رحمت نواے حصوں کو موخر کر رکھا ہے جن کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ یہ رحمت کا ایک ہی حصہ ہے جو ہمیں دنیا میں دکھائی دیتا ہے، تو ہمارا دل اس ایک رحمت سے مچل جاتا ہے اور ہماری آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، جب کہ اللہ نے اپنے پاس نواے رحمتیں جمع کر رکھا ہے جس کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم کرے گا۔

اے اللہ اے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں رحمتیں ہی رحمتیں ہیں دنیا اور آخرت میں ہمیں اپنی رحمت میں شامل رکھنا! آمین

اس رحمت کے حصول کے اسباب بہت زیادہ ہیں اور عقلمند وہی ہے جو ان اسباب کو اپنائے تاکہ یہ رحمتیں اسے حاصل ہوں، میں خود کو اور تم لوگوں کو چھ کام بتاتا ہوں، یہ کام رحمت کی کنجیاں ہیں۔

رحمت کے اسباب:

سبب اول:

ایمان و تقویٰ کا پایا جانا، جس قدر تمہارے پاس ایمان و تقویٰ ہوگا اسی قدر تمہیں اللہ کی رحمت سے حصہ ملے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْ

الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ ۗ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ ۗ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩٩﴾ [التوبة: ٩٩]

ترجمہ: اور دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں یہ ان کے لیے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

چونکہ انہوں نے ایمان و تقویٰ کو یقینی بنایا، اس لئے عنقریب اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے گا، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ ۗ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿٣٠﴾ [الجنات: ٣٠]

ترجمہ: چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، تو انکو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی واضح کامیابی ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَءَامِنُوا بِرَسُولِهِ ۙ يُؤْتِكُمْ كَهْلِيْنَ مِنْ رَحْمَتِهِ ۗ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ ۗ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ [الحديد: ٢٨]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے، اور تمہارے لیے وہ نور پیدا کرے جس کے ذریعے تم چل سکو، اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔

رحمت کا ایک اور سبب:

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، آپ کے اقوال کی پیروی اور آپ کی سنت کی اتباع ہے، یہ بھی رحمت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے، لہذا جب تم سے کسی چیز کے متعلق کہا جائے کہ یہ سنت ہے تو اسے اختیار کر لو اور چھوڑو نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [آل عمران: ۱۳۲]

ترجمہ: اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ [النور: ۵۶]

ترجمہ: اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور رسول کی فرمانبرداری کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ تو آپ ﷺ کے ارشادات کی اطاعت رحمت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

رحمت کا ایک اور سبب:

ابتداءً خطبہ میں جو حدیث پیش کی گئی، اس میں پوری وضاحت کے ساتھ یہ کہا گیا ہے کہ مخلوق پر رحم کرو، یہ بھی رحمت پانے کا ایک ذریعہ ہے چنانچہ رحمتل بن جاو، اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنی بیوی کے ساتھ، اپنی اولاد کے ساتھ اور اپنے خدمت گاروں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، اپنے پڑوسیوں پر رحم کرو، راہ چلتے لوگوں پر رحم کرو، خرید و فروخت کرتے وقت رحم کرو، اس وقت بھی رحم کرو جب فیصلہ کر رہے ہو، اپنے کارخانہ میں، اپنے کھیت میں، اپنی آفس میں رحیم بنو، تم سے رحمت ہی پھیلے جب تم رحم کرو گے تو تم پر بھی رحم کیا جائے گا، یہ بھی رحمت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، مخلوق کے حوالہ سے تمہارے پاس جتنا رحم ہو گا اتنا ہی تمہارے ساتھ رحم کیا جائے گا۔

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّمَا يَرْحَمُ اللَّهُ مِنْ عِبَادِهِ الرَّحِمَاءَ»^(۱۲۵) ترجمہ: بیشک اللہ اپنے رحمتل بندوں پر رحم کرتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، اَرْحَمُوا اَهْلَ الْاَرْضِ يَرْحَمَكُمُ مِنَ فِي السَّمَاءِ»^(۱۲۶) ترجمہ: رحم کرنے والوں پر رحمتل رحمت کرتا ہے، تم اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

(۱۲۵) بخاری (۱۲۸۴)، و مسلم (۹۴۳)۔

(۱۲۶) احمد (۱۶۰/۲)، ابو داؤد (۳۹۴۱)، ترمذی (۱۹۴۳)۔

مسلم نوجوانوں اور میرے دینی بھائیوں، یہ ہے اسلام کا پیغام، یہ ہے اسلام، روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں پر رحم کرو، اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا، جس قدر تم اہل زمین پر رحم کرو گے آسمان والا اسی قدر تم پر رحم کرے گا۔

یہ رحم صرف انسانوں میں محدود نہیں ہے بلکہ تمام مخلوق کو محیط ہے، ان چوپایوں کو بھی شامل ہے جنہیں اللہ نے ہمارے لیے مسخر کر دیا ہے، ان چوپایوں کو بھی شامل ہے جو ہمارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، ذرا اس شخص کو دیکھو کہ اس سے کتنی رحمت اُٹ رہی ہے، یہ اپنے آپ میں بڑی حرج محسوس کر رہا تھا، اور بڑی تکلیف میں مبتلا تھا۔ اس شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ میں بکری ذبح کرتا ہوں تو بھی اس کے ساتھ رحم کا معاملہ کرتا ہوں، - گوشت اسکا خود کھا رہا ہے، اپنے بچوں کو کھلا رہا ہے، اور اپنے مہمانوں کو بھی کھلا رہا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَالشَّاةُ إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَكَ اللَّهُ»^(۱۲۷) ترجمہ: اگر تم نے بکری پر رحم کیا تو اللہ تم پر رحم کرے گا۔

دیکھو تو سہی ذبح کرتے ہوئے! چراتے اور چارا دیتے ہوئے نہیں بلکہ ذبح کرتے

وقت، چھری کو اس کی گردن پر چلاتے وقت بھی! اگر تم اس پر رحم کرو گے تو اللہ تم پر رحم کرے گا، ذرا مجھے بتاؤ تو سہی کہ اس دین سے بڑھ کر اور کوئی دین ہے؟ یہ مغرب والے کافر ہمارے دین کو بدنام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دہشت گردی کا دین ہے، یہ بات سراسر جھوٹ ہے، ہمارا دین تو دینِ رحمت ہے۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں ایک حدیث نقل کی ہے، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے گھر آئی، یہ فقیر عورت تھی، مسکین تھی، کچھ مانگنے کے لئے آئی تھی، اس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا، اپنے ساتھ دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی لائی جو بھوک سے بلک رہے تھے، سبھی نبی کریم ﷺ کے گھر کے دروازہ پر رکے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نکلیں، انہیں اپنے گھر میں تین کھجوروں کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ نبی کے گھر میں صرف تین کھجوریں ہی موجود تھیں۔ تو انہوں نے اس غریب مانگنے والی کے ہاتھ میں دے دیں، تو اس نے ایک ایک کھجور دونوں چھوٹے بچوں کو دیا، تیسری کھجور اپنے منہ کے پاس لے کر گئی ہی تھی کہ کیا دیکھتی ہے اس کے بچے اپنی کھجور کھا کر اپنی ماں کو دیکھ رہے تھے گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے: اپنے ہاتھ والی بھی دے دو۔ اس رحمدل ماں کا دل دیکھو، اس نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں بچوں کو دے دیا اور بغیر کھائے ہی چلتی بنی۔ جب نبی ﷺ تشریف لائے تو سیدہ عائشہ نے سارا ماجرا سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَمَا يُعْجِبُكَ مِنْ ذَلِكَ؟!» ترجمہ: اس

میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یعنی تعجب کی بات یہ نہیں بلکہ تعجب کی بات تو اور ہے۔
 «لَقَدْ رَحِمَهَا اللَّهُ بِرَحْمَتِهَا صَبِيهَا»^(۱۲۸) ترجمہ: اپنے دونوں بچوں پر رحم کرنے
 کی وجہ سے اللہ نے اس عورت پر رحم کر دیا۔

وہ رحم جو باپ اپنے بچے پر کرتا ہے وہ اللہ کی رحمت کا سبب بنتا ہے، اسی لیے
 جب ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس نے دیکھا کہ آپ اپنے
 بیٹوں کو بوسہ دے رہے ہیں تو اس نے کہا: کیا تم اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ بخدا،
 میرے دس بیٹے ہیں، میں نے انہیں کبھی بوسہ نہیں دیا، آپ نے ارشاد فرمایا:
 «أَوْأَمَلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللَّهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ!»^(۱۲۹) ترجمہ: کیا تمہارے دل سے
 اللہ کی رحمت نکال لی کا مجھے حق حاصل ہے!

چوتھا سبب یہ ہے کہ جس قدر رحم کرو گے اسی قدر رحم کیا جائے گا، اور یہ
 مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ ہے۔

سبب پنجم:

اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قرآن کریم کو پڑھنے پڑھانے، سننے
 اور سنانے کے لئے اکٹھا ہونا بھی رحمت کا ایک ذریعہ ہے، صحیح مسلم میں مذکور
 ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ،

(۱۲۸) الادب المفرد (۸۹)۔

(۱۲۹) مسلم (۲۳۱۷) بخاری (۵۹۹۷)، و مسلم (۲۳۱۸)۔

يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمْ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ»^(۱۳۰) ترجمہ: جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہے اور اسے آپس میں سیکھتی اور سکھاتی ہے تو ان پر سکون اور اطمینان نازل ہوتا ہے، ان پر رحمت چھا جاتی ہے، ملائکہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں اور اللہ اپنے مقربین میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ یہ کا بھی رحمت کا سبب ہے۔

مولائے کریم سے اس کے اسمائے حسنی اور صفات علیا کا واسطہ دے کر دعاء کرتا ہوں کہ وہ مجھے، تم کو اور ہمارے والدین کو اپنی رحمت اور فضل عطا فرمائے۔

اسباب رحمت کا چھٹا سبب

مصیبت پر صبر کرنا اور اس سے چھٹکارا پانے کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا۔ ہم میں ایسا کون ہے جسے مصیبت آتی؟ ہم میں کون ہے جسے کوئی تکلیف نہیں آتی؟ ہم میں کون ہے جسے کوئی مصیبت نہیں آتی؟ یہ مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی۔ لیکن عقلمند وہی ہے جو اس بلاء و مصیبت کے آنے کے بعد یہ امید رکھتا ہے کہ اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، اس لیے وہ صبر سے کام لیتا ہے اور ارشاد باری کو یاد کر کے ثابت قدم رہتا ہے

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ
”ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ یہ وہ لوگ
ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے اور
یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں۔

بہر حال معلوم یہ ہوا کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا اور جو
جس قدر رحم کرے گا اسی قدر اس پر رحم کیا جائے گا، تو اے رحمتوں کے تلاش
کرنے والے، تم پر لازم ہے کہ تم اپنے علاوہ مخلوق خداوندی کے ساتھ بھی رحم کا
معاملہ کرو۔

(۱۲)

أَكْثَرُوا مِنْ قَوْلٍ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ

شرعی اذکار کا دین میں بہت بلند مقام ہے اور مومنین کے دلوں میں اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے، شرعی اذکار بہت زیادہ قربِ الہی پیدا کرنے والے اعمال اور بڑی شان والی عبادتوں میں شمار ہیں؛ اسی لیے مولائے کریم نے خوب کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا، ارشاد فرمایا: ﴿يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا أَذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾﴾ [الأحزاب: ۴۱-۴۲]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَالذِّكْرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾﴾ [الأحزاب: ۳۵]

ترجمہ: اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ كَمَثَلِ الْحَيِّ

وَالْمَيِّتِ»^(۱۳۱) ترجمہ: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ۔

ہمارا آج کا موضوع عظیم اذکار میں سے ایک ذکر کے بارے میں ہے، نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ہمیں خوب ذکر کرنے کا حکم دیا، اس ذکر کو میں سابقہ جوامع الکلم کے ساتھ جوڑتا ہوں۔

یہی وہ ذکر ہے جسے ہمیں خوب کثرت سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مسند احمد میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد ہے: «أَكْثِرُوا مِنْ قَوْلٍ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ»^(۱۳۲) ترجمہ: لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا ذکر خوب کثرت سے کیا کرو کیوں کہ یہ جنت کے خزانے میں سے ایک خزانہ ہے۔

«لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» یعنی اللہ کی مدد اور اس کی توفیق کے بغیر کوئی قوت نہیں ہے۔

«لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لا تَحْوَلْ بِنَا إِلَى الْعَمَلِ بِالطَّاعَةِ إِلَّا بِاللَّهِ، وَلَا تَحْوَلْ عَنِ تَرْكِ الْمَعْصِيَةِ إِلَّا بِاللَّهِ^(۱۳۳) ترجمہ: طاعت پر عمل کی طرف ہماری طاقت نہیں ہے مگر اللہ کی مدد

(۱۳۱) بخاری (۶۲۰۷)۔

(۱۳۲) احمد (۳۳۳/۲)۔

(۱۳۳) در المنثور بیوطی (۳۹۳/۵)۔

سے اور معصیت چھوڑنے کی طاقت بھی نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے۔

یہ طاقت و قوت اللہ کی مدد سے ہے۔

«لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» شر کو دور نہیں کیا جاسکتا مگر اللہ کی مدد سے اور خیر کو حاصل نہیں کیا جاسکتا مگر اللہ کی مدد سے، جیسا کہ ابن عباس نے اس کی تفسیر کی (۱۳۴)۔

«لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» یہ ایسا کلمہ ہے جس کے ذریعہ اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

«لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» بہت سارے لوگوں کو غلط فہمی ہے کہ اسے مصیبت کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ یہ غلط ہے، لوگ اسے مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت پڑھتے ہیں، جبکہ مصیبت کے نازل ہونے کے وقت **إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ** پڑھا جاتا ہے۔ وہ کلمہ استرجاع ہے، اور یہ مدد مانگنے کی دعاء ہے، اس لیے «لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» کو مدد طلب کرتے وقت پڑھا جائے نہ کہ مصیبت کے نازل ہونے کے وقت۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں «لا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» کو خوب کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے کیوں کہ اس کے بہت سے فضائل ہیں، کچھ فضائل کو میں یہاں ذکر کرتا ہوں:

فضیلت اول

یہ گناہوں کے کفارہ کا سبب ہے، مسند احمد میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا عَلَى الْأَرْضِ رَجُلٌ يَقُولُ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، إِلَّا كُفِّرَتْ ذُنُوبُهُ وَلَوْ كَانَتْ أَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ»^(۱۳۵) ترجمہ: روئے زمین پر بسنے والا جو شخص یہ دعاء پڑھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہو، کیا تمہیں یہ فضیلت معلوم تھی؟ یہ اللہ کا فضل عظیم ہے، یہ ہے فضیلت کہ اس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

دوسری فضیلت

یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، لہذا بخاری میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عبد اللہ بن قیس، یہ ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے، «قُلْ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ»^(۱۳۶) ترجمہ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھا کرو کیوں کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ یہ ایسا خزانہ ہے جو اللہ کے پاس جنت میں تمہارے لیے جمع کیا گیا ہے،

(۱۳۵) احمد (۱۵۸/۲)، ترمذی (۳۲۶۰)۔

(۱۳۶) بخاری (۶۳۸۲)، مسلم (۲۷۰۲)۔

جب تم لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ پڑھتے ہو، تو تم ایک اجر اور ایک عمدہ عبادت اپنے لئے جنت میں جمع کرواتے ہو، جو جنت کے خزانوں کے مشابہ ہوتی ہے

تیسری فضیلت

یہ جنت کی کھیتی ہے، تو ہم میں سے جو کوئی بھی دنیا میں کھیتی اور بوائی کرتا ہے تو وہ اچھے اچھے پھل اور بہترین قسم کی فصل لگاتا ہے اور جنت کی کھیتی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ہے، بخیل ہے وہ شخص جو بخل سے کام لے اور اپنے نفس پر تنگی کرے۔

صحیح ابن حبان میں سالم ابن عبد اللہ بن عمر ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ معراج کی رات نبی کریم ﷺ کا ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا: «مَنْ مَعَكَ يَا جَبْرِيلُ؟» ترجمہ: جبرئیل تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: محمد ﷺ ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: «يَا مُحَمَّدُ مَرُّ أُمَّتِكَ أَنْ يُكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» ترجمہ: اے محمد، اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا کثرت سے ورد کریں۔

ہمارے نبی ﷺ جو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کا کثرت سے ورد کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ دراصل شب معراج میں ابراہیم علیہ السلام کی وصیت ہے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: «يَا مُحَمَّدُ مَرُّ أُمَّتِكَ أَنْ يُكْثِرُوا مِنْ قَوْلِ: لَا

حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» ترجمہ: اے محمد، اپنی امت کو حکم دیں کہ وہ لاجول ولا قوۃ الا باللہ کا کثرت سے ورد کریں۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا: «يَا اِبْرَاهِيمُ وَمَا شَأْنُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ؟» - قَالَ: «إِنَّهَا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ، فَإِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ، وَأَرْضُهَا وَاسِعَةٌ» (۱۳۷) ترجمہ: اے ابراہیم، لاجول۔۔۔۔ کی شان کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: یہ جنت کی کھیتی ہے جس کی مٹی عمدہ اور زمین وسیع ہے۔

لاجول کے دیگر فضائل میں سے ایک یہ ہے:

یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، نبی ﷺ قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، حضرت قیس نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتے تھے، ان کے والد نے انہیں نبی ﷺ کی خدمت کے لیے بھیجا تھا، وہ فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے میرے پاس سے گزرتے ہوئے فرمایا: «يَا قَيْسُ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟ أَنْ تَقُولَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ» (۱۳۸) ترجمہ: اے قیس کیا میں تمہیں جنت کے دروازوں میں ایک دروازہ کا پتہ نہ بتا دوں؟ وہ یہ کہ تم یہ کلمات پڑھا کرو: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس کے علاوہ اس کے بہت سے فضائل وارد ہوئے ہیں، ہم اپنی شریعت میں پاتے ہیں کہ یہ جملہ «لا حول ولا قوۃ الا باللہ» ہمارے روز و شب میں ہم

(۱۳۷) صحیح ابن حبان (۸۲۱)، احمد (۴۱۸/۵)۔

(۱۳۸) احمد (۲۲۲/۳)، ترمذی (۳۵۸۱)۔

سے بہت مضبوطی کے ساتھ مربوط ہے۔

اللہ تمہیں محفوظ رکھے۔ دیکھو جب ہم اپنی یا اپنے کسی بھائی کے پاس دل کو خوش کرنے والے کوئی چیز دیکھتے ہیں تو ہمارے پروردگار نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم یوں کہیں: «لا حولَ ولا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ»۔

سورہ کہف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ﴾ ترجمہ: اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، ﴿قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ترجمہ: اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ! یہ امر مسنون ہے، جب تمہیں کوئی دل کش چیز نظر آئے تو کہو: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیوں کہ یہ فضل و نعمت اور یہ خیر اللہ کی طرف سے ہے، کسی کو اپنے نفس سے دھوکہ کھا کر یہ نہیں کہنا چاہے کہ یہ میری اور میرے آباء و اجداد کی کمائی سے حاصل ہوئی ہے، کیوں کہ وہ جھٹکے میں سب کچھ چھین سکتا ہے۔ ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [الکہف: ۳۹]

ترجمہ: اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔

یہ ذکر اس وقت پڑھنا بھی مسنون ہے جب کوئی انسان نیند سے گھبرا کر اٹھے، ہم میں سے کون نہیں گھبراتا ہے؟ تو جب نیند سے گھبرا کر اٹھے، تو اس ذکر کا ورد اپنی زبان پر جاری رکھے۔ بخاری کی ایک حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد نقل

کیا گیا ہے: «مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي. أَوْ دَعَا، اسْتَجِيبْ لَهُ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ»، فإذا قال هذا الذِّكْرَ، ثُمَّ قَالَ: «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي. أَوْ دَعَا، اسْتَجِيبْ لَهُ، فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قُبِلَتْ صَلَاتُهُ»^(۱۳۹) ترجمہ: جسے رات میں نیند نہ آئے تو وہ یہ دعاء پڑھے: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، الْحَمْدُ لِلَّهِ، وَسُبْحَانَ اللَّهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ترجمہ: نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہت اسی کے لیے اور ساری تعریف اسی کے لیے وہ ہر چیز پر قادر ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہے، اللہ کی ذات پاک ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اللہ بہت بڑا ہے اور کوئی طاقت اور کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے۔ اور پھر یہ دعاء پڑھے: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي. ترجمہ: اے اللہ میری مغفرت فرمادے۔ پھر دعاء کرے تو اس کی دعاء قبول کر لی جائے گی، اور اگر با وضوء کر کے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز مقبول ہوگی۔

اس ذکر کو ہم نماز کے بعد پڑھتے ہیں اور جب ہم کھانے پینے سے فارغ

ہوتے ہیں تب پڑھتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ أَكَلَ طَعَامًا فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا الطَّعَامَ، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ. إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»^(۱۳۰) ترجمہ: جو کھانے سے فارغ ہو کر یہ دعاء پڑھے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا الطَّعَامَ، وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے۔ ان احسانات اور نعمتوں کو دیکھو، یہ اللہ کی نعمتیں ہیں جو وہ ہمیں عطا کرتا ہے۔

نبی ﷺ جب دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے جاتے تو اپنی قوت و طاقت کو چھوڑ اللہ القوی العزیز سے مدد طلب کرتے اور جنگ کے وقت یہ دعاء پڑھتے رہتے: «اللَّهُمَّ رَبِّي بِكَ أَقَاتِلْ، وَبِكَ أَصَاوِلْ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ»^(۱۳۱) ترجمہ: اے اللہ میرے پروردگار، تیری مدد سے میں جنگ لڑتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں، کوئی طاقت و قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد سے۔

سنن ابو داود میں یہ دعاء نقل کی گئی ہے: «اللَّهُمَّ أَنْتَ عَضِدِي وَنَصِيرِي، بِكَ أَحْوَلُ، وَبِكَ أَصْوَلُ، وَبِكَ أَقَاتِلُ»^(۱۳۲) ترجمہ: اے اللہ تو ہی میرا نمعس و مددگار ہے، تیری مدد سے میں آیا ہوں، تیری ہی مدد سے میں حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے میں جنگ کرتا ہوں۔

(۱۳۰) احمد (۴۳۹/۳)، وابو داود (۴۰۲۳)، ترمذی (۳۴۵۸)، ابن ماجہ (۳۲۸۵)۔

(۱۳۱) احمد (۳۳۳/۴)۔

(۱۳۲) سنن ابی داود (۲۶۳۲) و احمد (۱۸۳/۳)، ترمذی (۳۵۸۳)۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ بہت عظیم دعاء ہے۔ ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ہمیں اسے خوب کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور نبی ﷺ نے بھی ہمیں اس کو خوب کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

یہ دعاء گھر سے نکلنے کے وقت پڑھی جاتی ہے، جب بھی گھر سے نکلو تو اپنی طاقت و قوت سے براءت کر لو اور اللہ قوی کی پناہ میں چلے جاؤ، اگر تم یہ دعاء پڑھو تو اللہ تمہیں ایسی نعمتیں عطا کرتا ہے جو تمہیں اس بات پر ابھاریں گی کہ تم ہمیشہ گھر سے نکلتے وقت یہ دعاء پڑھو۔

ابو داؤد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهِ فَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ» ترجمہ: جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعاء پڑھتا ہے: بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ یہ تین جملے ہیں، تو اس بندے سے کہا جاتا ہے: «يُقَالُ حَيْثُ نَزَلَ - أَي: يُقَالُ لَهُ: - هُدَيْتَ، وَكُفِّيتَ، وَوُقِيْتَ، وَتَنَحَّيْتَ لَهُ الشَّيَاطِينَ» ترجمہ: تمہیں ہدایت دی گئی، تمہیں حفاظت عطا کی گئی اور تمہیں بچا لیا گیا اور شیطان اس سے بھاگتے ہیں۔ دیکھی تم نے یہ خیر؟ «يُقَالُ لَهُ: هُدَيْتَ، وَكُفِّيتَ، وَوُقِيْتَ، وَتَنَحَّيْتَ لَهُ الشَّيَاطِينَ. وَيَقُولُ لَهُ شَيْطَانٌ آخَرٌ: كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِّي وَوُقِيَ» (۱۳۳) ترجمہ:

اسے کہا جاتا ہے: تمہیں ہدایت دی گئی، تمہیں حفاظت عطا کی گئی اور تمہیں بچا لیا گیا اور شیطان اس سے بھاگتے ہیں۔ دوسرا شیطان اس سے کہتا ہے: تم اس بندے کو قبضے میں کیسے کر سکتے ہو جسے ہدایت دے دی گئی، جس کو حفاظت عطا کی گئی اور جسے بچا لیا گیا۔

اللہ کی پناہ اور اس کی مدد مانگنے کے لیے یہ بہت عظیم ذکر ہے۔

اے اللہ کے بندو جب ایسا ذکر جس کا اللہ کے نزدیک اتنا عظیم و عالی مقام و مرتبہ ہو اور ہمیں اسے کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو تو بندے پر لازم ہے کہ رب سے مغفرت اور اجر و ثواب کی امید میں اس دعاء کا پابندی سے اہتمام کرے۔

(۱۳)

نِعْمَتَانِ مَعْبُودٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصَّحَّةَ وَالضَّرَاغَ

جان لو کہ انسان کا اصل مال وقت ہے اور وقت آبِ حیات ہے، وقت اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے جس سے وہ اپنے بندوں پر اپنا فضل فرماتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ [الفرقان: ۶۲]

ترجمہ: وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں (مگر یہ ساری باتیں) اس شخص کے لیے (کارآمد ہیں) جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجا لانا چاہتا ہو۔

وقت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ نے قرآن کریم کے اندر بہت ساری آیتوں میں اس کی قسم کھائی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝۱ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝۲﴾ [اللیل: ۱-۲]

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ اور دن کی جب اس کا اجالا پھیل جائے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا أَدْبَرَ ۝۳۳ وَالصُّبْحِ إِذَا أَصْفَرَ ۝۳۴﴾ [المدثر: ۳۳-۳۴]

ترجمہ: قسم ہے رات کی جب وہ منہ پھیر کر جانے لگے اور صبح کی جب اس کا اجالا پھیل جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَالضُّحَىٰ (۱) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ (۲)﴾ [الضحیٰ: ۱-۲]

ترجمہ: قسم ہے چڑھتے دن کی روشنی کی۔ اور رات کی جب اس کا اندھیرا بیٹھ جائے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَالْعَصْرِ (۱) إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ (۲)﴾ [العصر: ۱-۲]

ترجمہ: زمانے کی قسم، انسان درحقیقت بڑے گھائے میں ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی آیات ہیں جو وقت کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔

گزشتہ جوامع الکلم کے سلسلے کی ایک کڑی ہمارا آج کا موضوع ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ؛ الصَّحَّةُ وَالْفَرَاغُ»^(۱۳۳) ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سلسلے میں بہت سے لوگ دھوکے میں ہیں؛ یہ نعمتیں صحت اور فراغت ہیں۔

یہ دونوں بہت عظیم نعمتیں ہیں جس کا اگر اچھی طرح استعمال نہ کیا جائے تو انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور بڑے خسارے میں پڑ جاتا ہے، جب وہ اپنی صحت اور اپنے وقت سے فائدہ اٹھا نہیں پاتا۔ اس صحت کو اللہ کی طاعت میں لگاؤ اور

اس فارغت کو اللہ کی طاعت سے پُر کرو۔ مستدرک حاکم کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اعْتَنِمْ حَمْسًا قَبْلَ حَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، وَصِحَّتِكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفِرَاعَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتِكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»^(۱۳۵) ترجمہ: پانچ خمروں کو پانچ خمروں سے پہلے غنیمت جانو: جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو فقیری سے پہلے، فارغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

یہ جو فارغت ہے اسے اگر طاعتوں سے پُر نہیں کیا گیا تو وہ یقینی طور پر اس کے علاوہ دیگر ایسی چیزوں سے پُر ہو جائے گی جس سے اللہ کا تقرب حاصل نہیں ہوگا؛ اسی لیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: «إِنَّ لِلَّهِ حَقًّا بِاللَّيْلِ لَا يَقْبَلُهُ بِالنَّهَارِ، وَحَقًّا بِالنَّهَارِ لَا يَقْبَلُهُ بِاللَّيْلِ»^(۱۳۶) ترجمہ: بیشک رات کے وقت میں اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے وہ دن کو اسے قبول نہیں کرتا اور دن کے وقت میں اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے وہ رات کو اسے قبول نہیں کرتا۔ ہر وقت کے لئے اپنے اپنے حقوق و واجبات ہیں جس سے اس کو پُر کرنا چاہئے۔

اسی لیے جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ وہ نہ تو کوئی دنیوی کام کر رہا ہے اور نہ

(۱۳۵) مستدرک (۳۰۶/۳)۔

(۱۳۶) الزهد ابن مبارک (۱/۳۱۹، ۹۱۳)، المصنف ابن ابی شیبہ (۲۰/۵۸۵)، الزهد ابو داؤد (۲۸)۔

ہی اخروی کام کر رہا ہے، جب تم دیکھو کہ کوئی انسان بغیر کسی مقصد جی رہا ہے، جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ بغیر کسی سمت کے چل رہا ہے تو جان لو کہ وہ بلا مقصد زندگی گزار رہا ہے، حضرت عمر فرماتے ہیں: «إِنِّي أَكْرَهُ الرَّجُلَ أَنْ أَرَاهُ سَبَهْلًا؛ لَا فِي أَمْرِ الدُّنْيَا، وَلَا فِي أَمْرِ الْآخِرَةِ» ترجمہ: میں ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہوں جس کا کوئی مقصد ہی نہ ہو، نہ تو دنیوی اور نہ ہی اخروی۔ یہ خطرے کی بات ہے کہ یہ اوقات یوں ہی گزر جائیں اور ہم اس سے استفادہ نہ کر سکیں، ایسے کام نہ کر سکیں جن سے جنت کا قرب حاصل ہو اور جہنم سے دوری حاصل ہو۔

ہم وقت کو اہمیت چار اسباب کی وجہ سے دیتے ہیں

پہلا سبب

کیوں کہ وقت بہت تھوڑا ہے؛ ہماری زندگیاں ساٹھ سے ستر سال کے درمیان ہے، اور بہت ہی کم لوگ ہیں اس سے بڑھی عمر پاتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی ہے (۱۳۷) اور ان ساٹھ ستر سالوں کا اکثر حصہ طاعت کے بغیر ہی گزر جاتا ہے، کچھ حصہ تو بلوغت سے پہلے، کچھ دنیوی کاموں میں، کچھ کھانے پینے میں، کچھ گپ چپ کرنے میں اور باقی بچا تھوڑا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے پوچھے گا: ﴿قُلْ كَمْ لَيْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٣﴾ قَالُوا لَيْتَنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِينَ ﴿١١٤﴾ قُلْ إِنْ لَيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾ أَفَحَسِبْتُمْ

أَمَّا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ عَلَيْنَا لَا تَرْجِعُونَ ﴿١١٥﴾ [المؤمنون: ١١٥-١١٢]

ترجمہ (پھر) اللہ (ان دوزخیوں سے) فرمائے گا: تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے؟ وہ کہیں گے کہ: ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کم رہے ہوں گے۔ (ہمیں پوری طرح یاد نہیں) اس لیے جنہوں نے (وقت کی) گنتی کی ہو، ان سے پوچھ لیجئے۔ اللہ فرمائے گا: تم تھوڑی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔ کیا خوب ہوتا اگر یہ بات تم نے (اس وقت) سمجھ لی ہوتی، بھلا کیا تم یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ہم نے تمہیں یونہی بے مقصد پیدا کر دیا اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا؟

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ

ترجمہ: غرض، بہت ہی اونچی شان ہے اللہ کی جو صحیح معنی میں بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ﴾ [الروم: ٥٥]

ترجمہ: اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن مجرم لوگ قسم کھالیں گے کہ وہ (برزخ میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ اسی طرح (دنیا میں بھی) وہ اوندھے چلا کرتے تھے۔

ہم بات کر رہے ہیں کہ وقت بہت تھوڑا ہے، حسن بصری فرماتے ہیں: اے

ابن آدم تم کچھ ایام کا مجموعہ ہو یعنی ہماری حالت اس درخت جیسی ہے جس سے ایک ایک کر کے پتہ گرتا رہتا ہے، «یا ابن آدمَ إِنَّمَا أَنْتَ أَيَّامٌ مَجْمُوعَةٌ كَلَّمَا مَضَى يَوْمٌ مَضَى بَعْضُكَ»^(۱۳۸) ترجمہ: اے ابن آدم تم چند ایام کا مجموعہ ہو جب کوئی دن گزرتا ہے تو تمہارا کچھ حصہ گزر جاتا ہے۔ تو عقلمند وہی ہے جو اپنے اوقات سے فائدہ اٹھالے اور تاخیر اور ٹال مٹول نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ کل آنے دو پھر کر لیں گے بلکہ وہ ہر گزرتے وقت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

دوسرا سبب

اس لیے کہ جو وقت گزر گیا وہ واپس نہیں آنے والا ہے، گزشتہ کل کا واپس آنا ممکن نہیں اور جو دن گزر گیا اس کا واپس آنا ممکن نہیں ہے۔

حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: «مَا مِنْ يَوْمٍ يَنْشَقُّ فَجْرُهُ إِلَّا وَيُنَادِي يَقُولُ: يَا ابْنَ آدَمَ أَنَا خَلَقْتُ جَدِيدًا، وَعَلَى عَمَلِكَ شَهِيدًا، فَتَزَوَّدْ مِنِّي فَإِنِّي إِذَا مَضَيْتُ فَلَا أَعُودُ»^(۱۳۹) ترجمہ: جب صبح ہوتی ہے تو وہ نداء دیتی ہے: اے ابن آدم میں نئی مخلوق ہوں، اور تمہارے عمل پر گواہ ہوں، مجھ سے توشہ اختیار کر کیوں کہ جب میں گزر گئی تو واپس نہیں آؤں گی۔ یہ دن ہر صبح ہمیں پکار پکار کر کہتا ہے: میں نئی مخلوق ہوں، اور تمہارے عمل پر گواہ ہوں، مجھ سے توشہ اختیار کر کیوں کہ

(۱۳۸) جامع العلوم والحکم ۲/۳۸۲۔

(۱۳۹) الزهد ابن ابی الدینا (۲۲۳)۔

جب میں گزر گیا تو واپس نہیں آوں گا۔

کسی بلیغ انسان نے کیا ہی خوب کہا ہے: تین چیزیں جب چلی جائیں تو واپس نہیں آتی ہیں: وقت، حسن اور جوانی، یہ جب چلی جاتی ہیں تو ان کا واپس آنا ممکن نہیں۔

اسی لیے عقلمند وہی ہے جو اپنے دن کو بیکار نہ جانے دے، ہاں، جو اپنے دن کو بیکار جانے دیتا ہے بعض حکماء کے بقول: «مَنْ أَمْضَى يَوْمَهُ فِي غَيْرِ حَقِّ قَضَاءٍ، أَوْ فَرَضٍ أَدَّاهُ، أَوْ مَعْدٍ أَتَّلهُ، أَوْ حَمْدٍ حَصَّلَهُ، أَوْ خَيْرٍ أَسَّسَهُ، أَوْ عِلْمٍ اقْتَبَسَهُ، فَقَدَعَقَّ يَوْمَهُ وَظَلَمَ نَفْسَهُ»^(۱۵۰) ترجمہ: جو شخص اپنے دن کو کسی حق کو ادا کئے بغیر، فرض ادا کیے بغیر، شرافت حاصل کیے بغیر، تعریف حاصل کیے بغیر، کسی خیر کی بنیاد ڈالے بغیر یا علم کا اقتباس کیے بغیر گزار دے تو اس نے اپنے دن کو بیکار کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا۔

تیسرا سبب

تھوڑا وقت بھی اللہ کے نزدیک بہت ہے، ایک سیکنڈ اللہ کے نزدیک عظیم ہے جس سے میزان تبدیل ہو جاتے ہیں، درجات بلند ہو جاتے ہیں اور گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، ہاں ایک ہی سیکنڈ میں، لیکن ہم نے کتنے سیکنڈ برباد کئے، بلکہ کتنے دن اور ماہ و سال برباد کر دیئے

اے اللہ کے بندو غور کرو۔ بندہ ایک سینکڑ میں توبہ کر لیتا ہے۔ جب وہ توبہ کرتا ہے تو اسے توبہ کے لیے ایک لمحہ درکار ہوتا ہے، لیکن جب توبہ کرتا ہے تو اس کا میزان تبدیل ہو جاتا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٠﴾﴾ [الفرقان: ۷۰-۶۸]

ترجمہ: اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور جس جان کو اللہ نے حرمت بخشی ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں، اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھا کر دگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ ہاں مگر جو کوئی توبہ کر لے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ وہ ایک لمحے میں توبہ کرتا ہے اور جب اللہ اس کی توبہ سچی دیکھتا ہے تو اللہ اس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔

بخاری میں اسی آیت کے ذیل میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک شخص لوہے کی زرہ پہن کر آیا جبکہ جنگ شروع ہونے کو تھی اور

رسول اللہ ﷺ اس جنگ کی قیادت کر رہے تھے، وہ شخص غیر اللہ کی عبادت کرنے والا بتوں کا پرستار تھا، اس نے نبی ﷺ سے آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میں قتال کروں یا اسلام لاؤں؟ یعنی پہلے کیا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: پہلے اسلام لا اور پھر قتال کر، تو اس نے اسلام قبول کیا اور قتال شروع کر دیا اور شہید ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «عَمِلَ قَلِيلًا وَأَجِرَ كَثِيرًا» ترجمہ: اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا اس نے اللہ کے لیے ایک بھی سجدہ نہیں کیا، اسلام لایا، قتال کیا اور شہید ہو گیا، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «عَمِلَ قَلِيلًا وَأَجِرَ كَثِيرًا»^(۱۵۱) ترجمہ: اس نے عمل تھوڑا کیا اور اجر زیادہ پایا۔

تھوڑا سا وقت اللہ کے نزدیک بہت ہوتا ہے، سوچو ہم نے کتنا وقت ضائع کر دیا، مسند احمد میں نبی ﷺ کا ارشاد منقول ہے: «مَنْ قَرَأَ: (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) حَتَّى يَخْتِمَهَا عَشْرَ مَرَّاتٍ بَنَى اللَّهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ» ترجمہ: جو سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھے تو اللہ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ ہمیں افسوس کرنا چاہئے کہ صبح سے اب تک کتنا وقت ہم نے ضائع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول اگر ہم زیادہ پڑھیں تو، آپ نے فرمایا: «اللَّهُ أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ»^(۱۵۲) ترجمہ: اللہ زیادہ پسند کرتا ہے، تم اسے بیس مرتبہ پڑھو گے تو دو محل ہوں گے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد

(۱۵۱) بخاری (۲۸۰۸)، و مسلم (۱۹۰۰)۔

(۱۵۲) مسند احمد (۳/۲۳۷)۔

فرمایا: «مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِثْمَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ»^(۱۵۳) ترجمہ: جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار کہے تو یہ ننانوے کلمے ہوں گے اور پورے ۱۰۰ یوں کرے کہ ایک بار یوں پڑھے «لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدير» یعنی «اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی سلطنت ہے اور اسی کے لئے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے» تو اس کے گناہ بخشتے جاتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر (یعنی بے حد) ہوں۔ تو تھوڑا سا وقت بھی اللہ کے نزدیک بہت ہوتا ہے۔

چوتھا سبب

وقت بہت جلدی ختم ہونے والی چیز ہے، اور خاص کر اس زمانے میں سال مہینے کی طرح اور مہینے ہفتوں کی طرح اور ہفتے دن کی طرح اور دن لکڑی کے جلنے کی طرح گزر رہے ہیں، دن بہت جلد گزر جاتا ہے، عقل مند وہی ہے جو اپنے ان لمحات سے فائدہ اٹھالے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَسُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ﴾ [یونس: ۴۵]

ترجمہ: اور جس دن اللہ ان کو (میدانِ حشر میں) اکٹھا کرے گا، تو انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، (اس لیے) وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔

ارشاد باری ہے: ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَسُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ﴾

[الأحقاف: ۳۵]

ترجمہ: جس دن یہ لوگ وہ چیز دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے اس دن (انہیں) یوں محسوس ہوگا جیسے وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔

سورہ نازعات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَسُوا إِلَّا

عَشِيرَةً أَوْ صُحْبًا﴾ [النازعات: ۴۶]

ترجمہ: اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ (دنیا میں یا قبر میں) ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ نہیں رہے۔

نفع میں وہی عقلمند شخص ہے جو اپنے وقت سے استفادہ کر لے اور وہ شخص گھائے میں ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے وقت سے استفادہ نہیں کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ نے سچ ہی کہا ہے: «نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ؛ الصَّحَّةُ وَالْفَرَاغُ» ترجمہ: دو نعمتیں ایسی ہیں جس کے سلسلے میں اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں؛ صحت اور فارغت۔

(۱۴)

أَوَّلُ صَلَاحِ هَذِهِ الْأُمَّةِ بِالْيَقِينِ

اے لوگو! یقین نیکو کاروں کا زاد راہ ہے، متقین صوفیاء کے نزدیک خرچ کرنے، کسی کو دینے اور کچھ قربان کرنے کے لیے یقین ہی ذریعہ بنتا ہے، یقین ایک راز ہے جو نیکو کاروں کے دلوں میں عطا کی چنگاری بھڑکاتا ہے، یقین وسوسہ، ظن اور شک کا علاج ہے، یقین ہی ایمان ہے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔^(۱۵۴) یقین ہی وہ علم تام ہے جس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، یہی عمل کی طرف داعی ہے جیسا کہ سعدی نے کہا۔^(۱۵۵)

یقین کے متعلق احمد بن عاصم انطاکی کہتے ہیں: «يَسِيرُ الْيَقِينِ يُخْرِجُ كُلَّ الشَّكِّ مِنَ الْقَلْبِ، وَيَسِيرُ الشَّكِّ يُخْرِجُ الْيَقِينَ كُلَّهُ مِنَ الْقَلْبِ»^(۱۵۶) ترجمہ: تھوڑا سا یقین ہر طرح کا شک دل سے نکال دیتا ہے اور تھوڑا سا شک ہر طرح کا یقین دل سے نکال دیتا ہے۔

یقین کے متعلق حسن فرماتے ہیں: «بِالْيَقِينِ طَلِبَتِ الْجَنَّةِ، وَبِالْيَقِينِ هُرِبَ

^(۱۵۴) بخاری (۱۰/۱)، السنۃ عبد اللہ بن احمد (۸۱۷)، طبرانی (۱۰۴/۹)، حاکم (۴۴۶/۲)، الشعب بیہقی (۴۷)۔

^(۱۵۵) تفسیر سعدی (ص: ۴۰)۔

^(۱۵۶) الزهد الکبیر بیہقی (۹۷۹)۔

مَنْ النَّارِ، وَبِالْيَقِينِ أُدِّيَتِ الْفَرَائِضُ، وَبِالْيَقِينِ صُبِرَ عَلَى الْحَقِّ» (۱۵۷) ترجمہ: یقین سے ہی جنت طلب کی جاتی ہے، جہنم سے دور بھاگا جاتا ہے، فرائض ادا کیے جاتے ہیں اور یقین سے ہی حق پر صبر کیا جاتا ہے۔

یقین ایک دلی عبادت ہے، اور عبادتوں میں عظیم عبادت ہے، اس کا ایک خصوصی عمل اور اس کا خصوصی وظیفہ اور اثر ہے اور اس پر فضیلت بھی ملتی ہے۔ جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کے ضمن میں ہمارا آج کا موضوع یقین ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «أَوَّلُ صَلَاحِ هَذِهِ الْأُمَّةِ بِالْيَقِينِ وَالزُّهْدِ، وَأَوَّلُ فَسَادِهَا بِالْبُخْلِ وَالْأَمَلِ» (۱۵۸) ترجمہ: اس امت کی سب سے پہلی اصلاح یقین اور زہد سے ہے اور اس امت کا سب سے پہلا فساد بخل اور مایوسی سے ہے۔ یقین وہی جو عمل سے مربوط ہو، کیوں کہ یقین بلا عمل نفع نہیں پہنچاتا۔ ارشاد باری ہے: ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ وہ نیک لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں، ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ﴿وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ اور وہی ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں [النمل: ۳]۔ تو وہ یقین جس کے ساتھ عمل بھی ہو وہی جنت نعیم کا حقدار بناتا ہے۔

حیات نامی ایک بزرگ گزرے ہیں، ان کے پاس ہر سال ہدیہ میں کچھ مال آیا

(۱۵۷) الزهد والرفیق ابن مبارک (۱/۱۹۶، رقم ۵۵۸)، الزهد احمد (۱۶۱۷)، الیقین ابن ابی الدینا (۱۳)۔

(۱۵۸) الزهد احمد (۵۲)، الیقین ابن ابی الدینا (۳)، الأوسط طبرانی (۷۶۵۰)، الشعب بیہقی (۱۰۳۵۰)۔

کرتا تھا، تو وہ اس مال میں سے ساٹھ دینار لیتے، اور گھر پہنچنے سے پہلے پورا صدقہ کر دیتے، جب گھر پہنچتے، اور تکیہ پر اپنا سر رکھتے، تو تکیہ کے نیچے سے صدقہ کی مقدار سے زیادہ مال پاتے تھے، کیوں کہ انہوں نے ارشاد باری پر یقین کرتے ہوئے صدقہ کیا تھا: ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ﴾ [سبأ: ۳۹]

ترجمہ: اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ یہ بات ان کے چچا زاد بھائی نے سنی، تو انہوں نے بھی ایسے ہی کیا اور سارا کچھ خرچ کر دیا، جب گھر آئے اور اپنے تکیہ اور بستر کے نیچے تلاش کیا تو اس کے نیچے کچھ نہ ملا۔ وہ حیات کے پاس آئے اور کہا کہ جیسے آپ کرتے ہیں ویسے ہی میں نے بھی کیا مگر مجھے کچھ نہ ملا، تو انہوں نے کہا: اے میرے چچا زاد بھائی، میں نے اپنے اللہ کی راہ میں یقین کے ساتھ دیا اور تم نے تجربہ کرنے کے لیے دیا (۱۵۹)۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یقین اور تجربہ برابر نہیں ہوتے۔

تَوَكَّلْتُ فِي رِزْقِي عَلَى اللَّهِ خَالِقِي
وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقِي فَلَيْسَ يَمُوتُنِي
سَيَاتِي بِهِ اللَّهُ الْعَظِيمُ بِفَضْلِهِ
فَفِي أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً
وَأَيَقَنْتُ أَنَّ اللَّهَ لَا شَكَّ رَازِقِي
وَلَوْ كَانَ فِي قَاعِ الْبَحَارِ الْعَوَامِقِ
وَأِنلَمْ يَكُنْ مِنِّي اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
وَقَدْ قَسَمَ الرَّحْمَنُ رِزْقَ الْخَلَائِقِ (۱۶۰)

(۱۵۹) يسر أعلام النبلاء (۶/۴۰۵)۔

(۱۶۰) دیوان شافعی (ص: ۸۴)۔

ترجمہ: میں اپنے رزق کے سلسلے میں اپنے خالق اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ ہی میرا رازق ہے۔ اگر میرا رزق ہے تو وہ مجھے مل کر رہے گا چاہے وہ گہرے سمندر کی تہہ میں ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے وہ مجھے عطا کر دے گا چاہے میری زبان اسے مانگ نہ رہی ہو۔ کسی چیز کے تعلق سے نفس کو حسرت نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ رحمن نے مخلوق کے رزق کو اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

یقین ہو کہ تم اللہ کو اچھی طرح جانتے ہو اور اس کی باتوں پر یقین ہو اور ان باتوں پر جو مجھے اس کے بارے میں بتائی گئی ہیں۔

یقین بھی تمام عبادتوں کی طرح ایک عبادت ہے، اس کے بہت سے فضائل و فوائد اور اثرات ہیں جو اس کے کرنے پر ملتے ہیں۔

یقین کے فضائل و فوائد

پہلا فائدہ:

جس کا یقین حقیقی ہے اس کا ایمان مضبوط ہے، یقین ایمانی قوت کی دلیل ہے۔ اس انوکھی حدیث میں غور کرو جسے متعدد محدثین نے روایت کیا، اگرچہ اس میں کچھ قیل و قال ہے مگر البانی نے اپنی آخری عمر میں اس کی تحسین کی ہے،^(۱۶۱) حدیث یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا: «أَيُّ الْخَلْقِ

(۱۶۱) السلسلہ الصحیحہ (۳۲۱۵)، علامہ البانی نے شیخ محمد حسن کے قول کی طرف رجوع کر لیا (۹۱)۔

أَعْجَبُ إِيْمَانًا؟» ترجمہ: کون سی مخلوق کا ایمان زیادہ عجیب اور بہتر ہے، صحابہ نے کہا: فرشتے۔ یعنی ایمان کے اعتبار سے مخلوق میں زیادہ تعجب میں ڈالنے والے فرشتے ہیں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟!» ترجمہ: انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ وہ اپنے رب کے پاس ہیں، یعنی جواب صحیح نہیں ہے۔ تو صحابہ نے کہا: پھر تو نبیوں کی جماعت ہے۔ تو آپ نے فرمایا: «وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ؟!» ترجمہ: انہیں کیا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تو انہوں نے کہا: ہم لوگ یعنی صحابہ کی جماعت، تو آپ نے ارشاد فرمایا: «وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَعْظَمِكُمْ، أَلَا إِنَّ أَعْجَبَ الْخَلْقِ إِيْمَانًا قَوْمٌ يَكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَحْدُونَ صُحُفًا فِيهَا كِتَابٌ، فَيُؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا»^(۱۲) ترجمہ: تمہیں کیا ہے کہ تم ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے سامنے ہوں، سنو ایمان کے اعتبار سے سب سے تعجب میں ڈالنے والی مخلوق وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے، انہیں قرآن ملے گا جو کچھ اس میں ہے وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔

یہ لوگ ایمان کے اعتبار سے سب سے عجیب ہوں گے، انہیں صرف قرآن ملے گا، نہ انہوں نے اپنے رب کو دیکھا اور نہ ہی اپنے رسول کو دیکھا، انہوں نے صرف قرآن دیکھا اور اس قرآن میں شریعت دیکھ کر وہ اس شریعت پر ایمان

لے آئیں گے، اسی قرآن میں لکھا ہوا ہے: ﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾

[البقرة: ۲۷۵]

ترجمہ: حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ تو سود کو چھوڑ دیں گے۔

اس قرآن میں لکھا ہوا ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ﴾ [الإسراء: ۳۲]

ترجمہ: اور زنا کے پاس بھی نہ پھلو۔ اس لیے انہوں نے زنا چھوڑ دیں گے۔

اس صحیفہ میں لکھا ہوا تھا: ﴿وَلَا يَغْتَبَ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ [الحجرات: ۱۲]

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔ اس لیے انہوں نے غیبت چھوڑ

دیں گے۔

انہوں نے صحیفہ میں دیکھا: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ [البقرة: ۴۳]

ترجمہ: نماز قائم کرو۔ اس لیے وہ نماز قائم کریں گے۔

ان کے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے نہیں سنا، ان کے ہاتھوں میں یہ قرآن ہوگا جس میں انہوں نے پڑھا ہوگا اور اسے سچا جان کر یقین کر لیں گے، اس پر ایمان لے آئیں گے، اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کریں گے۔

دوسرا فائدہ یقین افضل اعمال کرنے کی طرف راہنمائی کرتا ہے، نساء کی

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟

تو آپ نے ارشاد فرمایا: «إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ، وَجِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِيهِ، وَحَجَّةٌ مَّبْرُورَةٌ»^(۱۳۳) ترجمہ: ایسا ایمان جس میں کوئی شک نہ ہو، ایسا جہاد جس میں کوئی کینہ نہ ہو اور حج مبرور۔

اسی لیے مزاح کرتے ہوئے بھی یہ کہنا کہ بخدا ہمیں نہیں معلوم کہ ہم صحیح ہیں یا غلط، یہ بہت بڑی غلط بات ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: بخدا، ہمیں نہیں معلوم ہم حق پر ہیں یا وہ فلاں جماعت حق پر ہے۔ ایسے کہنے والے شخص کا اپنے عقائد پر کامل یقین نہیں ہے، اور اسے اپنے ایمان پر پورا یقین نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيهِ» ترجمہ: افضل اعمال ایسا ایمان ہے جس میں کوئی شک نہ ہو۔ یعنی مضبوط پہاڑ سے بھی زیادہ قوی اس کا یقین ہو۔

تیسرا فائدہ

جس شخص کو یقین کی دولت پوری حاصل ہوگئی ہو، تو گویا اسے عزت و شرافت، سرداری اور زمین میں سلطنت مل گئی، مجھے یہ بات اس قرآن میں ملی، میں نے یہ بات اللہ کی کتاب میں پائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَمَةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ [السجدة: ۲۴]

ترجمہ: اور ہم نے ان میں سے کچھ لوگوں کو، جب انہوں نے صبر کیا، ایسے پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

چوتھا فائدہ

یقین دعاء کی قبولیت کا سبب ہے، جب دعاء یقین کے ساتھ مانگی جائے تو وہ قبول ہوگی، دعاء اس یقین کے ساتھ کرو کہ اپنی مُراد مل ہی کر رہے گی۔ بعض بزرگ جب دعاء کرتے تو اس یقین سے دعاء کرتے تھے کہ یہ کام یقینی طور پر بن ہی جائے گا۔

ترمذی کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ» ترجمہ: اللہ سے قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے دعاء کرو۔ تمہیں یقین ہو، تجربہ کے لیے دعاء نہ کرو بلکہ یقین کے ساتھ کرو، «وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَ مَنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَّاهٍ»^(۱۶۳) ترجمہ: جان لو کہ اللہ غافل دل کی دعاء قبول نہیں کرتا ہے۔

پانچواں فائدہ

صبر اور ثواب کی امید، جس کا دل یقین سے بھرا ہوا ہو، تم اسے صبر اور ثواب کی امید کرنے والا پاؤ گے، کیوں کہ اسے اس بلاء اور مصیبت پر ملنے والے اجر

کا یقین ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ، وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [التغابن: ۱۱]

ترجمہ: کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی، اور جو کوئی اللہ پر ایمان لاتا ہے (یقین کرتا ہے) وہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

جتنا زیادہ دل میں یقین ہوگا اتنا ہی زیادہ کی خوش بختی دل میں پناہ گزین ہوگی۔

چھٹا فائدہ

اس فائدہ پر غور کرو۔ جس شخص کا دنیا میں یقین مضبوط ہوگا قبر میں اسے اچھا جواب دینے کی توفیق ہوگی۔ اے اللہ اہل قبور پر ان کی قبریں کشادہ کر دے۔ چنانچہ جب بندہ قبر میں اتارا جاتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، اس سے ایک ہی قسم کے سوالات پوچھے جاتے ہیں، لیکن جواب مختلف ہوتا ہے۔ صاحب یقین کا جواب شک کرنے والے سے مختلف ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں تمہاری قبروں میں مسیح دجال جیسے فتنے یا اس کے قریب تر فتنے سے آزمایا جائے گا، یعنی تم سے پوچھا جائے گا: «مَا عَلِمَكَ بِهَذَا الرَّجُلِ؟» ترجمہ: اس شخص یعنی ہمارے نبی ﷺ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ «فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ الْمُؤَقِنُ فَيَقُولُ:

هُوَ رَسُولُ اللَّهِ جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى فَاٰمَنَّا بِهِ، فَيَقَالُ لَهُ: نَمَّ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتُمْ وُفِيًا بِهِ، نَعْلَمُ جَوَابَكَ «وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ فَيَقُولُ: لَا أَدْرِي، لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ»^(۱۶۵) ترجمہ: تو جو کامل یقین رکھنے والا مومن بندہ ہو گا وہ جواب دے گا: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں جو ہمارے پاس واضح نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے، اور ہم ان پر ایمان لے آئے، تو اس سے کہا جائے گا: تم اطمینان کی نیند سو جاؤ، ہمیں پتا چل گیا ہے کہ تم ان پر ایمان رکھتے ہو۔ جو منافق اور شکئی ہوں گے ان سے سوال کیا جائے گا تو وہ جواب دیں گے: مجھے معلوم نہیں، مجھے علم نہیں، میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا میں بھی اسی کا قائل ہو گیا، یعنی بخدا مجھے معلوم نہیں، میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا، میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا، حالانکہ مجھے یقین نہیں تھا، میں اپنی زبان سے اسے دہراتا تھا مگر میرے دل میں اس کا یقین نہیں بیٹھا تھا، لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں بھی قائل ہو گیا۔ تو دنیا میں جس کا یقین مضبوط ہو گیا قبر میں اسے اچھے جواب کی توفیق ہوگی۔

ساتواں فائدہ

کامل یقین رکھنے والے ہی جنت والے ہیں، امام مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جب نبی ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو فرمایا: «فَمَنْ لَقِيَتْ مِنْ

وَرَاءَ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيَقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشَّرَهُ بِالْجَنَّةِ» (۱۶۶)

ترجمہ: اس دیوار کے پیچھے جس سے تم ملو اور دیکھو کہ وہ دل میں کامل یقین رکھتے ہوئے اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو اسے جنت کی بشارت دے دو۔ جو لا الہ الا اللہ والے ہیں وہ اسے یقین کے ساتھ بار بار دہراتے ہیں، اور لا الہ الا اللہ کی سات شرطوں میں ایک شرط یقین ہے، جسے تم دیکھو کہ وہ یقین کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتا ہے اسے جنت کی بشارت دے دو، ہاں یہی یقین ہے یہ دل کی عظیم عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اللہ مجھے اور آپ تمام کو اس کی توفیق دے۔

(۱۵)

إِنَّ الرِّزْقَ لِيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ

رزق اہم مسائل میں سے ایک ہے، جس کی وجہ سے انسان بہت پریشان رہتا ہے، بہت فکر مند رہتا ہے، اس کے لیے کوششیں کرتا ہے اور اچھا خاصہ وقت اس میں صرف کرتا ہے، رزق کا مسئلہ انسان کے لیے بہت اہم مسئلہ ہے، صرف انسان کے لیے بلکہ تمام مخلوق کے لیے بہت اہم مسئلہ ہے۔ انسانی معاشرے میں جن مسائل کو سب سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے، ان میں سب سے پہلا مسئلہ روزی روٹی کا ہے، اگرچہ اس کی صورتیں اور طریقے الگ الگ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی تو بعض لوگ روزی روٹی کیلئے حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، کبھی چوری کر لیتے ہیں، تو کبھی دوسروں کو مارنے کی کوشش کرتے ہیں، یا کبھی اسی رزق کی وجہ سے حرام کے مرتکب بھی ہو جاتے ہیں، اور کبھی یہی رزق انسان کو اپنی خلقت کے مقصد ہی سے دور کر دیتا ہے۔

جس رزق کی تم تلاش میں ہو وہ تو آسمان میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اسی لیے ارشاد باری ہے: ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ

لَحَقُّ مِّثْلَ مَا أَنْتُمْ نَسْفُتُونَ ﴿۲۳﴾ [الذاریات: ۲۲-۲۳]

ترجمہ: اور آسمان ہی میں تمہارا رزق بھی ہے اور وہ چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ لہذا آسمان اور زمین کے پروردگار کی قسم! یہ بات یقیناً ایسے ہی

سچی ہے جیسے یہ بات کہ تم بولتے ہو۔

تمام انواع و اقسام کا رزق اسی کے پاس ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وَاِنَّ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُہٗۙ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ [الحجر: ۲۱]

ترجمہ: اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں، مگر ہم اس کو ایک معین مقدار میں اتارتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: اے ابن آدم، تم میری عبادت کے لیے اپنے وقت کو فارغ کرو، اور میں تمہاری روزی روٹی کا ذمہ دار بن جاتا ہوں، ﴿وَمَا حَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَۙ﴾ (۵۶) مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَمَا اُرِيْدُ اَنْ يُطِيعُوْنَ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزّٰقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾ [الذاریات: ۵۶-۵۸]

ترجمہ: میں نے جنات اور انسانوں کو کے لیے پیدا نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے کسی قسم کا رزق نہیں چاہتا، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تو خود ہی رزاق ہے، مستحکم قوت والا۔

وہ صرف انسان کو ہی رزق نہیں بلکہ تمام مخلوقات کو رزق مہیا کرتا ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَكَآئِن مِّنْ دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْۗ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۶۷﴾ ترجمہ: اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق۔ اللہ ہی رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور

وہ سب باتیں سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

جسے چاہتا ہے جب چاہتا ہے رزق دیتا ہے، ارشاد فرمایا: (۱) ﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ

الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (سبأ: ۳۶)

ترجمہ: کہہ دو کہ: میرا پروردگار! جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے، لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔

اسی لیے آج ہمارا موضوع جوامع الکلم کے سلسلے کی وہ حدیث ہے جس کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں، کیوں کہ اکثر لوگوں کو رزق کے متعلق اس مسئلہ کا پتہ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّ الرِّزْقَ لِيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ» ترجمہ: رزق بندہ کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اسے تلاش کرتی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (۱۶۸)۔

وہ رزق جس کے پیچھے ہم بھاگ رہے رہیں وہ ہمیں ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے ہماری موت ہمیں تلاش کرتی ہے، «إِنَّ الرِّزْقَ لِيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ» ترجمہ: بیشک رزق بندہ کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔ جس طرح ہماری موت کے وقت ٹھہر جانے والی یہ گھڑیاں ہمیں

(۱۶۸) مند بزار (۱۰/۳۷۱، رقم ۴۰۹۹)، صحیح ابن حبان (۳۲۳۸)، شعب الایمان (۱۱۴۷)۔

تلاش کرتی ہیں اسی طرح رزق ہمیں تلاش کرتا ہے، سانس اس وقت تک نہیں رکے گی جب تک کہ اللہ کے پاس ہمارا کچھ بھی رزق باقی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ رزق اہم مسائل میں سے ہے، رزق کا باب بہت عظیم ہے، اللہ تعالیٰ نے رزق کی بہت سی کنجیاں بنائی ہیں، انہیں ہم مختصراً بیان کرتے ہیں:

پہلی کنجی:

طاعت کی کنجی، طاعت کی وجہ سے رزق آتا ہے، مدارج السالکین میں ابن قیم جبر امت اور ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: «إِنَّ لِلْحَسَنَةِ» أي: لِلطَّاعَةِ «نُورًا فِي الْقَلْبِ، وَضِيَاءً فِي الْوَجْهِ، وَقُوَّةً فِي الْبَدَنِ، وَزِيَادَةً فِي الرِّزْقِ، وَمَحَبَّةً فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ، وَإِنَّ لِلْسَيِّئَةِ سَوَادًا فِي الْوَجْهِ، وَظُلْمَةً فِي الْقَلْبِ، وَوَهْنًا فِي الْبَدَنِ، وَنَقْصًا فِي الرِّزْقِ، وَبُغْضًا فِي قُلُوبِ الْخَلْقِ»^(۱۶۹) ترجمہ: نیکی یعنی طاعت کی وجہ سے دل میں نور، چہرہ پر چمک، بدن میں قوت، رزق میں زیادتی اور مخلوق کے دلوں میں محبت ہوتی ہے اور برائی کی وجہ سے چہرہ میں سیاہی، دل میں اندھیرا، بدن میں کمزوری، رزق میں کمی اور مخلوق کے دلوں میں بغض ہوتا ہے۔

نیکیاں اور اطاعت رزق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، ارشاد باری

ہے: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا نَحْنُ نَزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى﴾ [طہ: ۱۳۲]

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ رزق کا دروازی کھولنے والا سب سے بڑا سبب اطاعت و نیکی نماز اور اس کی پابندی ہے، چاہے وہ فرض ہو یا نفل ہو، ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا تَسْأَلْكَ رِزْقًا نَحْنُ نَزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى﴾ [طہ: ۱۳۲]

ترجمہ: اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں چاہتے۔ رزق تو ہم تمہیں دیتے ہیں اور بہتر انجام تقویٰ ہی کا ہے۔ اطاعت رزق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کی عظیم کنجیوں میں سے ایک کنجی ہے۔

دوسری کنجی:

دوسری کنجی عطیہ ہے، جب تم کسی کو دو گے تو تمہیں بھی دیا جائے گا، جب تم خرچ کرو گے تو تم پر خرچ کیا جائے گا، اور جب تم اپنے ہاتھوں کو دراز کرو گے تو تمہارے لیے بھی عطیات کے ہاتھ بڑھائے جائیں گے، چاہے وہ چیز تھوڑی ہو یا زیادہ، عظیم ہو یا حقیر، ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٣٩﴾ [سبأ: ٣٩] ترجمہ: کہہ دو کہ: میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کی فراوانی کر دیتا ہے، اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگی کر دیتا ہے۔ اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو وہ اس کی جگہ اور چیز دے دیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

حدیث قدسی میں میرا پروردگار فرماتا ہے: «أَنْفَقْ يَا ابْنَ آدَمَ أَنْفَقْ عَلَيْكَ»^(۱۷۰) ترجمہ: اے ابن آدم خرچ کر تم پر خرچ کیا جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلْفًا. وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللَّهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلْفًا»^(۱۷۱) ترجمہ: کوئی دن ایسا نہیں جس میں لوگ صبح اٹھیں مگر دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! (اپنی راہ میں) مال خرچ کرنے والے کو (اس مال کا) نعم البدل عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! مال کو روک کر رکھنے والے (بخیل) کو (مال کی) بربادی عطا فرما۔
تیسری کنجی:

دوسری کنجی اللہ پر حسن توکل ہے، آیات طلاق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ ﴿٢﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۗ

(۱۷۰) بخاری (۵۳۵۲)۔

(۱۷۱) بخاری (۱۳۳۲)، و مسلم (۱۰۱۰)۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ^ع إِنَّ اللَّهَ بَلِغُ أَمْرِهِ^ع قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿[الطلاق: ۲-۳] ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے، تو اللہ اس (کا کام بنانے) کے لیے کافی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ (البتہ) اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

﴿فَهُوَ حَسْبُهُ^ع﴾ یعنی اللہ کی ذات اس کے لئے کافی ہے، چنانچہ آپ کو درپیش ہر غم اور تکلیف سے نجات کا راستہ اللہ کی ذات کی طرف سے پیدا کر دیا جائے گا۔

اسی لیے خلیفہ راشد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «لَوْ أَنَّكُمْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللَّهِ حَقًّا تَوَكَّلْتُمْ لَرَزَقْتُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ، تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا»^(۱۷۲) ترجمہ: اگر تم اللہ پر ایسے توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے رزق دے گا جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے، وہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔

تَوَكَّلْتُ فِي رِزْقِي عَلَى اللَّهِ خَالِقِي
وَمَا يَكُ مِنْ رِزْقٍ فَلَيْسَ يَفُوتُنِي
وَأَيَقَنْتُ أَنَّ اللَّهَ لَا شَكَّ رَازِقِي
وَلَوْ كَانَ فِي قَاعِ الْبِحَارِ الْعَوَامِقِ

سَيَأْتِي بِهِ اللَّهُ الْعَظِيمُ بِفَضْلِهِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مِنِّي اللِّسَانُ بِنَاطِقِ
فَفِي أَيِّ شَيْءٍ تَذْهَبُ النَّفْسُ حَسْرَةً وَقَدْ قَسَمَ الرَّحْمَنُ رِزْقَ الْخَلَائِقِ (۱۷۳)

ترجمہ: اپنے رزق کے سلسلے میں میں اپنے پیدا کرنے والے اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ بیشک اللہ ہی میرا رازق ہے۔ کوئی رزق مجھ سے چھوٹ کر نہیں جانے والا اگرچہ گہرے سمندروں کی تہہ میں ہو۔ عنقریب اللہ اپنے فضل سے وہ مجھے عطا کر دے گا چاہے میری زبان اسے نہ مانگ رہی ہو۔ کسی چیز کے متعلق پریشان ہونے کی کیا ضرورت جبکہ رحمن نے مخلوق کے رزق کی قسم کھائی ہے۔

چوتھی کنجی:

استغفار رزق کی چوتھی کنجی ہے، کثرت سے استغفار کرو پھر دیکھو تمہارے لیے کسے رزق کے دروازے کھلتے ہیں، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تجربہ کر کے دیکھ لو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دل میں یقین ہو اور زبان پر استغفر اللہ استغفر اللہ جاری ہو، خدا کی قسم کوئی بندہ استغفار نہیں کرتا مگر اس کے لیے رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اسی لیے ارشاد باری ہے: ﴿وَيَقَوْمٌ أَسْتَعْفِرُوا رَبَّهُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا الْجَحْرِمَ﴾ ﴿۵۲﴾ [ہود: ۵۲]

ترجمہ: اے میری قوم! اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارشیں برسائے گا، اور تمہاری

موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مجرم بن کر منہ نہ موڑو۔

ایک شخص حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قحط سالی کی شکایت لے کر آیا، اور کہنے لگا کہ آسمان نے اپنا پانی روک لیا، زمین کا پانی سوکھ گیا، چھاتیاں خشک ہو گئیں، اور کھیتیاں برباد ہو گئیں، حضرت حسن نے اس سے کہا: استغفار کیا کرو، دوسرا شخص تنگدستی کی شکایت لے کر آیا تو حضرت حسن نے اس سے بھی کہا: استغفار کیا کرو، ایک تیسرا شخص نسل کی کمی کی شکایت لے کر آیا تو اس سے بھی کہا کہ استغفار کیا کرو، چوتھا شخص کھیتی کی قلت کی شکایت لے کر آیا تو اس سے کہا کہ استغفار کیا کرو، ابھی چوتھا شخص کھڑا ہی تھا کہ ان کے پاس موجود ایک شخص نے کہا کہ سبھی لوگوں نے اپنی ضروریات کی شکایت کی اور آپ نے انہیں بس ایک ہی حکم دیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہ ہو جب کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾﴾ [نوح: ۱۰-۱۲]

(۱۴۴) ترجمہ: چنانچہ میں نے کہا کہ: اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔ اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا، اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کر دے گا۔

پانچویں کنجی:

کمزوروں، ضرور تمندوں اور مسکینوں کی کفالت: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «هَلْ تُنْصِرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضِعْفَائِكُمْ»^(۱۷۵) ترجمہ: کمزوروں کی وجہ سے ہی تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

دور نبوی میں دو بھائی تھے، ایک بھائی کھیتی کرتا اور دوسرا نبی اکرم کے پاس علم حاصل کرنے آتا، دن گزرتے گئے، ایک کسان بھائی نبی ﷺ کے پاس شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ، میں کھیتی باڑی کرتا ہوں اور اسی میں لگا رہتا ہوں، جب کہ یہ آپ کے پاس علم کے حصول کے لیے آتا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: «لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهِ»^(۱۷۶) ترجمہ: شاید تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جا رہا ہے۔

اے لوگو! جب تم اپنے بھائی کی مدد کر کے انہیں تعلیم دیتے ہو تو تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے، جس وقت تم کسی یتیم کی کفالت کر کے اس کی مدد کرتے تو تمہیں اسی کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے، اس میں بے روزگاری کی دعوت نہیں ہے، کیوں کہ یہ جو علم حاصل کر رہا ہے وہ اس لیے حاصل کر رہا ہے تاکہ وہ امت کو نفع پہنچائے، یہ نفع متعدی ہے، جس کے ذریعہ آگے آنے والی امت استفادہ کرتی رہے گی۔

(۱۷۵) بخاری (۲۸۹۶)۔

(۱۷۶) ترمذی (۲۳۳۵)۔

چھٹی کنجی :

چھٹی کنجی دعاء ہے، جب ہمارا رزق اللہ کے دست قدرت میں ہے تو ہمیں آسمان کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہئے اور اکتانا نہیں چاہئے بلکہ یہ کہنا چاہئے: اے اللہ، اے اللہ۔ نبی کریم ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعاء کرتے: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ، وَالْقِلَّةِ، وَالذَّلَّةِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَظْلِمَ، أَوْ أُظْلَمَ»^(۱۷۷) ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں فقر سے، قلت سے اور ذلت سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ فقر سے پناہ مانگتے تھے، ایک شخص امیر المؤمنین خلیفہ راشد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے کر آیا کہ میں قرض میں ڈوبا ہوا ہوں، تو خلیفہ راشد علی بن ابی طالب نے فرمایا: کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھاؤں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے سکھائے ہیں کہ اگر تمہارے اوپر صبر پہاڑ جو جزیرہ عرب کے بڑے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔ کے برابر قرض ہو تو اللہ تمہاری طرف سے اسے ادا کر دے گا، دعاء یہ ہے: «اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ»^(۱۷۸) ترجمہ: اے اللہ! مجھے حلال دے کر حرام سے دور کر دے، اور مجھے اپنے فضل سے نواز کر اپنے سوا کسی اور سے مانگنے سے بے نیاز کر دے۔

(۱۷۷) احمد (۳۰۵/۲)، وابو داؤد (۱۵۴۴) و نسائی (۵۴۶۱) وابن ماجہ (۳۸۴۲)۔

(۱۷۸) احمد (۱۵۳/۱)، و ترمذی (۳۵۶۳)۔

اے وہ شخص جو قرضوں کی شکایت کرتا ہے، کتنی مرتبہ تم نے یہ دعاء پڑھی؟ جو آسمان کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اسے یقین کے ساتھ یہ دعاء پڑھنا چاہئے: «اللَّهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ، وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ» ترجمہ: اے اللہ! مجھے حلال دے کر حرام سے دور کر اور مجھے اپنے فضل سے نواز کر اپنے سوا کسی اور سے مانگنے سے بے نیاز کر دے۔ اس دعاء کو تجربہ کے لیے نہ پڑھے، بلکہ اسے پڑھتے وقت اسے اس بات کا یقین ہو کہ اگر صبر پہاڑ کے برابر قرض ہو تو بھی اللہ اسے تمہاری طرف سے ادا کر دے گا۔

ہاں اے اللہ کے بندو! بیشک رزق بندے کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جس طرح موت اسے تلاش کرتی ہے، ہمارا رزق تقسیم ہو چکا ہے، اور اسے لکھا جا چکا ہے، ہمیں صرف کوشش کی ضرورت ہے، اور یہ چھ کنجیاں بھی کوشش کے دروازوں میں سے ایک ہیں۔

(۱۶)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا

وَابْتَغَىٰ بِهِ وَجْهَهُ

اللہ کے لیے کئے جانے والے عمل میں اخلاص کا ہونا بنیادی اور ضروری مقصد ہے، قرآن و حدیث کے نصوص اس پر دلالت کرتے ہیں، اور مسلمان کے عقیدہ میں بنیادی بات یہی ہے کہ اس کا عمل خالص اللہ کے لیے ہو، ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿٢﴾ أَلَا لِلَّهِ

الدِّينِ الْخَالِصُ ﴿٣﴾﴾ [الزمر: ۲-۳]

ترجمہ: (اے پیغمبر) بیشک یہ کتاب ہم نے تم پر برحق نازل کی ہے، اس لیے اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اسی کے لیے ہو۔ یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے

صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں: «أَنَا أَعْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشُّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِي تَرَكَتُهُ وَشُرْكَتُهُ»^(۱۷۹) ترجمہ: میں شرک کرنے والوں کے شرک سے بے نیاز ہوں، جو کوئی

عمل کر کے اس میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

اخلاص بہت بڑی فضیلت ہے وہ عمل کو ریاکاری کے ثنائہ سے پاک کرتا ہے، اور اسے اتنا پاک کرتا ہے کہ وہ عمل مقبول ہو جاتا ہے، بعض سلف کا کہنا ہے: «كَمْ مِنْ عَمَلٍ صَغِيرٍ تُعْظِمُهُ النِّيَّةُ! وَكَمْ مِنْ عَمَلٍ كَبِيرٍ تُصَغِّرُهُ النِّيَّةُ!»^(۱۸۰) ترجمہ: بہت سے چھوٹے عمل ایسے ہیں کہ نیت کی وجہ وہ بڑے بن جاتے ہیں اور بہت سے بڑے عمل ایسے ہیں کہ وہ نیت کی وجہ سے چھوٹے بن جاتے ہیں۔

اخلاص مجاہدہ نفس کا نام ہے اور نفس سے جنگ کرنے کا نام ہے اور اللہ کی ذات کے علاوہ دیگر لوگوں کے پاس موجود مال و دولت سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھنے کا نام ہے، سفیان کہتے ہیں: «مَا عَالَجَتْ شَيْئًا أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ نَفْسِي»^(۱۸۱) ترجمہ: «میرے نفس سے زیادہ سخت کسی اور چیز سے میرا پالا نہیں پڑا ہے»، کبھی میں اپنے فائدے کی بات کرتا ہے، تو کبھی میرے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔

اخلاص ہی آج ہمارا موضوع سخن ہے، یہ موضوع جوامع الکلم کی مبارک کڑی ہے، نسائی نے ابو امامہ بابلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتِغَىٰ بِهِ

(۱۸۰) إجماع علوم الدين (۳/۳۶۴) و تاريخ الاسلام (۱۲/۲۳۷) لابن المبارك -

(۱۸۱) الحلية (۷/۶۲)۔

وَجْهَةٌ»^(۱۸۶) ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی مانگی گئی ہو۔

یہ وہ عظیم حدیث ہے جو تمہاری محنت اور وقت دونوں کو بچاتی ہے اور تمہیں ایک ہی راستے سے جوڑے رکھتی ہے۔

یہ حدیث تم سے مخاطب ہے: «بیشک اللہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو۔» اے اللہ کے بندے، اگر تمہارے پاس ایسا عمل ہے جو اللہ کے لئے نہیں کیا گیا ہے، تو تم اپنے آپ کو خواہ مخواہ نہ تھکاؤ، اور ان دکھاوے والی عبادتوں میں اپنے وقت کو ضائع کرنے سے بچو، کیوں کہ اللہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور اس کی خوشنودی چاہی گئی ہو۔

اس حدیث کا ایک پس منظر ہے: ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول، آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو جنگ اس لیے کرتا ہے، تاکہ اجر و ذکر حاصل کرے، یعنی آپ سے اجر حاصل کرے اور لوگوں کی زبان پر اس کا ذکر ہو، وہ دنیا اور آخرت دونوں کے اجر کا طالب ہے، اس کے لیے کیا ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، اس نے پھر دہرایا کہ جو شخص جنگ اس لیے کرتا ہے تاکہ اجر و ذکر حاصل کرے، اس کے لیے کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر

وہ دوسری جانب سے آیا اور پوچھنے لگا کہ جو شخص جنگ اس لیے کرتا ہے تاکہ اجر و ذکر حاصل کرے، اس کے لیے کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، «إِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا، وَابْتِغَىٰ بِهِ وَجْهَهُ» ترجمہ: اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے کیا گیا ہو اور جس کے ذریعہ اس کی خوشنودی مانگی گئی ہو۔

اخلاص بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے اور یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے، اگر تم اس مقام تک پہنچنا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ یہ عبادت تمہارے اندر راسخ جائے تو میں تمہیں اور خود کو چند اقدامات بتاتا ہوں جو شخص انہیں اپنائے گا وہ اس مقام تک پہنچ جائے گا اور اس عبادت سے مانوس ہو جائے گا۔

اقدام اول:

مخلص بننے کیلئے اللہ سے مدد طلب کرو، دعاء کرو: اے میرے پروردگار میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرا عمل خالص ہو کیوں کہ یہ دل میں میں اخلاص پوشیدہ ہے اور دل کے احوال بدلتے رہتے ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا جائے گا، ارشاد باری ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر: ۶۰]

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا بیشک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت سے منہ موڑتے

ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

سنن ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اکثر یہ دعاء پڑھا کرتے: «يَا مُقَلَّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»^(۱۸۳) ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ، جس وقت دل پھرتا ہے تو ضروری نہیں کہ صاحب دل نمازی ہو اور وہ نماز چھوڑنے لگے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحب دل روزہ دار ہو اور وہ روزہ چھوڑنے لگے، دل کا پھرنا یہ ہے کہ صاحب دل جو اللہ کے لیے نماز پڑھتا تھا، پھر دل پھر گیا تو وہ نماز تو پڑھتا ہے مگر غیر اللہ کے لیے، وہ صدقہ کرتا تھا لیکن دل پھر گیا تو اس کی خواہش ہونے لگی کہ غیر اللہ اس کے صدقہ و خیرات پر اس کی تعریفیں کریں اور اس کے گن گائیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ دیا اور اس خطبہ میں ارشاد فرمایا: «أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا هَذَا الشِّرْكَ؛ فَإِنَّهُ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ» ترجمہ: اے لوگو! اس شرک یعنی ریاکاری سے بچو کیوں کہ یہ چیونٹی کے سنگے کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ یعنی اخلاص سے عاری ہو کر کیا جانے والا عمل چیونٹی کے سنگے سے بھی زیادہ مخفی ہے، کسی کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ تو پھر ہم اس سے کیسے بچ سکتے ہیں جب کہ وہ چیونٹی کے سنگے سے زیادہ مخفی ہے؟ تو آپ ﷺ نے انہیں اسی

اقدام کی طرف ہدایت فرمائی، وہ ہے اللہ سے مدد طلب کرنا، آپ نے ارشاد فرمایا:
 «قُولُوا: اللَّهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ مِنْ أَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهُ، وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا
 لَا نَعْلَمُ»^(۱۸۳) ترجمہ: کہو: اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ جانتے
 ہوئے تیرے ساتھ کسی کو شریک کروں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس
 چیز کی جسے میں نہیں جانتا۔

بہر حال مخلصین کی راہ میں اخلاص کا پہلا اقدام اللہ سے مدد طلب کرنا ہے۔
 اقدام دوم:

فرائض کی ادائیگی، فرائض کی ادائیگی دوسرا اقدام ہے، کیوں کہ شیطان تمہیں
 دیکھ رہا ہے کہ تم ریاء اور اخلاص کے موضوع پر بات سن رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ
 وہ تمہیں کسی عمل سے بے رغبت پیدا کر دے اور کہے: اس عمل کو چھوڑ دو کیوں
 کہ اس میں ریا کاری ہے، اُس عمل کو چھوڑ دو کیوں کہ اس میں اخلاص نہیں
 ہے۔ شیطان کے اس بھکاوے کا علاج یہ ہے کہ تم فرائض ادا کرو، ارشاد باری
 ہے: ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ
 إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا
 عَظِيمًا﴾ [النساء: ۱۱۴]

ترجمہ: لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی

شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔

وَمَا أَمُرُوا إِلَّا لِیَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّینَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِینُ الْقَیِّمَةِ^(۱) حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ عبادت
کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یکسو ہو کر اور
قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکاۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔»

اقدام دوم:

دل کی صفائی اور مجاہدہ کی کوشش میں لگے رہنا: اس کام کیلئے صبح و شام اور ہمیشہ
ہر وقت دل کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے، انسان کو اپنے دل سے غافل نہیں ہونا
چاہئے کیوں کہ دل کے احوال بدلتے رہتے ہیں اور دل ہی رب کی نظر رحمت کا مقام
ہے، صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ
وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»^(۱۸۵) ترجمہ: بیشک اللہ تمہاری
صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

لہذا دل رب کی نظر کی جگہ ہے، نہ کپڑے، نہ مال و دولت، اور نہ یہ سواریاں،
بلکہ رب کی نظر کا مقام وہ چیز ہے جو ہمارے دل میں ہے، تو عقلمند وہی ہے جو اس
دل کی صفائی اور پاکی کی کوشش کرے، اس کا سبب یہ ہے کہ دل کے احوال بدلتے

رہتے ہیں، صرف تمہارا دل ہی ایسا نہیں ہے بلکہ میرا، تمہارا اور سارے لوگوں کے دل کا یہی حال ہے، نیکی سے برائی کی طرف، اور شر سے خیر کی طرف مائل ہوتے رہتا ہے، اور بندے کو چاہئے کہ وہ دل کی اس حالت کا محاسبہ کرتا رہے،، ہمارے حبیب ﷺ کا ارشاد ہے: «لَقَلْبُ ابْنِ آدَمَ» أي: کلُّ بني آدَمَ «أَشَدُّ انْقِلَابًا مِنَ الْقَدْرِ إِذَا اجْتَمَعَتْ غَلِيًّا»^(۱۸۶) ترجمہ: ابن آدم کا دل اُلٹنے والی ہانڈی سے بھی زیادہ پھرتا ہے۔ یعنی جس طرح ہانڈی کے گرم ہونے کے بعد پانی تیزی سے حرکت میں آجاتا ہے، اسی طرح دل بھی حرکت کرتا ہے، لہذا ہم میں سے ہر انسان کو چاہئے کہ وہ ان شکوک و شبہات سے اپنے دل کو صاف کرنے کی کوشش کرے۔

اقدام چہارم - میرے خیال میں استغانت باللہ کے بعد سب سے اہم اقدام ہے:-
مجاہدہ نفس، یہ ہے کہ دنیا کمانے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے، جب تمہیں لگے کہ تمہارا نفس ایسے کام کرتا ہے جسے صرف اللہ کے لیے ہونا چاہئے اور تمہارا نفس اسی کام کے ذریعے دنیا کی طرف راغب ہو رہا ہو، تو تم اس کام سے باز آجاؤ، کیوں کہ تمہارا وقت اور کوشش بیکار جائیں گے۔

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ جِيءَ بِالدُّنْيَا فَيَمَيِّزُ مِنْهَا مَا كَانَ لِلَّهِ، وَمَا كَانَ لِغَيْرِ اللَّهِ يُرْمَى بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ»^(۱۸۷) ترجمہ:

(۱۸۶) احمد (۴/۶)۔

(۱۸۷) الزهد ابن ابی عاصم (۲۸۳)، والشعب بیہقی (۶۴۳۳)۔

قیامت کے دن دنیا کو لایا جائے گا، تو جو اللہ کے لیے کیا گیا ہے اسے الگ کیا جائے گا اور جو غیر اللہ کے لیے ہے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ کوئی بھی عبادت ہو: تم خطیب ہو تو دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، تم امام ہو یا موذن دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، تم بھلائی کا حکم کرنے والے برائی سے روکنے والے اور اپنی قوم میں مصلح ہو تو دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، تم صدقہ کا ارادہ رکھتے ہو تو دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو، کیوں کہ یہ بیکار چلا جائے گا اور اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوگا۔

جو شخص اپنے نیک اعمال جیسے نماز، زکوٰۃ، صدقہ خیرات اور بھلائی کے ذریعے دنیا کی چاہت اپنے اندر رکھتا ہے، اس کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيْنٰهَا نُؤْتِ الْاِيْمٰهُمْ اَعْمٰلَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾﴾ [ہود: ۱۵]

ترجمہ: جو لوگ (صرف) دنیوی زندگی اور اس کی سچ دھج چاہتے ہیں، ہم ان کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دنیا میں دے دیں گے، اور یہاں ان کے حق میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ انہیں دنیا تو حاصل ہوگی مگر: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [ہود: ۱۶]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ہے، اور جو کچھ کارگزاری انہوں نے کی تھی، وہ آخرت میں بیکار ہو جائے گی، اور جو عمل وہ کر رہے ہیں، (آخرت کے لحاظ سے) کالعدم ہیں۔

ارشاد باری ہے: ﴿عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصَلُّنَهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ﴿١٩﴾﴾ [الإسراء: ١٨-١٩]

ترجمہ: جو شخص دنیا کے فوری فائدے ہی چاہتا ہے تو ہم جس کے لیے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں، اسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم نے جہنم رکھ چھوڑی ہے جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہو گا۔ اور جو شخص آخرت (کا فائدہ) چاہے اور اس کے لیے ویسی ہی کوشش کرے جیسی اس کے لیے کرنی چاہے، جبکہ وہ مومن بھی ہو، تو ایسے لوگوں کی کوشش کی پوری قدر دانی کی جائے گی۔

ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ﴿٩﴾﴾ [الانسان: ٩]

ترجمہ: ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔ کبھی نیک اعمال کا مقصد لوگوں کی داد و تحسین وصول کرنا ہوتا ہے، مثال کے طور پر اگر کوئی خطیب ہے، تو اُس سے کہا جائے کہ: کیا خوب تقریر کی ہے آپ نے، کتنی فصاحت سے تقریر ہے، کتنی بلیغ تقریر ہے! تو یہ خطیب شخص ان جیسے تعریفی کلمات کے جال میں پھنس جاتا ہے، اور اس طرح اس کا اجر چلا جاتا ہے، اسی لیے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کی اتباع میں دنیا کے حسی یا معنوی منفعت کی طرف توجہ نہ دے۔

اس آیت ﴿إِنَّمَا نُنْطَعِمُكُمْ لَوْحَةً مِنْ لَدُنَّا وَلَا شُكُورًا﴾ [الانسان: ۹] کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: «وَمَنْ طَلَبَ مِنَ الْفُقَرَاءِ الدُّعَاءَ، أَوْ الشَّاءَ خَرَجَ مِنْ هَذِهِ الْآيَةِ»^(۱۸۸) ترجمہ: جو شخص فقراء سے دعاء یا تعریف کا خواستگار ہوگا وہ اس آیت سے خارج ہے جب وہ فقیر کو دیتا ہے تو کہتا ہے: ہمیں اپنی نیک دعاوں میں نہ بھولنا، یعنی یہ عطیہ اس دعاء کے مقابلہ میں ہے، وہ فرماتے ہیں: وہ اس آیت سے خارج ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا نُنْطَعِمُكُمْ لَوْحَةً مِنْ لَدُنَّا وَلَا شُكُورًا﴾ [الانسان: ۹]

ترجمہ: ہم تو تمہیں صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کھلا رہے ہیں۔ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس آیت پر اپنی زندگی میں حقیقی طور پر عمل کیا کرتی تھیں، چنانچہ جب اپنی پڑوسن کے پاس کوئی ہدیہ بھیجتیں تو اس سے جس کے ہاتھ یہ ہدیہ بھیجتیں کہتیں: ان کے دروازہ پر کھڑے ہو کر سنو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، اگر وہ لوگ انہیں «جزاها الله خيرا» کہتے، تو وہ ان سے کہتیں کہ ان سے وہی کہو جو انہوں نے کہا، تاکہ اجر برابر ہو جائے اور ہمارا اجر ہمارے لیے باقی رہے^(۱۸۹)۔

(۱۸۸) مجموع الفتاویٰ (۱۱/۱۱۱)۔

(۱۸۹) السنن الکبریٰ (۱۰۰۶۲)، و عمل للموم والیلة (۲۷۸)، مجموع الفتاویٰ (۱۱/۱۱۱)۔

احیاء علوم الدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کا عبرتناک قصہ نقل کیا ہے، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے تیس سال کی نماز قضاء کیا ہے: غور کیجئے اس پہلو پر، وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے تیس سال کی نماز قضاء کی ہے، جسے میں نے مسجد میں پہلی صف میں پڑھا تھا، ہوا یہ تھا کہ ایک دن میں نماز میں تاخیر سے پہنچا تو دوسری صف میں مجھے جگہ ملی، میں نے دوسری صف میں نماز پڑھی، تو مجھے ندامت ہوئی کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہہ رہے تھے: فلاں نے دوسری صف میں نماز پڑھی، مجھے لگا کہ میں تیس سال سے نماز لوگوں کو دکھانے کے لیے پڑھ رہا تھا، دوسری صف میں نماز پڑھ کر میرے نفس کو اچھا نہیں لگا، اس لیے نہیں کہ اللہ کو معلوم ہو گیا بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو معلوم ہو گیا، تو انہیں لگا کہ وہ پہلی صف میں نماز اس لیے پڑھنے کا پابند تھا کہ اس کی تعریف کی جائے اور پہلی صف میں پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے پر اس کی مدح سرائی کی جائے، وہ شخص کہتا ہے کہ: اسی لیے میں نے تیس سال کی نماز قضاء کی ہے (۱۹۰)۔

یہ اخلاص ہی ہے جس کے بارے میں علماء امت کہتے ہیں: نجات صرف اخلاص ہی کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔

اقدام پنجم - مخلصین کے مقام اخلاص تک پہنچنے کی راہ کی وضاحت میں :-

نیکیوں کو چھپانا، تم اپنی نیکیوں کو ایسے چھپاؤ جیسے تم اپنی برائیوں کو چھپاتے ہو،

کیوں کہ ارشاد باری ہے: ﴿فَلَا تَزُكُّواْ اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ اَنْفَعَكُمْ﴾ [النجم: ۳۲]

ترجمہ: لہذا تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ، وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم میں سے متقی کون ہے اس لیے لوگوں کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہم متقی ہیں، ہم چھپے ہوئے ہیں، یہ ہمارے اعمال ہیں، یہ ہمارے صدقات و خیرات ہیں اور یہ ہماری نیکیاں ہیں اور یہ ہماری نمازیں ہیں۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ مخلص کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو ایسے چھپائے جیسے اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔^(۱۹۱) تو جیسے اپنی برائیوں اور گناہوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں، اسی طرح اپنی نیکیوں کو بھی چھپانا چاہئے۔

اس سلسلے کی سب سے عظیم حدیث مسند احمد میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا جَازَى اللّٰهُ الْعِبَادَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لِبَعْضِهِمْ: اذْهَبُواْ اِلَى الدّٰنِئِن كُنْتُمْ تَرَاوُونَ بِاَعْمَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا، فَاَنْظُرُواْ هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً»^(۱۹۲) ترجمہ: قیامت کے دن جب اللہ بندوں کو جزاء دے گا تو کچھ لوگوں سے کہے گا: ان کے پاس جاؤ جنہیں تم اپنے اعمال دنیا میں دکھایا کرتے تھے، دیکھو کہ کیا تمہیں ان کے پاس کوئی جزاء ملتی ہے۔

(۱۹۱) تہیہ الغافلین (ص: ۲۹)، وایضاً علوم الدین (۴/۳۷۸)۔

(۱۹۲) احمد (۵/۴۲۸)۔

یہی خطرناک بات ہے کہ ریاکار جو مخلص نہیں ہے اس سے کہا جائے گا: ان کے پاس جاؤ جنہیں تم اپنے اعمال دکھایا کرتے تھے، تو کیا تمہیں ان کے پاس اپنے اعمال کا کوئی بدلہ مل سکتا ہے؟۔

اخلاص کی راہ میں یہی اقدامات ہیں جس نے انہیں اختیار کر لیا وہ ہدایت یافتہ ہو گیا اور جس نے ان سے اعراض کیا اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور مخلصین کے طریقہ سے دور ہو گیا۔

(۱۷)

مَنْ صَمَتَ نَجَا

خاموشی ایک مٹی ہوئی نیکی اور اچھی عادت ہے، خصوصی طور پر ہمارے اس زمانے میں جہاں کلام اور متکلمین کی بہتات ہے۔

خاموشی بغیر زیور کے زینت ہے اور بغیر سلطنت کے بیبت ہے اور بغیر دیوار کے محفوظ قلعے کی مانند ہے۔

خاموشی باعثِ شرف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (۱۹۳):

وَالصَّمْتُ عَنْ أَمِّقٍ أَوْ جَاهِلٍ شَرَفٌ وَفِيهِ أَيْضًا الصَّوْنُ الْعَرَضِيُّ إِصْلَاحٌ

ترجمہ: احمق اور جاہل کی بات سن کر خاموش رہنا شرف کی بات ہے، اور اس میں عزت کی حفاظت کی خاطر اصلاح ہے۔

خاموشی حکمت ہے، حکیم لقمان نے فرمایا: خاموشی حکمت ہے مگر خاموش رہنے والے کم ہیں (۱۹۴)۔

خاموشی نجات ہے، امام ترمذی نے ایک حدیث میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم

(۱۹۳) دیوان شافعی (ص: ۵۱)۔

(۱۹۴) احمد فی الزهد (ص: ۸۸، ۵۴۵)۔

ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ صَمَتَ نَجَا»^(۱۹۵) ترجمہ: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ یہی آج ہمارا موضوع سخن ہے جو جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ صَمَتَ نَجَا» ترجمہ: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ تین کلمات ہیں جس میں آٹھ حروف ہیں لیکن اس کے معانی بہت عظیم ہیں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاموشی جس کی عادت بن جائے اسے نجات مل گئی، کسی شاعر نے کہا ہے:

رَأَيْتُ الْكَلَامَ يَزِينُ الْفَتَى وَالصَّمْتُ خَيْرٌ لِّمَنْ قَدْ صَمَتُ
فَكَمْ مِنْ حُرُوفٍ تَجْرُّ الْحُتُوفَ وَكَمْ نَاطِقٍ وَدَّ أَنْ لَوْ سَكَتُ^(۱۹۶)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ ”بات“ انسان کو زینت بخشتی ہے اور خاموشی بہتر ہے اس شخص کے لیے جو خاموش رہے۔ کتنے ہی حروف ایسے ہیں کہ جو موت کی طرف کھینچتے ہیں اور کتنے بولنے والے ایسے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ کاش وہ چپ رہتے۔

خاموشی خیر ہے، اور خاموشی میں نجات ہے، شر سے، بری باتوں اور برے کاموں سے چپ رہنا یہ سب کے سب خیر ہیں اور اس میں نجات ہے۔

ہاں اچھی بات کہنا کارِ خیر ہے، ذکر کرنا کارِ خیر ہے، نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کی بات کرنا کارِ خیر ہے، جیسا کہ شر، برائی اور فُجور سے چپ رہنے میں نجات ہے۔

(۱۹۵) احمد (۱۵۹/۲)، و ترمذی (۲۵۰۱)۔

(۱۹۶) الرسالة التثمیریہ (۲۳۶/۱)۔

چپ رہنے میں نجات کیوں نہ ہو جب کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ آپ نے یہ بات ایسے زمانے میں کہی جب لوگوں کو بات کی قیمت کا پتہ تھا، اس زمانے میں لوگ بات کی قیمت کو جانتے تھے اسی لیے وہ اسے توالتے تھے جیسے سونے اور چاندی کو تولتا جاتا ہے، اور ہمارے زمانے میں ہمیں خاموشی کی عادت اختیار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خاموشی اُن تمام اخلاق میں سب سے بہترین عادت ہے جسے لوگوں کو اپنانا چاہئے، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ملے اور فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَىٰ خِصْلَتَيْنِ هُمَا أَحْفَىٰ عَلَى الظَّهْرِ وَأَثْقَلُ فِي المِيزَانِ مِنْ غَيْرِهِمَا؟» ترجمہ: اے ابو ذر میں تمہیں ایسی دو عادتیں نہ بتلا دوں جن کو کرنا بہت آسان ہے اور میزان میں دوسری چیزوں سے زیادہ وزنی ہوں گی؟ یعنی نہ کوشش کی ضرورت نہ تھکاوٹ اور نہ ہی کچھ خرچ کی ضرورت، ابو ذر فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول کیوں نہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: «طُولُ الصَّمْتِ، وَحُسْنُ الخُلُقِ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا عَمِلَ الخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا» ترجمہ: لمبی خاموشی اور حسن خلق: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مخلوق نے ان دونوں کے مثل پر عمل نہیں کیا۔ یہ بیہقی کی روایت ہے (۱۹۷)۔

ابن ابو عاصم نے کتاب الزہد میں دوسری روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: «فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا تَجَمَّلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا»^(۱۹۸) ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مخلوق ان دونوں کے مثل کسی اچھی عادت کو نہیں اپنا سکی۔ یہ زینت ہے، خاموشی بغیر زیور کے زینت ہے، تم تھکोगے نہیں جب خاموش رہو گے اور تمہیں تھکاوٹ نہیں ہوگی جب تم اپنی زبان روک لوگے، بولنے والا بامعنی اور لایعنی باتیں بول کر تھک جاتا ہے، مگر خاموش شخص پر خاموشی کا بوجھ بہت ہلکا ہوتا ہے۔

خاموشی کا تعلق ایمان سے ہے، صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»^(۱۹۹) ترجمہ: جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بھلی بات بولے ورنہ خاموش رہے۔ یہاں ایمان اور خاموشی کے درمیان یقینی تعلق ہے، فساد والی باتوں سے خاموشی ہو، بے حیائی والی باتوں سے خاموشی ہو، برائی والی باتوں سے خاموشی ہو، حتیٰ کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ مباح باتوں سے بھی خاموشی ہو۔

خاموشی اختیار کرے اور صرف مطلب کی بات بولے، اور ایسی بات نہ بولے جس کی وجہ سے اسے یا دوسروں کو تکلیف ہو: «وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

(۱۹۸) الزہد لابن ابی عاصم (۲)۔

(۱۹۹) بخاری (۶۰۱۸)، و مسلم (۳۷)۔

الْآخِرِ فَلْيُقَلِّ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ» ترجمہ: جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بھلی بات بولے ورنہ خاموش رہے۔

خاموشی میں پکڑ سے حفاظت ہے، بیہوشی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بارہا یہ جملہ دہرایا کرتے تھے: «رَحِمَ اللَّهُ امْرَأً تَكَلَّمَتْ فَغَنِمَ، أَوْ سَكَتَتْ فَسَلِمَ»^(۲۰۰) ترجمہ: اللہ اس شخص پر رحم کرے جو بولے تو فائدے میں رہے، اور چپ رہے تو محفوظ رہے۔ جب بولے تو اپنی بات کو تولے، یہاں تک کہ بعض سلف ہفتہ بھر اپنی بولی ہوئی باتوں کو گن لیتے تھے، فرماتے ہیں: اگر میں ایک ہفتہ بھر اپنی بولی ہوئی باتوں کو شمار کرنا چاہوں تو انہیں شمار کر سکتا ہوں۔ یعنی وہ اتنا کم بولا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھیں - ان کے کلمات وحی کے مشابہ ہوتے تھے - وہ فرماتے ہیں: «مَنْ كَثُرَ ضَحِكُهُ قَلَّتْ هَيْبَتُهُ، وَمَنْ مَزَحَ اسْتُخِفَّ بِهِ، وَمَنْ أَكْثَرَ مِنْ شَيْءٍ عُرِفَ بِهِ، وَمَنْ كَثُرَ كَلَامُهُ كَثُرَ سَقَطُهُ، وَمَنْ كَثُرَ سَقَطُهُ قَلَّ حَيَاؤُهُ، وَمَنْ قَلَّ حَيَاؤُهُ قَلَّ وَرَعُهُ، وَمَنْ قَلَّ وَرَعُهُ مَاتَ قَلْبُهُ، وَمَنْ مَاتَ قَلْبُهُ كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ»^(۲۰۱) ترجمہ: جو زیادہ ہنستا ہے، اس کا رعب کم ہو جاتا ہے، جو مذاق کرتا ہے، اس کو ہلکا شخص سمجھا جاتا ہے، جو انسان

(۲۰۰) شعب الایمان (۴۵۸۹) -

(۲۰۱) «العلم ابن ابی الدینا (۱۲۶)، واللاوسط طبرانی (۲۲۵۹)، والشعب بیہقی (۴۶۳۰)» -

بکثرت کوئی کام کرتا ہے، تو وہی کام اس کی پہچان بن جاتا ہے، جو زیادہ باتیں کرتا ہے، تو اس کی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں، اور جس کی غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں، اس کے اندر حیاء کم ہو جاتی ہے، اور جس کے اندر حیاء کی کمی ہو، اس میں پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے، اور جس کے اندر پرہیزگاری کی کمی ہو، اس کا دل مرجاتا ہے، اور جس شخص کا دل ہی مردہ ہو، وہ جہنم کی آگ کا زیادہ مستحق ہے۔ یہ لازمی نتیجہ یہاں بیان کیا گیا ہے، چنانچہ شروع میں فرمایا: جو زیادہ باتیں کرتا ہے، اسکی غلطیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں، اور اخیر میں فرمایا: وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔

ابن رجب کہتے ہیں: ایک صحابی دوسرے صحابی کے پاس مرض الوفا میں گئے تو کیا دیکھتے کہ ان کا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے تو انہوں نے وجہ دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: میرے پاس دو عملوں سے زیادہ قابل بھروسہ کوئی عمل نہیں ہے: میں لایعنی گفتگو نہیں کیا کرتا تھا اور میرا دل مسلمانوں کے لیے محفوظ تھا۔^(۲۰۲) کون یہ دو نعمتیں حاصل کرنا چاہتا ہے؟

وہ بولتے تو تھے مگر ایسی باتیں جو بامقصد و بامعنی ہوتی تھیں اور ان کا دل مسلمانوں کے لیے محفوظ تھا۔

حسن بصری نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں: «إِذَا جَالَسْتَ فَكُنْ عَلَى أَنْ تَسْمَعَ أَحْرَصَ مِنْكَ عَلَى أَنْ تَقُولَ، وَتَعَلَّمَ حُسْنَ الْاسْتِمَاعِ كَمَا تَعَلَّمَ

حُسْنَ الْقَوْلِ»^(۲۰۳) ترجمہ: جب مجلس میں بیٹھو تو بولنے سے زیادہ سننے کی خواہش رکھو، حسن استماع کو ایسے سیکھو جیسے تم حسن تکلم سیکھتے ہو۔ کیا فن کلام کی تعلیم نہیں ہوتی؟ کیا فن محاورہ کی تعلیم نہیں ہوتی؟ اسی طرح استاذ کو فن خاموشی بھی سکھانا چاہئے، جس کو سننے کا فن نہیں معلوم اسے کلام کا فن بھی نہیں معلوم ہے۔

جب ہم اس عادت کے بارے میں بات کرتے ہیں کہ خاموشی کی بڑی فضیلت ہے تو ہمارے من میں ایک ہی سوال اٹھتا ہے: کہ اس عادت تک پہنچنے کی راہ کیا ہوگی؟ اور اس کو ہم کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ لیکن جس نے ارادہ کیا اس کے لئے یہ کام بہت آسان ہے۔

ان وسیلوں کو اپناؤ:

وسیلہ اول:

اس امت کے سلف صالحین کی سیرت پڑھو کہ انہیں کیسے یہ خصلت حاصل ہوئی، رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو پڑھو، امام احمد اپنی مسند میں حضرت سماک سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا: «نَعَمْ، كَانَ طَوِيلَ الصَّمْتِ قَلِيلَ الضَّحِكِ»^(۲۰۴) ترجمہ: ہاں، وہ بہت دیر تک خاموش رہنے والے اور بہت کم ہنسنے والے تھے۔

(۲۰۳) مکالم الأَخلاق (۷۳۱)۔

(۲۰۴) مسند احمد (۸۶/۵)۔

اے رسول اللہ ﷺ کے پیروکار! یہ ہیں اللہ کے رسول، وہ زیادہ تر خاموش رہا کرتے اور کم ہنستے تھے، یہ رسول اللہ کی سیرت ہے۔

ان کے معاونین و پیروکاروں کو دیکھو، یہ خلیفہ راشد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابو بکر اپنی زبان باہر نکالے ہوئے ہیں، تو عمر نے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ، کیا کر رہے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: اے عمر، اس چیز نے مجھے کن کن گھاٹوں پر پہنچایا ہے، [وہ تمہیں نہیں معلوم ہے]، میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْجَسَدِ إِلَّا يَشْكُو ذَرْبَ اللِّسَانِ عَلَى حِدَّتِهِ»^(۲۰۵) ترجمہ: جسم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان کی تیزی کی شکایت نہ کرتی ہو۔ جسم کا ہر عضو زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے، لسان ذرب کہتے ہیں تیز زبان کو۔ آپ نے فرمایا: «لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْجَسَدِ إِلَّا يَشْكُو ذَرْبَ اللِّسَانِ عَلَى حِدَّتِهِ» ترجمہ: جسم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو زبان کی تیزی کی شکایت نہ کرتی ہو۔

اس حدیث کو سنن ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكْفِّرُ اللِّسَانَ» یعنی: تَرَجُّو اللِّسَانَ فِي ذَلٍّ وَخُضُوعٍ وَانْحِنَاءٍ «تَقُولُ لِلِّسَانِ: اتَّقِ اللَّهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، إِنْ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اعْوَجَجَتْ

اغْوَجَجْنَا»^(۲۰۶) ترجمہ: انسان روزانہ صبح جب بیدار ہوتا ہے تو تمام اعضاء زبان سے مخاطب ہو کر اس سے التجا کرتے ہیں کہ دن میں درستی اور صداقت پر قائم رہنا اور بیہودہ گوئی سے بچے رہنا، کیوں کہ اگر تُو درست اور ٹھیک رہے گی، تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تُو کج روی کے راستے پر چلے گی تو ہم بھی کج روی کے راستے پر چل پڑیں گے۔ زبان کا چپ رہنا اور طویل قید میں رہنا بہت ضروری ہے۔

بہر حال انسان کو چاہئے کہ اگر وہ نجات پانا چاہتا ہے، اور اس عظیم اخلاق کو اپنانا چاہتا ہے، تو اسلاف کی سیرتوں میں غور و فکر کرے۔

وسیلہ دوم:

خاموشی کی ضد کلام کے انجام اور خطرات سے متعلق غورو فکر کرتے ہوئے انسان خاموشی کو اپنا سکتا ہے، اسے چاہئے کہ وہ ہلاکت کا باعث بننے والے زبان کے انجام کے بارے میں غور کرے، اللہ تعالیٰ سورہ النساء میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ﴾ [النساء: ۱۱۴]۔ ترجمہ: لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کو تم صبح و شام بولتا ہوا دیکھتے ہو، وہ ہر چیز کے بارے میں بولتے ہیں، درخت کا اگر کوئی پتہ بھی اڑتا ہے تو وہ اس پر بھی تبصرہ کرتے ہیں، تنقید کی شکل میں، یا غصے کا اظہار کرتے ہوئے، یا حقارت کے ساتھ، یا پھر غیبت کی شکل میں کچھ نہ کچھ تبصرہ ضرور کرتے ہیں، صبح و شام ان

کا کام ہی یہی ہے۔ اور دورِ حاضر میں جب سے لوگوں کے پاس سوشل میڈیا تک رسائی کے اسباب عام ہو چکے ہیں، تو انسان اپنی بات ایک ہی منٹ میں لوگوں تک پہنچانے لگا ہے، جس کو چاہتا ہے اپنی بات سنا رہا ہے، اس کی بات ہر جگہ گردش کر رہی ہے اور بسا اوقات اس کی یہ بات اسی پر وبال بن جاتی ہے، اسلاف ایسا نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ تو کم گو تھے، انسان کو نہیں بولنا چاہئے مگر جب اسے یہ یقین ہو کہ اس بات سے اسے نیکیاں ملیں گی، کبھی بھی اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے نہیں بولنا چاہئے۔

اسی لیے اس وسیلہ کو اختیار کرنا ضروری ہے، گفتگو کا انجام کار سوچو، کیوں کہ معجم طبرانی میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَكْثَرَ خَطَايَا ابْنِ آدَمَ فِي لِسَانِهِ»^(۲۰۷) ترجمہ: انسان کی اکثر غلطیاں اس کی زبان میں ہیں۔

اے اللہ کے بندو! اس حدیث پر بھی غور کرو: نبی کریم ﷺ ایک صحابی کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: «أَبَشِرْ يَا كَعْبُ، أَوْ هَنِيئًا لَكَ يَا كَعْبُ» ترجمہ: اے کعب، تمہیں بشارت ہو۔ اور کعب کی والدہ ایک سمت میں بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے کہا۔ یہ کعب ایک صحابی اور نبی کے ایک ملازم ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شرکت کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ ماں

(۲۰۷) المعجم الكبير (۱۰/۱۹۷، ۱۰۳۶)، و شعب الایمان (۳۵۸۳)۔

نے بہت نرمی سے کہا گویا کہ وہ انہیں ان کلمات سے وداع کر رہی ہوں: «اے کعب تمہیں جنت کی بشارت ہو»، آپ ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ کعب نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ یہ میری ماں ہیں، وہ اپنے مرض میں کہہ رہے تھے کہ یہ میری ماں ہیں اے اللہ کے رسول۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «مَا يُدْرِيكَ يَا أُمَّ كَعْبٍ؟ لَعَلَّ كَعْبًا تَكَلَّمَ فِيمَا لَا يَعْنِيهِ، أَوْ مَنَعَ مَا لَا يَعْنِيهِ»^(۲۰۸) ترجمہ: اے ام کعب، تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ شاید کعب کوئی لایعنی گفتگو کی ہو، یا پھر جس بات کا کرنا ضروری تھا نہ کہ ہو۔ یعنی تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جنتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان لایعنی گفتگو حائل ہو جائے۔

یہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہیں ہمیشہ نبی کی صحبت ملی ہے، ان پر خدشہ ظاہر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «رُبَّمَا تَكَلَّمَ فِيمَا لَا يَعْنِيهِ» ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ کبھی انہوں نے لایعنی گفتگو کی ہو۔ تو ہمارا کیا ہیں، ہم تو دن رات ضروری اور غیر ضروری امور میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔

تو مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس عادت کو اپنائے اور اس کی فضیلت کو پائے اور اسے کوشش کرنی چاہئے کہ کثرتِ کلام کے عادی اس زمانے میں خاموسی کی اس تہذیب کو عام کرے۔

(۱۸)

إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرَفَقٍ

اے لوگو! اقوال و افعال میں حد سے تجاوز کرنے کا نام غلو ہے۔

میانہ روی سے نکلنے کا نام غلو ہے۔

غلو ایک بہت پرانی بیماری ہے، پہلے والی کئی امتیں اس کی لپیٹ میں آئی تھیں، اور غلو کرنے والے نفسانی خواہشات کے پرستار ہوتے ہیں۔

اللہ نے غلو سے ڈرایا اور اس کے داعیوں سے ڈرایا، ارشاد فرمایا: ﴿يَتَأْهَلِ
الْكِتَابَ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ [النساء: ۱۷۱]

ترجمہ: اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔

ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ يَتَأْهَلِ الْكِتَابَ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ
سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ [المائدة: ۷۷]

ترجمہ: اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی

گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

غلو ہی آج ہمارا موضوع سخن ہے جو جوامع الکلم کا ایک حصہ ہے۔

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرَفِيقٍ»^(۲۰۹) ترجمہ: دین کا راستہ سخت دشوار گزار ہے، اس سے نرم روی سے گزرو۔

یہ دین بڑی عظمت والا ہے اور ہر چیز کی وسعت رکھتا ہے، لہذا اس دین کو اپنانے میں ایک دوسرے پر پہل کرو، مگر نرمی کے ساتھ، یہاں نرمی کا مطلب یہ ہے کہ دین پر چلنے والا شخص بلا کسی کمی بیشی، اور بلا کسی تقصیر اور غلو کے نبی کے طریقہ پر چلے۔

بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں غلوفی الدین سے منع کیا گیا ہے، ہمارے نبی نے اپنی امت کو اسی کی تربیت دی، حجۃ الوداع کے موقعہ پر جس وقت ابن عباس رضی اللہ عنہ رمی جمار کا ارادہ کر رہے تھے تو آپ نے انہیں حکم دیا: «يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، الْقَطُّ لِي الْحَصَى» ترجمہ: اے ابن عباس، میرے لیے کنکریاں اکٹھا کرو، تاکہ وہ رمی جمار کریں، تو وہ کنکریاں لے کر آئے اور نبی کے دست مبارک پر سات چھوٹی کنکریاں رکھ دیں، وہ کنکریاں نبی کی ہتھیلی میں تھیں، نبی نے انہیں اپنے صحابہ کو دکھا کر ارشاد فرمایا: «أَمْثَالٌ هُوَ لَأَ فَاذُمُوا» ترجمہ: اس

طرح کی کنکریوں سے رمی کرو، پھر ارشاد فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي آتِيكُمْ وَالْغُلُوُّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ فِي الدِّينِ»^(۲۱۰) ترجمہ: اے لوگو، دین میں غلو سے بچو، غلو فی الدین نے ہی تم سے پہلی قوم کو ہلاک کیا۔ یعنی جو شخص رمی کے لیے اکٹھی کی گئی کنکریوں کے حجم میں حد سے تجاوز کر گیا اس نے غلو کیا، اس نے خود کو ایسی جگہ رکھ دیا جس نے اسے ہلاک کر دیا اور امت کو ہلاک کر دیا۔

امام مسلم نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ، هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ»^(۲۱۱) ترجمہ: متنعون ہلاک ہو گئے، متنعون ہلاک ہو گئے، متنعون ہلاک ہو گئے۔ آپ نے تین مرتبہ دہرایا۔

شارح مسلم امام نووی متنعون کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ایسا شخص جو اپنے افعال و اقوال میں حد سے تجاوز کرے وہ متنعون میں شامل ہے۔^(۲۱۲) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس حد سے تجاوز کیا جسے حکمت والے شارع نے وضع کیا ہے، جو لوگ منہج نبوی میں افراط و تفریط سے کام لیں وہ اہل غلو ہیں۔

امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا تُشَدُّوْا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ، فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ

(۲۱۰) احمد (۲۱۵/۱)، و نسائی (۳۰۵۷)، وابن ماجہ (۳۰۲۹)۔

(۲۱۱) مسلم (۲۶۷۰)۔

(۲۱۲) شرح صحیح مسلم (۲۲۰/۱۶)۔

قَبْلَكُمْ بِتَشْدِيدِهِمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ»^(۲۱۳) ترجمہ: اپنے نفس پر تشدد نہ کرو، تم سے پہلے کی امت اپنے نفس پر تشدد کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے۔

ہم نے مقدمہ میں تین احادیث ذکر کی ہیں، ان تینوں میں غلو فی الدین سے ڈرایا گیا ہے، ان میں قدر مشترک یہ ہے کہ جو غلو میں پڑا وہ ہلاک ہوا، مذکورہ تمام احادیث اور اس کے علاوہ دیگر احادیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ اہل غلو کے لیے صرف ہلاکت ہے، «فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكَ» «هَلَاكَ الْمُتَتَعَطُّونَ» «فَإِنَّمَا هَلَاكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكَ بِتَشْدِيدِهِمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ»۔ جس نے اپنے نفس کو اس طریقے پر ڈالا تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ ہلاکت اس کے پاس چل کر آئے گی۔

اے اللہ کے بندو، اے نوجوانو: [میں خصوصی طور پر تمہیں کہتا چاہتا ہوں] کیونکہ امت کی بیشتر نوجوان نسل ہی غلو کی شکار ہے، اس لیے انہیں غلو کی اشکال معلوم ہونی چاہئیں۔

پہلی شکل:

خود پر اور دوسروں پر ایسی عبادات کو لازم کرنا جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہیں، جب تم کسی انسان کو دیکھو یا اپنے اندر کسی داعی کو دیکھو جو تمہیں تقرب الی اللہ کے لیے ایسی عبادت کو لازم کرے جو دین کا حصہ نہیں ہے تو جان لو کہ وہ غلو ہے اور اس کی متعدد صورتیں ہیں:

(۲۱۳) الحج الکبیر (۶/۷۳، رقم ۵۵۵۱)۔

پہلی صورت:

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ لوگوں کے درمیان خطبہ دے رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص وہاں دھوپ میں کھڑا ہوا ہے، آپ نے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں اور نہ ہی سایہ لیں گے اور نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے، یعنی اس نذر سے ان کا ارادہ یہ تھا کہ تقرب الی اللہ حاصل ہوگا، لیکن یہ تقرب الی اللہ ایسی عبادت سے تھا جو جائز نہیں ہے، انہوں نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑے رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں اور نہ ہی سایہ لیں گے اور نہ کسی سے بات کریں گے اور روزہ رکھیں گے، آپ نے ارشاد فرمایا: «مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَتَعَدَّ، وَلْيَتِمَّ صَوْمَهُ»^(۲۱۳) ترجمہ: انہیں حکم دو کہ وہ بات کریں، سایہ لیں، بیٹھیں اور اپنے روزہ کو پورا کریں۔

چوتھی چیز تو جائز ہے کہ وہ اپنے روزہ کو پورا کریں، مگر باقی کی تینوں چیزیں غلو اور دین سے انحراف و خروج ہے۔

دوسری صورت:

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے بیٹوں کے کندھوں کے سہارے چل

رہا تھا۔ کمزوری کی وجہ سے وہ چل نہیں سکتا تھا، اس کے پیر زمین پر گھسٹ رہے تھے، اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ وہ اسے اٹھائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اسے کیا ہو گیا؟ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، اس نے منت مانا ہے کہ وہ پیدل چلے گا۔ یعنی وہ سواری پر سوار نہیں ہوگا، اس نے اپنی طاقت سے زیادہ اپنے نفس کو مکلف بنالیا ہے، اس نے اپنے اوپر ایسی عبادت لازم کر رکھی ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ عَنِ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسِهِ لَغَنِيٌّ، مُرْوَهُ فَلْيَرْكَبْ»^(۲۱۵) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلاء رکھنے سے غنی و بے نیاز ہے، اس سے کہو کہ سواری پر سوار ہو جائے۔

تیسری صورت:

رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے، اور دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسی بندھی ہوئی ہے، پوچھا: یہ رسی کیسی بندھی ہے؟ عرض کیا گیا: یہ ام المؤمنین [زوجہ رسول] زینب رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ نماز پڑھتی ہیں اور جب قیام لیل کے درمیان تھک جاتی ہیں تو اسی رسی سے لٹک جاتی ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا، حُلْوُهُ لِيُصَلَّ أَحَدُكُمْ نَشَاطَهُ فَإِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ»^(۲۱۶) ترجمہ: ایسا نہیں کرنا چاہئے، اس رسی کو کھول دو۔ جتنی طاقت ہو اتنی ہی نماز پڑھا کریں، اور جب تھک جائیں تو بیٹھ جائیں۔ یہ بھی حد سے تجاوز ہے۔

(۲۱۵) بخاری (۱۸۶۵)، و مسلم (۱۶۴۲)۔

(۲۱۶) بخاری (۱۱۵۰)، و مسلم (۷۸۴)۔

چوتھی صورت:

حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں نکلے ، تو ہم میں سے ایک شخص کو ایک پتھر لگا ، جس سے اس کا سر پھٹ گیا ، پھر یہ شخص بیمار ہو گیا ، اور پھر اتفاق کہ اسے احتلام ہو گیا ، تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا : کہ تمہارے خیال میں کیا مجھے تیمم کر لینا چاہئے [کیونکہ میں غسل نہیں کر سکتا ہوں] ؟ تو ساتھیوں نے کہا : ہمارے خیال میں تمہیں تیمم کی اجازت نہیں ہے ، کیونکہ تم پانی استعمال کر سکتے ہو ، چنانچہ اس نے غسل کیا ، اور پانی اس کے زخم پر لگنے کی وجہ سے وہ فوت ہو گیا ، پھر جب ہم نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا : «قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ» (۲۱۷) ترجمہ : ان لوگوں نے اسے مار ڈالا ، اللہ ان کو مارے ، جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے پوچھا کیوں نہیں ؟ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔ جب انہوں نے فتویٰ میں بھی حد سے تجاوز کیا تو آپ نے فرمایا : «قَتَلُوهُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ، أَلَا سَأَلُوا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوا إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ» ترجمہ : ان لوگوں نے اسے مار ڈالا ، اللہ ان کو مارے ، جب ان کو مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہوں نے کیوں پوچھا کیوں نہیں ؟ نہ جاننے کا علاج پوچھنا ہی ہے۔ یہ بھی غلو کی مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔ جب کسی کو عبادت میں حد سے تجاوز کرتا دیکھو تو جان لو کہ وہ غلو کرنے والا ہے۔

منظہر دوم و سوم:

تعریف میں غلو یا برائی میں غلو، مدح میں غلو کی صورت یہ ہے کہ جب تم کسی کو اپنے مدوح کی تعریف کرتے کرتے اس کے مرتبہ سے اونچا اٹھاتے دیکھو، تو جان لو کہ یہ اہل غلو میں سے ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا، قرآن کی ایک آیت میں یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہی یہ مذکور ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيْرُ بْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ [التوبة: ۳۰]

ترجمہ: یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یہ بھی غلو ہے، کیوں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کو ان کے حقیری مرتبے سے اونچا بتایا، حالانکہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں، ایک اور آیت میں ارشاد ہے: ﴿يَتَّاهَلُ الْكُتُبِ لَا تَعْلَمُوْا فِي دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُولُوْا عَلٰى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَلَمٰٓءُ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَتَامَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُولُوْا ثَلٰثَةً اَنْتَهُوَ خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهُ وَاَحَدٌ سُبْحٰنَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَاَلَدٌ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا﴾ [النساء: ۱۷۱]

ترجمہ: اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ کے متعلق مگر سچی بات بے شک عیسیٰ مسیح ابن مریم صرف اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک روح تھی اس کی طرف پس ایمان لاؤ اللہ

اور اس کے رسول پر اور نہ کہو تین (خدا ہیں) باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور بے شک اللہ تو معبودِ واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا (ملک) ہے جو کچھ آسمان میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کا ساز۔»

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس غلو سے ڈرایا، اور اس راہ پر چلنے کی تشبیہ کی اور ارشاد فرمایا: «لَا تُطْرُونِي» أي: لَا تُثْنُوا عَلَيَّ وَتَمْدَحُونِي «كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ، إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ، فَقُولُوا: عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ»^(۲۱۸) ترجمہ: دیکھو یسری تعریف میں غلو نہ کرنا، جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں غلو کیا ہے، بے شک میں بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔

تعریف کے مقابلہ میں مذمت آتی ہے، اس کام میں اکثر اہل غلو ہی پڑتے ہیں، اپنے مخالفین کی مذمت کا انتہائی درجہ کفر و فسق اور الحاد ہے، تم غلو کرنے والوں کو ہمیشہ دیکھو گے کہ وہ اپنے مخالفین پر کفر و فسق کا تیر چلاتے ہیں چاہے وہ عالم ہی کیوں نہ ہو۔

اسی لئے اہل غلو علماء اور طلباء کی مذمت کرنے میں بے باک ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ علماء کی جماعت ان اہل غلو کے طریقہ کار کے مخالف ہوتی ہے، چنانچہ جب بھی

تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو ہر مجلس، ہر محفل اور ہر کتاب میں علماء ربانیین پر جملے گس رہا ہے، تو جان لو کہ اس کا تعلق اہل غلو سے ہے۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكَفْرِ، إِلَّا أَرْتَدَّ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبَهُ كَذَلِكَ»^(۲۱۹) ترجمہ: جب کوئی شخص کسی پر کفر و فسق کی تیر چلاتا ہے، اور تجھف میں وہ شخص کفر یا فسق کا مرتکب نہیں ہے، تو مذمت کرنے والے کا یہ تیر اسی کی طرف لوٹ آتا ہے۔

چند نوجوانوں کی مصیبت یہ ہے کہ جب وہ انحراف کا شکار ہوتے ہیں تو پورے معاشرے پر کفر کا فتویٰ داغ دیتے ہیں، کبھی کبھار اپنے والدین، بھائیوں اور اہل خانہ تک کو کافر کہہ جاتے ہیں، سبب یہ ہے کہ انہیں صرف اپنی ذات نظر آتی ہے، اور اپنے اندر پائے جانے والے غلو کی وجہ سے انہیں کوئی اور نظر نہیں آتا ہے۔

منظر چہارم:

یہ ہے کہ وہ دوسروں کے مقابل خود کو بلند اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں اسی لیے بہت جلد دوسروں پر کفر کا تیر چلاتے ہیں؛ کیوں کہ وہ خود کو مومن اور حق پر سمجھتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقَرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»^(۲۲۰) ترجمہ: آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کو حقیر سمجھے۔ تم ان لوگوں کو پاوگے کیوں کہ وہ معاشرے کو کافر گردانتے ہیں، اور خود کو ان سے بلند سمجھتے ہیں، وہ ان کی مجالس میں نہیں بیٹھتے، ان کے ساتھ مسجد میں نماز نہیں پڑھتے، تم انہیں بعض زاویوں، خالی گھر یا ایسے گھر میں محصور پاوگے جہاں کوئی آتا جاتا نہیں، کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: [دیکھو، ہمارے نبی نے ہمارے لئے کیسی بڑی بڑی وضاحتیں فرمائی ہیں، ہے کوئی اہل عقل جو ان پر کچھ غور کرے] «الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَىٰ أَذَاهُمْ» أَيَا كَانَ هَذَا الْأَذَى «أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَىٰ أَذَاهُمْ»^(۲۲۱) ترجمہ: وہ مومن جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان کی طرف سے ہونے والی ہر قسم کی تکلیف پر صبر کرتا ہے وہ اجر کے اعتبار سے اس مومن سے بڑھا ہوا ہے جو نہ تو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے ہونے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔

ہاں سچ ہی تو کہا ہے رسول اللہ نے: «إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرَفْقٍ» ترجمہ: یہ ایک مضبوط دین ہے، اس میں بے حد نرمی اختیار کرو۔

(۲۲۰) مسلم (۲۵۶۳)۔

(۲۲۱) احمد (۲۳/۲)، وترمذی (۲۵۰۷)، وابن ماجہ (۳۰۳۲)۔

مظہر پنجم:

مسلمانوں کے خون کو جائز سمجھنا، یہ ایسی عجیب جرات ہے جسے تم ان کے پاس پاؤ گے، وہ مسلمان کے خون کو جائز سمجھتے ہیں، وہ ان کے خون کو کیوں نہ مباح سمجھیں، جب کہ انہوں نے انہیں کافر قرار دے دیا ہے، انہیں حقیر سمجھ لیا ہے اور ان سے خود کو بلند سمجھ لیا ہے، لہذا وہ اس کے خون کو مباح سمجھتے ہیں، یہیں پر بس نہیں بلکہ وہ ان کے خون بہانے کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں، یہ وباء آج کل امت میں موجود ہے، نبی ﷺ نے خبر دے دی ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا قتل کرے گا اور قتل ان میں عام ہو جائے گا، صحابہ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول، کیا وہ مشرکین سے قتال کریں گے؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں گے، انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول، کیا اس وقت ہمارے پاس عقلیں ہوں گی [یعنی ہم پاگل تو نہیں ہو جائیں گے]؟ آپ نے فرمایا: «إِنَّهُ لَنُرْفَعُ عُقُولُ ذَاكَ الزَّمَانِ، وَيُخَلِّفُ لَهُ هَبَاءً»^(۲۲۲) ترجمہ: اس زمانے کی عقلیں رفع ہو جائیں گی اور گرد و غبار ان کی جگہ لے لیں گے۔ یعنی عقل نہیں ہوگی۔ ورنہ تمہارا کیا خیال ہے اس انسان کے بارے میں جو مسلمانوں کے درمیان مسجد میں یا بازار میں یا کسی مکان میں داخل ہو، پھر ان کا قتل کرے، جب کہ اس کا ارادہ تقرب الی اللہ ہے؟

یہ کون سی عقلمندی ہے؟ یہ کیسا عقلمند ہے؟ بقول بعض کہ اس کے دماغ کی صفائی کر دی گئی ہے بلکہ اس کے دماغ کو پلید کر دیا گیا ہے، ایک نوجوان جرات کر کے اپنے ماں باپ کو مار ڈالے صرف اس امید میں کہ اسے تقرب الی اللہ حاصل ہوگا۔ سبب یہ ہے کہ اس کے دماغ میں خباثت گھس گئی ہے کہ خون مباح ہے، اسی لیے انہیں خون بہانے میں لذت ملتی ہے۔

اسی لیے دنیا کے جس بھی خطہ میں انہیں دیکھو گے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ خطہ سراپا فساد بنا ہوا ہے، اس میں صرف خون خرابہ ہوتا ہے، اس میں آبادی، بڑھوتری اور ترقی کبھی نہیں پاو گے، ان کا یہی حال ہے۔ زمانہ قدیم سے ہی جس سرزمین اور جس معاشرہ میں غلو کا سر بلند ہوا، وہاں پر فساد اور خون خرابہ ہوا، اسی لیے ارشاد باری ہے: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مَّتَعِمِدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعْنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ۹۳]

ترجمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آگاہ ہو جاو، میں اور آپ اس فتنے سے دوچار ہیں، اور ہماری نسلیں اس کے زیادہ ستائے ہوئے ہیں، اس حدیث میں کو یاد رکھو، کیوں کہ تمہیں اس کی

اس وقت ضرورت ہوگی جب کوئی آکر تم سے یہ کہے کہ: مسلمان کو قتل کرو، جب تم کہو گے: نہیں، تو دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ تم سے کہا جائے گا: قتل کرو ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا؛ کیوں کہ انہوں نے خون کو مباح سمجھ رکھا ہے، مرویا مارو، اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَجِيءُ الْمَقْتُولُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيئَتَهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهِ وَأُوْدَاجُهُ تَشْحَبُ دَمًا، يَقُولُ: رَبِّ هَذَا قَتَلَنِي» قَالَ: «حَتَّى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ» (۲۲۳) ترجمہ: مقتول قاتل کو قیامت کے دن لائے گا قاتل کی پیشانی اور سر اس کے ہاتھ میں ہوں گے اور اسکی رگوں سے خون بہ رہا ہوگا وہ کہے گا اے میرے رب اس نے مجھے قتل کیا ہے یہاں تک کہ یہ اسکو عرش کے قریب کر دیگا۔

ہاں، اللہ کے دین کی پیروی کرو، اللہ کے راستہ پر چلو اور رسول اللہ کے طریقہ کو اپناو مگر نرم روی سے، کیوں کہ نرم روی جس چیز میں ہوتی ہے اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نکال دی جاتی ہے اسے بدصورت بنا دیتی ہے۔

(۱۹)

أَكْثَرُوا ذِكْرَ هَازِمِ اللَّدَّاتِ

موت سب سے زیادہ خوفناک حادثہ اور سب سے زیادہ سخت ترین معاملہ ہے، اور ایسا برتن ہے جس میں کھانا ناپسندیدہ ہے، موت لذتوں کو ختم کرنے والی، جماعتوں کو تقسیم کرنے والی، راحتوں کو ختم کرنے والی اور ناپسندیدہ چیزوں کو دکھانے والی ہے۔

موت ہماری زندگی کی انتہاء نہیں ہے، بلکہ ایک گھر سے دوسرے کے درمیان ایک پل ہے، وہ گھر ہو سکتا ہے کہ جنت ہو یا جہنم۔

وَلَوْ أَنَّا إِذَا مِتْنَا تُرِكْنَا لَكَانَ الْمَوْتُ رَاحَةً كُلَّ حَيٍّ^(۲۲۴)
وَلَكِنَّا إِذَا مِتْنَا بُعِثْنَا وَنُسْأَلُ بَعْدَهَا عَنْ كُلِّ شَيْءٍ^(۲۲۴)

ترجمہ: اگر ہم مر جائیں اور پھر ہمیں چھوڑ دیا جائے [یعنی کوئی سوال و جواب نہ ہو]، تو ایسی صورت میں یقیناً موت ہر زندہ شخص کے لئے راحت کا سماں ہے، لیکن جب ہم مریں گے تو ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا اور اس کے بعد ہر چیز کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے گا۔

ارشاد باری ہے: ﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَنْ تُبْعَثُنَّ يَمَّا

(۲۲۴) الفاضل للمبرد (ص: ۱۳۰)، وادب الدنيا والدين (ص: ۱۲۰)، وتاريخ بغداد (۱۴/۴۰۷)۔

عَمَلْتُمْ وَذَلِكِ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿﴾ [التغابن: ۷]

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں کبھی دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ کہو: کیوں نہیں؟ میرے پروردگار کی قسم! تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا، پھر تمہیں بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کچھ کیا تھا، اور یہ اللہ کے لیے معمولی سی بات ہے۔

جوامع الکلم کے اس مبارک سلسلے میں آج کی حدیث «أَكْثَرُوا ذِكْرَ هَٰذِمِ اللَّذَاتِ» ترجمہ: لذتوں کو ختم کرنے والی (موت) کو کثرت سے یاد کرو [ہے، اس حدیث کو امام ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۲۲۵)

نبی کریم ﷺ اس چھوٹی سی جامع حدیث میں امت کو یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ لذتوں کو ختم کرنے والی یعنی موت کو کثرت سے یاد کرو، اپنی زبان، اپنے فہم و دماغ اور اپنے دل میں اور آنکھوں کے درمیان کثرت سے یاد کرو، لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو، کیوں کہ یہ مومن کے لیے افضلیت کی دلیل ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر کہا: اے اللہ کے رسول، کونسا مومن افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ اس نے پھر پوچھا: کون سا مومن عقلمند یعنی زیادہ ذہین و فطین ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «أَكْثَرُهُمْ

لِلْمَوْتِ ذِكْرًا، وَأَحْسَنُهُمْ لِمَا بَعْدَهُ اسْتِعْدَادًا، أُولَئِكَ الْأَكْيَاسُ» (۲۲۶)
ترجمہ: جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور ما بعد الموت کی زندگی کے لیے اچھی طرح تیاری کرے، یہی لوگ عقلمند ہیں۔

ہر صبح و شام کسی مرد و عورت کے مرنے کی خبر ہمارے پاس آتی ہے، ہم جا کر نماز جنازہ ادا کر لیتے ہیں تو یکا یک جنازوں کی ایک بڑی تعداد ہو جاتی ہے، عبرت کے لئے موت ہی کافی ہے۔

جب کبھی تم دیکھو کہ جنازہ لے جایا جا رہا ہے تو یہ جنازہ ہی تمہارے لئے ایک کر بناک عبرت کا ساماں ہو جانا چاہئے؛ کیوں کہ اے اللہ کے بندو، یہ جنازہ تمہیں اور مجھے اپنے اس ٹھکانے کی یاد دلاتا ہے جس کی طرف ہم سب کو جانا ہے۔

موت کے متعلق گفتگو درج ذیل ان پانچ حقائق کے ارد گرد گھومتی ہے، یہ ایسے حقائق ہیں جن کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

پہلی حقیقت:

تمام مخلوق کے لئے موت کا آنا حقیقت ہے، اس میں کسی قسم کا استثناء نہیں ہے، لہذا موت تمام مخلوق کے حق میں برحق ہے، تو موت ہر کسی کو آتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۗ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [۸۸] [القصص: ۸۸]

ترجمہ: ہر چیز فناء ہونے والی ہے، سوائے اس ذات کے، حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

ارشاد باری ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾﴾

[الرحمن: ۲۶-۲۷]

ترجمہ: اس زمین میں جو کوئی ہے، فناء ہونے والا ہے۔ اور (صرف) تمہارے پروردگار کی جلال والی، فضل و کرم والی ذات باقی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ یہ دعاء کیا کرتے تھے: «أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ، الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الَّذِي لَا يَمُوتُ، وَالْإِنْسُ وَالْجِنُّ يَمُوتُونَ»^(۲۲۷) ترجمہ: تیری عزت کی پناہ چاہتا ہوں، نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، جو مرتا نہیں ہے، اور انسان و جنات مر جاتے ہیں۔

ایک آیت ہے جسے ہم بار بار پڑھتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں، جب کبھی تم جنازہ کو دیکھتے ہو تو وہ آیت یاد آتی ہے، اگر کسی کو اس روئے زمین پر رہنا ہوتا تو رسول اللہ کی ذات ہوتی کیوں کہ وہ اشرف المخلوقات اور اللہ کے سب سے محبوب بندے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿٣٠﴾﴾

[الزمر: ۳۰]

ترجمہ: (اے پیغمبر) موت تمہیں بھی آنی ہے اور موت انہیں بھی آنی ہے۔ یہ حقیقت ہے، ہمیشہ اسے یاد کرنا ہمارے لئے ضروری ہے۔

جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور اس حقیقت کی یاد دہانی کرائی، فرمایا: «يَا مُحَمَّدُ! عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحِبِّ مَنْ شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ»^(۲۲۸) ترجمہ: اے محمد! جیسے چاہے جو مگر تمہیں موت آنی ہے، جو چاہو پسند کرو مگر تمہیں اسے چھوڑ کر جانا ہے، جو چاہو کرو مگر تمہیں اس کا بدلہ ملنے والا ہے۔

موت برحق اور لازمی ہے، احباب کی جدائی ضروری و لازمی ہے، اور اسی طرح جو کچھ بندہ آگے بھیج چکا ہے اس کا ملنا حتمی و لازمی ہے۔

جبریل نے فرمایا: «عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ، وَأَحِبِّ مَنْ شِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهُ، وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مُلَاقِيهِ» ترجمہ: جیسے چاہے جو مگر تمہیں موت آنی ہے، جو چاہو پسند کرو مگر تمہیں اسے چھوڑ کر جانا ہے، جو چاہو کرو مگر تمہیں اس کا بدلہ ملنے والا ہے۔ حق تعالیٰ نے سچ ہی کہا ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ رُحِّحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمَتَعٌ الْعُرُورِ﴾ ﴿۱۸۵﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

ترجمہ: ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے)

پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ صحیح معنی میں کامیاب ہو گیا، اور یہ دنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سواء کچھ بھی نہیں۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبَلُّوْكُمْ بِالْخَيْرِ وَآلِئِنَّكُمْ لَآتَيْنَاكُمْ تَرْجِعُونَ﴾ [الأنبياء: ۳۵]

ترجمہ: ہر جان دار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمہیں آزمانے کے لیے بری بھلی حالتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اور تمہیں ہمارے پاس لوٹایا جائے گا۔

دوسری حقیقت:

موت کا ایک متعین وقت ہے، نہ پہلے آئے گی اور نہ بعد میں، چاہے ہم جو بھی اسباب اختیار کر لیں، جو اللہ کے علم میں لکھا جا چکا اس سے نہ پہلے آئے گی اور نہ ہی اس کے بعد؛ کیوں کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كَتَبْنَا مُوَجَّلَاتِهَا﴾ [آل عمران: ۱۴۵]

ترجمہ: اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

تَعْمَلُونَ﴾ [المنافقون: ۱۱]

ترجمہ: اور جب کسی شخص کا معین وقت آجاتا تو اللہ اسے ہرگز مؤخر نہیں کرتا۔ ذرا بھی تاخیر نہیں ہوگی چاہے ہم جو بھی اسباب اختیار کر لیں، دیواروں کو مضبوط کر لیں، چہار دیواری اونچی کر لیں اور زمین کے اندر چلے جائیں۔ جب موت آجائے گی تو اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔

ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں دعاء کر رہی تھی اور رسول اللہ ﷺ اس دعاء کو سن رہے تھے۔ وہ دعاء یہ تھی: یا اللہ! میرے شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے باپ ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کو میرے لئے لمبی راحت کا ساماں بنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «قَدْ سَأَلَتِ اللّٰهَ لَا جَالَ مَضْرُوبَةٍ، وَأَيَّامٍ مَّعْدُودَةٍ، وَأَرْزَاقٍ مَّقْسُومَةٍ، فَلَنْ يُعَجَّلَ اللّٰهُ شَيْئًا قَبْلَ حِلِّهِ، وَلَنْ يُؤَخَّرَ شَيْئًا عَنْ حِلِّهِ، وَلَوْ كُنْتَ سَأَلْتِ اللّٰهَ أَنْ يُعِيدَكَ مِنْ عَذَابِ فِي النَّارِ، أَوْ عَذَابٍ فِي الْقَبْرِ لَكَانَ خَيْرًا وَأَفْضَلَ»^(۲۲۹) ترجمہ: تو نے اللہ تعالیٰ سے وہ چیزیں مانگیں جن کے اوقات مقرر ہو چکے ہیں، دن گئے جا چکے ہیں اور روزیاں بٹ گئی ہیں، کسی چیز کو اللہ تعالیٰ اس کے وقت سے مقدم نہیں کرے گا، اور نہ اس کے وقت مؤخر کرے گا، اگر تو اللہ سے یہ مانگتی کہ تجھ کو دوزخ کے عذاب سے یا قبر کے عذاب سے بچائے، تو بہتر ہوتا اور افضل ہوتا۔

تیسری حقیقت:

موت سے فرار ممکن نہیں، انسان کو چاہے جتنی طاقت، ذہانت، مقام و مرتبہ، سلطنت اور مال دے دیا جائے مگر پھر بھی اس کے لیے موت سے فرار ممکن نہیں۔ جتنی جلدی تم اس سے فرار اختیار کرو گے اتنی جلدی موت سے ملاقات ہوگی، جس قدر تم بھاگو گے اسی قدر وہ تمہارے سامنے آئے گی۔ ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلِّيِّ الْعَالِيِّ وَالشَّهَادَةَ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ [الجمعة: ۸]

ترجمہ: کہو کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم سے آملنے والی ہے، پھر تمہیں اس (اللہ) کی طرف لوٹایا جائے گا جسے تمام پوشیدہ اور کھلی ہوئی باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تُمْنَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [الأحزاب: ۱۶]

ترجمہ: (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو کہ: اگر تم موت سے یا قتل سے بھاگ بھی جاؤ تو یہ بھاگنا تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اس صورت میں تمہیں (زندگی کا) لطف اٹھانے کا جو موقع دیا جائے گا وہ تھوڑا ہی سا ہوگا۔ جب انسان منہ موڑتا ہے تو ہر جانب اسے موت ہی نظر آتی ہے، ﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ

ذَلِكَ مَا كُنْتُمْ مِنْهُ تَحِيدُ﴾ [ق: ۱۹]

ترجمہ: اور موت کی سختی سچ مچ آنے ہی والی ہے۔ (اے انسان) یہ وہ چیز ہے جس سے تو انحراف کرتا تھا۔

چوتھی حقیقت:

اللہ کے سوا کسی کو بھی موت کا اس کا وقت کا اور اس کی جگہ کا علم نہیں، ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ [لقمان: ۳۴]

ترجمہ: یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، وہی بارش برساتا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، اور کسی تنفس کو یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کل کیا کمائے گا اور نہ کسی تنفس کو یہ پتہ ہے کہ کونسی زمین میں اسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مکمل علم رکھنے والا، ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ تو جو کوئی تم سے کہے کہ تم کل یا ایک ہفتہ بعد یا ایک مہینہ بعد مر جاو گے تو تم اس سے کہو کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے، اس کا جاننے والا اللہ ہی ہے، یہ حقیقت ہے جسے ہم نے اللہ کی کتاب سے سیکھا۔

پانچویں حقیقت:

موت میں مومنین کے لیے راحت ہوتی ہے، ہاں، جو لوگ تم سے پہلے دنیا

چھوڑ جاتے ہیں، تمہیں ان کے جانے پر بہت غم ہوتا ہے، اور تم افسوس میں رہتے ہو، لیکن تم یہ نہیں جانتے ہو کہ اگر وہ سچے و نیک و کار اور مومن ہیں، تو موت ان کے لئے دنیا کی پریشانیوں، مشقتوں، اور مصیبتوں سے راحت کا ذریعہ ہے۔

بخاری میں حضرت قتادہ بن ربیع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قریب سے لوگ ایک جنازہ لے کر گزرے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «مستراح» او مستراح منہ» ہے یعنی اسے آرام مل گیا، یا اس سے آرام مل گیا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! «المستراح او المستراح منہ» کا کیا مطلب ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ، وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالذَّوَابُّ» (۲۳۰) ترجمہ: مومن بندہ دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات پا کر اللہ کی رحمت میں راحت پالیتا ہے وہ «مستراح» ہے اور «مستراح منہ» وہ ہے کہ فاجر بندہ [کی اذیت] سے اللہ کے بندے، شہر، درخت اور چوپائے سب راحت پالیتے ہیں۔

کچھ لوگ موت کو یاد کرنا پسند نہیں کرتے، اور کسی کو بھی موت کے بارے میں تقریر، نصیحت اور بات سننے کی خواہش نہیں ہوتی ہے، لیکن جب تم قرآن پڑھو گے تو تمہیں موت کے بارے میں کوئی آیت مل ہی جائے گی، اور جب سیرت پڑھو گے تو موت کے بارے میں کوئی بات مل ہی جائے گی، ہمیں موت کا تذکرہ

کیوں پسند نہیں، جب کہ موت ہمیں ہماری نیند سے بیدار کرتا اور غفلت سے ہمیں آگاہ کرتا ہے؟

جب میں موت کو یاد کرتا ہوں اور اس کے مذکورہ حقائق کو یاد کرتا ہوں تو تاکہ اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤں، اور اپنی غفلت سے آگاہ ہو جاؤں، جو شخص خطبہ سن رہا ہے اور وہ نماز نہیں پڑھتا ہے، اسے یہ بات تو معلوم ہوگی کہ اسے ایک نہ ایک دن مرنا ہے، تو پھر بھی کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا، اسی طرح وہ شخص والدین کی نافرمانی کرنے والا ہے، وہ بھی جانتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا، جو لوگوں کا مال کو ناحق طریقوں سے کھاتا ہے، جو عوام کے مال کو چراتا ہے اور جو کمزور اور مسکین کے مال کو چراتا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا، اور جسے شراب کی لت ہے اور منشیات کا عادی ہے وہ بھی جانتا ہے کہ موت اس کے سامنے ہے، کیا وہ متنبہ نہیں ہوگا!

ابھی تھوڑی دیر بعد ہو سکتا ہے کہ ہم کسی کا جنازہ لے کر چلیں، یا کسی کی تعزیت کرنے چلیں، اے اللہ کے بندے، کیا تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ ایک نہ ایک دن میرا اور تمہارا جنازہ اٹھایا جائے گا اور ہمارے گھر والوں کے پاس لوگ تعزیت کے لئے آئیں گے۔

میں نے جو بات ذکر کی ہے، یہ کوئی بہت بڑی بات یا ایسی معلوماتی بات نہیں ہے جس کا ذکر کیا جائے۔ لیکن پھر بھی میں نے اس لئے ذکر کیا ہے، تاکہ یہ

میرے اور آپ کے لئے نصیحت ہو جائے، کیونکہ انسانی نفس کو اگر نصیحت نہ کی جائے، تو وہ سرکش بن جاتا ہے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

يَا نَفْسُ تُوِي فَإِنَّ الْمَوْتَ قَدْ حَانَ
أَمَا تَرَيْنَ الْمَنَايَا كَيْفَ تَلْقَطُنَا
فِي كُلِّ يَوْمٍ لَنَا مَيِّتٌ نُشِيعُهُ
أَيُّنَ الْمُلُوكِ وَأَبْنَاءِ الْمُلُوكِ
صَاحَتْ بِهِمْ حَادِثَاتُ الدَّهْرِ فَانْقَلَبُوا
خَلُوهَا مَدَائِنَ كَانَ الْعِزُّ مَفْرَشَهَا
مَضَى الزَّمَانُ وَوَلَّى الْعُمُرُ فَيَلْعَبُ
وَاعْصِي الْهَوَىٰ فَالْهَوَىٰ مَا زَالَ فَتَانَا
لَقَطًا فَتَلْحِقُ أُخْرَانَا بِأَوْلَانَا
نَرَىٰ بِمَصْرَعِهِ آثَارَ مَوْتَانَا
وَمَنْ كَانَتْ تَحِرُّ لَهُ الْأَذْقَانُ إِذْعَانَا
مُسْتَبَدِّلِينَ مِنَ الْأَوْطَانِ أَوْطَانَا
وَاسْتَفْرَشُوا حُفْرًا غُبْرًا وَقِيَعَانَا
يَكْفِيكَ مَا قَدْ مَضَى قَدْ كَانَ مَا كَانَا^(۲۳۱)

ترجمہ: اے نفس توبہ کر لے کیوں کہ موت قریب آچکی ہے، اور خواہشات نفسانی کی بات نہ مان کیوں کہ خواہشات نفسانی دلکش ہوتی ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ موت کیسے اچک لیتی ہے پھر وہ بعد والوں کو پہلے والوں سے ملا دیتی ہے۔ ہر دن ہمارے لیے میت ہے جسے ہم خیر آباد کہتے ہیں، اس کی قبر میں ہم اپنی موت کے آثار دیکھتے ہیں۔ بادشاہ اور شاہزادے اور وہ لوگ جن کے سامنے عزت و ہیبت سے سر جھک جاتے تھے، کہاں چلے گئے یہ سب لوگ؟ زمانے کے حادثات

نے انہیں آواز لگائی تو ایک وطن سے دوسرے وطن منتقل ہو گئے۔ انہوں نے شہر چھوڑ دیئے، عزت جن کا بچھونا تھی، وہ جا کر مٹی میں لت پت گڑھے میں بستر بچھا کر سو گئے۔ زمانہ گزر گیا اور عمر کھیل میں گزری، ماضی تمہارے لیے کافی ہے، جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔

(۲۰)

القَبْرِ أَوَّلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ

جوامع العلم کے مبارک سلسلے کی یہ حدیث ہے جسے عثمان رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ، فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ» رواه الترمذی^(۲۳۲) ترجمہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو اس سے نجات پاگیا تو آگے کی منزلیں اس سے آسان ہیں، اور اگر اس سے نجات نہ پاسکا تو بعد کی منزلیں اس سے بھی سخت ہیں۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ یہ بہت جامع حدیث ہے اور ہماری سابقہ گفتگو سے ہی متعلق ہے۔

قبر کے بارے میں یہ بات یاد رکھیں کہ اس میں نجات پانے کا مطلب بعد میں نجات یقینی ہے، اور اس میں ناکامی و خسارے کا مطلب بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ سخت اور خطرناک ہوں گی۔

قبر بہت بڑی واعظ ہے، یہ ایک خاموش واعظ ہے، جو ہمیں ایسی آواز سے نصیحت کرتی ہے کہ ہم اس کی آواز پر ٹھہر جانے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور پھر وہ ہمیں نصیحت کرتی ہے، اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم

قبروں کی زیارت کریں، کیوں کہ یہ ہمیں آخرت کی یاد دلاتی ہے (۲۳۳)۔

قبر گذرگاہ اور قیامگاہ کے درمیان ایک پلیٹ فارم ہے، جیسا کہ حق جل شانہ نے ارشاد فرمایا: ﴿حَقَّ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ﴾ (۹۱) لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۰۰﴾ [المؤمنون: ۹۹-۱۰۰]

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آکھڑی ہوگی تو وہ کہے گا کہ: میرے پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجئے۔ تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ کر آیا ہوں، اس میں جا کر نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے ان کو اٹھائے جانے کے دن تک۔ مجاہد اور ضحاک کہتے ہیں: موت اور دوبار اٹھائے جانے کے درمیان برزخ آڑ ہے (۲۳۳)۔

قبر پہلی منزل ہے جس میں بندہ دنیا کی منزلوں کو چھوڑنے کے بعد جاتا ہے۔ قبر عمل کا صندوق ہے، چنانچہ بندے نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ اسے قبر میں پائے گا؛ اسی لیے شاعر کہتا ہے:

(۲۳۳) احمد (۳۵۵/۵)، و ترمذی (۱۰۵۴) و مسلم (۹۷۷)۔

(۲۳۴) تفسیر الطبری (۷۱/۱۹)، و تفسیر القرطبی (۱۵۰/۱۲)۔

يَا مَنْ بَدُنِّيَاهُ اشْتَغَلَ وَغَرَّةُ طُولِ الْأَمَلِ
الْمَوْتُ يَأْتِي بَغْتَةً وَالْقَبْرُ صُنْدُوقُ الْعَمَلِ^(۲۳۵)

ترجمہ: اے وہ جو اپنی دنیا ہی میں مشغول رہا اور لمبی لمبی امیدوں نے اسے دھوکے میں رکھا۔ موت اچانک آتی ہے اور قبر عمل کا صندوق ہے۔

قبر ہمارے اعمال کا نتیجہ اور ہماری کھیتی کے ثمر کی جگہ ہے، وہ نتیجہ یا تو جنت ہے یا پھر جہنم کا گڑھا اور آگ ہے، میں اللہ سے دعاء گو ہوں کہ وہ ہماری اور ہمارے والدین کی قبروں کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے۔ آمین

نبی کریم ﷺ نے ہمارے لیے نیک مومن اور بد بخت کافر یا منافق کے درمیان فرق کو واضح کر دیا کہ اس کی قبر کیسی ہوگی اور اُس کی قبر کیسی ہوگی، آپ نے ہمارے لیے ایسے واقعات بیان کئے، جو کو صرف وہی شخص جان سکتا ہے، جس کے پاس وحی کا نزول ہوتا ہو، اللہ اپنے نبی کی شان میں فرماتا ہے: ﴿وَمَا

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ ﴿۲﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۴﴾﴾ [النجم: ۴-۳]

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

لہذا وہ قبر جس کے پاس ہم کھڑے ہوتے ہیں، نہ تو ہم اس میں کچھ دیکھتے ہیں اور نہ ہی کچھ سنتے ہیں، لیکن قبر کے نیچے حادثات اور ہولناکیاں اور اسی طرح خوشیاں

اور مسرتیں ہوتی ہیں، جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے، جو ہمارے اعمال کا نتیجہ اور کھیتی کا ثمر ہوتی ہیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نیک فرمانبردار مومن کی قبر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: «إِذَا وُضِعَ الْعَبْدُ فِي قَبْرِهِ وَعُرِضَ عَلَيْهِ السُّؤَالُ فَأَجَابَ فِي الْجَوَابِ؛ فَإِذَا بِصَوْتٍ لَا يَسْمَعُهُ إِلَّا صَاحِبُ الْقَبْرِ قَالَ: فَيَنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِي، فَأَقْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَالسِّسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا مِنَ الْجَنَّةِ، فَيَأْتِيهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّةَ بَصَرِهِ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ طَيِّبُ الرَّيْحِ، فَيَقُولُ لَهُ: أَبَشِّرْ بِالَّذِي يَسْرُكَ فَهَذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ. فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهَكَ الْوَجْهَ الَّذِي بَأْتِي بِالْخَيْرِ، فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ» ترجمہ: جب بندے کو قبر میں اتارا جاتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے، پھر وہ صحیح جواب دے دیتا ہے تو ایک آواز ہوتی ہے جسے صاحب قبر کے علاوہ کوئی نہیں سنتا، ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، لہذا اس کیلئے جنت کا بچھونا بچھا دو اور جنت کا لباس پہنا دو اور جنت کا دروازہ اس کے لیے کھول دو، تاکہ اس کے پاس جنت کی خوشبو آئے، اور اس کی قبر کو تا حد نگاہ وسیع کر دیا جاتا ہے اور اس کے پاس خوبصورت چہرے والا اچھی خوشبو لگائے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے: تمہیں بشارت ہو کہ تمہیں وہی کچھ ملے گا جس سے تم خوش ہو گے، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، وہ پوچھے گا کہ تم کون؟ تو وہ کہے گا کہ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ یہ تو نیک مومن کی قبر کا حال ہے۔ بدکار، فاسق کافر و منافق کی قبر کیسی ہوگی؟

جس وقت اس کافر سے سوال کیا جائے گا، اور اس کی جو حالت ہوگی، اس کو بیان کرنے کے بعد نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَيُنَادِي مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ، فَأَفْرِشُوهُ مِنَ النَّارِ، وَالْبَسُوهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا مِنَ النَّارِ، فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسُمُومِهَا، وَيُضَيِّقُ عَلَيْهِ قَبْرَهُ حَتَّى تَحْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ فَيَسُحُّ الْوَجْهَ مُتَيْنِ الرِّيحِ فَيَقُولُ: أَبَشِرْ بِالَّذِي يَسُوُوكَ فَهَذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوَعَّدُ. فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الْحَبِيثُ. فَيَقُولُ: رَبِّ لَا تَقِمِ السَّاعَةَ» (۲۳۶) ترجمہ: پکارنے والا آسمان سے پکارے گا کہ اس نے جھوٹ کہا، اس کے لئے آگ کا بستر بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جہنم کے دروازے کھول دو، پھر جہنم کی گرمی اس کو محسوس ہونے لگے گی، اور اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں مل جائیں گی اور ایک بدبودار قبیح چہرے والا شخص اس کے پاس آئے گا اور کہے گا آگے ملنے والی بری چیزوں کی بشارت ہو، یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ پوچھے گا کہ تم کون ہو تو وہ جواب دے گا کہ میں تمہارا برا عمل ہوں۔ تو وہ کہے گا: اے رب قیامت نہ قائم کرنا۔

جبکہ پہلی قبر والا کہے گا کہ اے رب قیامت قائم کر، اے رب قیامت قائم کر؛ کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ جب یہاں نجات مل گئی تو وہاں بھی نجات مل جائے گی،

اور مابعد کی منزلیں مزید آسان ہوں گی اور اس کافر کو معلوم ہے کہ جب یہاں فیل ہو جائیں تو وہاں بھی فیل ہوں گے اور مابعد کی منزلیں مزید دشوار ہوں گی۔

قبر بہت خطرناک منظر ہے، حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا رَأَيْتُ مَنْظَرَ أَقْطُ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْطَعُ مِنْهُ» (۲۳۷) ترجمہ: میں نے قبر سے زیادہ ہولناک کوئی منظر نہیں دیکھا۔

عبرت یہ نہیں ہے کہ ہم قبر سے ڈریں، کیوں کہ بعض قبریں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہیں، بلکہ عبرت یہ ہے کہ ہم یاد کریں کہ ہم بھی ایک دن اسی قبر میں جانے والے ہیں، وہ یا تو جنت کے باغوں سے میں ایک باغ ہوگی یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ عقلمند وہی ہے جو اس صندوق کے لیے نیک عمل جمع کرے جس میں اسے اتارا جائے گا۔

اے اللہ کے بندو! میں خود کو اور تمہیں بعض ایسی غلطیوں کو بتانے جا رہا ہوں جس میں ہم پڑ جاتے ہیں پھر وہ عذاب قبر کا سبب بن جاتا ہے، وہ بہت زیادہ ہیں، میں تین نمونے ذکر کرتا ہوں:

پہلا نمونہ:

چغلی خوری عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، بخاری میں ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: «إِنَّهُمَا لِيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْسِي بِالنَّمِيمَةِ»^(۲۳۸) ترجمہ: ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، انہیں کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جا رہا ہے، پہلے کو عذاب اس لیے ہو رہا ہے کیوں کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرے کو اس لیے ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا تھا۔ تو جو شخص لوگوں کے درمیان، دوستوں کے درمیان، گھر والوں کے درمیان چغلی کھاتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ بہت بڑے گناہ میں پڑا ہوا ہے، اگرچہ وہ اسے معمولی لگے، لیکن یہ عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

دوسرا نمونہ:

چوری اور دوسرے کے مال میں دست درازی کرنا، لوگوں کا مال لینا اور عوامی ملکیت پر قبضہ جمانا، چاہے وہ چھوٹی ہی چیز کیوں نہ ہو، یہ عذاب قبر کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ بخاری کی ایک حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر کی لڑائی کے لیے نکلے۔ [اس کے بعد راوی نے جنگِ خیبر کے واقعات کا تفصیلی ذکر کیا] پھر فرمایا: کہ نبی کریم ﷺ کو ایک غلام ہدیہ میں پیش کیا گیا، اس غلام کا نام مدعم تھا۔ آپ ﷺ نے اس

غلام کو اپنی سواری سنبھالنے کی ذمہ داری سونپی، اور یہ غلام نبی کریم ﷺ کی سواری سنبھال رہا تھا کہ ایک انجان تیر آ کر لگا اور وہ فوت ہو گیا۔ لوگوں نے کہا کہ جنت اسے مبارک ہو، کیا ہی خوب غلام ہے، نبی کی خدمت میں مشغول ہے، اور جنگ کے میدان میں اس کی موت ہوئی ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كَلَّا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ حَيْبَرَ مِنَ الْغَنَائِمِ، لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلَ عَلَيْهِ نَارًا»^(۲۳۹) ترجمہ: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ کمبل جو اس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے چرا لیا تھا، وہ اس پر آگ کا انگارہ بن کر بھڑک رہا ہے۔

اس غلام نے ایک کپڑا یا ایسی ہی کوئی اور چیز لے لیا تھا، مالِ غنیمت میں سے چرا لیا تھا، جبکہ ابھی اس کی تقسیم ہونی باقی تھی، ایک معمولی کپڑے کا ٹکڑا، تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کے سامنے یہ بات کہی، جو یہ گمان کر رہے تھے کہ یقینی طور پر یہ غلام جنتی ہے، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: «كَلَّا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ حَيْبَرَ مِنَ الْغَنَائِمِ، لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ، لَتَشْتَعِلَ عَلَيْهِ نَارًا»^(۲۴۰) ترجمہ: ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ کمبل جو اس نے تقسیم سے پہلے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے چرا لیا تھا، وہ اس پر آگ کا انگارہ بن کر بھڑک رہا ہے۔

(۲۳۹) بخاری (۶۷۰۷)۔

(۲۴۰) بخاری (۶۷۰۷)۔

وہ عقلمند جس نے کسی کے مال کی طرف ہاتھ بڑھا کبھی کر لے لیا، وہ اب یہ مال واپس کر دے، قبل اس کے کہ اس صندوق میں چلا جائے پھر اس پر آگ بنکر بھڑکے، چاہے وہ اس کمبل کی طرح کوئی چھوٹی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

تیسرا نمونہ:

جب کسی سے قرض کے طور پر کچھ رقم لی جائے اور اس کی نیت دھوکہ دینے کی ہو، کہ وہ قرض نہ لوٹائے گا: ایک جلیل القدر صحابی ہیں سعد بن اطول، وہ فرماتے ہیں: میرا بھائی تین سو درہم چھوڑ کر انتقال کر گیا، اور اس کو بال بچے تھے، میں نے وہ درہم اس کی عیال پر خرچ کرنا چاہا تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَخَاكَ» یعنی: فی قبرہ «مَحْبُوسٌ بِدَيْنِهِ فَأَقْضِ عَنْهُ»^(۲۳۱) ترجمہ: تمہارا بھائی اپنی قبر میں قرض کی وجہ سے قید میں ہے، پہلے اس کا قرض ادا کرو۔ قبل اس کے کہ وراثت تقسیم کی جائے، کیوں کہ اللہ نے وراثت میں وارثوں سے پہلے وصیت اور قرض کی ادائیگی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِيكُ بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾ [النساء: ۱۲]

ترجمہ: (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔

جو لوگوں سے قرض لیتا ہے، اور اس کو ادا نہیں کرتا ہے، اور اس کی نیت بھی

ادا کرنے کی نہیں ہوتی ہے، صرف اپنے خواہشات پوری کرنے کے لئے لیتا ہے، اور اپنے آپ کو بڑا چالاک سمجھ بیٹھتا ہے، تو ایسے شخص کو کہا جائے گا، کہ تم نے یہ جو مال لیا ہے، اس کی سزایہ ہے کہ تمہیں قبر کے گڑھے میں قید رکھا جائے گا۔

اے اللہ کے بندو، عقلمند وہی ہے جو اس طرح کے تقریروں سے فائدہ اٹھا لے، ان کو تفریحی بات نہ سمجھے، یا کوئی ایسی بات نہ سمجھے کہ بس سن لیا، اور پھر وہی اپنی پرانی رفتار پر چل پڑے، بلکہ ان جیسے خطبات کو جنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک جانے کا ذریعہ بنائیں۔

عذاب قبر سے نجات اس نیک عمل سے ہوگی جو خالص اللہ کے لیے کیا گیا ہو، ابن حبان نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے ان حادثات کے بارے میں بتلادیا جو قبر میں ہوں گے اور عذاب قبر سے نجات کی صورتیں بھی بیان فرمادیں، فرمایا: «إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ» ترجمہ: جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اے اللہ کے بندے، مجھے امید ہے کہ جب تم قبر میں جاؤ اور میت کو اتارو یا تمہارے سامنے میت کو اتارا جائے تو اس حدیث کو ضرور یاد کرو، اس حدیث سے اپنے نفس کو خطاب کرو۔ آپ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ حَفَقَ نَعَالِهِمْ حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ، فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتْ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ» ترجمہ: جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو لوگوں کے واپسی کے وقت وہ ان کے جوتوں کی آواز سن رہی ہوتی ہے۔ اگر وہ مومن ہے

تو نماز اس کے سر کے پاس ہوتی ہے۔ دیکھو نجات کہاں ہے؟ اے نمازی سنو، نماز سے مقصود نماز کی پابندی کرنا ہے، نماز سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جمعہ پڑھا جائے اور ہفتہ کی باقی نمازیں نہ پڑھی جائیں، نماز سے مقصود یہ نہیں ہے کہ ایک فرض نماز پڑھے، اور دوسری چھوڑ دے، اور جب من میں آئے تب پڑھے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَانَتْ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ، وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَمِينِهِ، وَكَانَتِ الزَّكَاةُ عَنْ شِمَالِهِ، وَكَانَ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّلَاةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَالَ: فَيُؤْتَى -يعني: يَأْتِيهِ الْعَذَابُ- فَيُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ، فَتَقُولُ الصَّلَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ -صَلَاتُكَ هَذِهِ تُدْفَعُ عَنْكَ فِي قَبْرِكَ- فَيُؤْتَى عَنْ يَمِينِهِ، فَيَقُولُ الصِّيَامُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ. فَيُؤْتَى عَنْ يَسَارِهِ، فَتَقُولُ الزَّكَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، فَيُؤْتَى مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ، فَتَقُولُ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ، فَيَنْجُو» (۲۴۲)

ترجمہ: اگر مومن ہے تو نماز اس کے سر ہانے، اور روزے اس کے دائیں طرف اور زکوٰۃ اس کے بائیں طرف اور صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور لوگوں کے ساتھ بھلائی جیسے نیک اعمال اس کے پیر کی طرف ہوتے ہیں، تو جب عذاب سر کی طرف سے آتا ہے تو نماز کہتی ہے: میری طرف سے راستہ نہیں ہے، یعنی نماز قبر میں تمہارا دفاع کرتی ہے۔ پھر وہ دائیں طرف آتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے پھر وہ بائیں

طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے پھر وہ پیروں کی طرف سے آتا ہے تو نیک اعمال جیسے صلہ رحمی، صدقہ اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کہتے ہیں کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے تو وہ نجات پا جاتا ہے۔

بندہ پر لازم ہے کہ وہ ان عظیم چہار دیواریوں کی پابندی کرے اور اپنی جان کو محفوظ کرے، وہ چہار دیواری نماز، روزہ، زکوٰۃ، نیک عمل اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک ہے، یہ سب قبر میں اس کی حفاظت کرتے ہیں، ورنہ مالک بن دینار کا یہ واقعہ سنو، کہ وہ قبروں کے پاس سے گزرے اور وہاں کھڑے ہو کر فرمایا:

أَتَيْتُ الْقُبُورَ فَنَادَيْتُهَا فَأَيْنَ الْمَعْظَمِ وَالْمَحْتَقَرِ
وَأَيْنَ الْمَدِيدِ بِسُلْطَانِهِ وَأَيْنَ الْمَرْكَبِ إِذَا مَا افْتَحَرَ

ترجمہ: میں قبروں کے پاس آیا اور انہیں آواز دی، عظیم اور حقیر لوگ اور اپنی سلطنت کے نشہ میں چور اور اپنے آپ کی بڑائی کرنے والے لوگ کہاں ہیں جو فخر کیا کرتے تھے۔

وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے قبر سے ایک آواز سنی:

تَفَانُوا جَمِيعًا فَمَا خُبِرٌ
تَرُوحٌ وَتَغْدُو بَنَاتُ الشَّرِيِّ
وَمَاتُوا جَمِيعًا وَمَاتَ الْخَبِرُ
فَتَمَحُّو مَحَاسِنَ تِلْكَ الصُّورِ
أَمَا لَكَ فِيمَا تَرَى مُعْتَبَرٌ (۲۴۳)

ترجمہ: سب کے سب فنا ہو گئے اور کوئی مخبر نہیں رہا، وہ کیا مرے کہ ان کی خبر بھی مر گئی۔ زمین کی سیٹیاں صبح و شام آتی جاتی ہیں پھر ان چہروں کی خوبصورتی ختم ہو جاتی ہے۔ اے گزرے لوگوں کی حالت دریافت کرنے والے کیا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، کیا اس میں تمہارے لئے عبرت نہیں ہے؟

مالک بن دینار کے اس واقعے میں عبرت کی جگہ یہ جملہ ہے: ”کیا تم جو کچھ دیکھ رہے ہو، اس میں تمہارے لئے عبرت نہیں ہے“۔ عبرت یہی ہے کہ بندہ جو دیکھتا ہے اس سے عبرت لے اور عبرت یہی ہے کہ بندہ گزشتہ لوگوں سے نصیحت حاصل کرے۔

(۲۱)

لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ

اللہ کے رسول ﷺ کے جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی یہ حدیث بھی ہے جسے امام ترمذی نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، وَأَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُحْطِئَتْهُ، وَمَا أَخْطَاهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ» (۲۴۴)۔

ترجمہ: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اچھی بری تقدیر پر ایمان نہ لائے، اور اس بات پر ایمان نہ لائے کہ جو کچھ اس کو ملا ہے، وہ اس سے کبھی چوکنے والا نہیں تھا، اور جو اس سے چوک گیا ہے، وہ اسے کبھی ملنے والا نہیں تھا۔

تقدیر اور اس عظیم رکن پر ایمان لانے کے بارے میں گفتگو کرنا؛ دارصل ایمان کے اصول و ارکان میں سے ایک ایسے عظیم رکن کے بارے میں بات کرنا ہے، جس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے بھی تقدیر پر ایمان لانے کی اہمیت کو بیان کیا ہے۔ چنانچہ بہت سی آیات میں اس کی تفصیل اور وضاحت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿سُنَّةَ اللَّهِ

فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا﴾ ﴿۳۸﴾ [الأحزاب: ۳۸]

ترجمہ: اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہنا تھا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ

خَلَقْتَهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ [القمر: ٤٩]۔

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو مقرر اندازے سے پیدا کیا ہے۔

ترمذی میں خلیفہ راشد حضرت علیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِأَرْبَعٍ: يَشْهَدُ الْأَلَهَ إِلَّا اللَّهَ، وَأَنَّي رَسُولُ اللَّهِ بَعَنِي بِالْحَقِّ، وَيُؤْمِنُ بِالْمَوْتِ، وَبِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَيُؤْمِنُ بِالْقَدَرِ» (٢٤٥)،

ترجمہ: کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ ان چار باتوں پر ایمان نہ لائے: (۱) وہ یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور اللہ نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ (۲) موت پر ایمان لائے۔ (۳) موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لائے۔ (۴) اور تقدیر پر ایمان لائے۔

اس سے پتہ چلا کہ اگر مومن کے پاس اصولی چیزوں میں تقدیر پر ایمان کامل نہ ہو، تو اس کا ایمان ہی مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔

اس بات کو حضرت ابن عمرؓ قسم کھا کر بیان کیا کرتے تھے، جیسا کہ مسلم میں ہے کہ:

حضرت ابن عمرؓ اس بات پر قسم کھایا کرتے تھے کہ اگر کسی کے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو، اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دے تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کا یہ عمل قبول نہ کریں گے، جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے۔ پھر اس کے بعد انھوں نے حدیث جبرئیل ذکر کی، جس میں ذکر ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضور ﷺ سے دریافت کیا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «الإيمانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ» (۲۴۶)۔

ترجمہ: اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دین پر ایمان لاؤ، اور یہ کہ تم تقدیر پر ایمان لاؤ۔

مسند احمد میں حضرت ابودرداء سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٍ، وَلَا مُدْمِنٌ حَمْرٍ، وَلَا مُكَذِّبٌ بِقَدَرٍ» (۲۴۷)۔

ترجمہ: نافرمان، شراب کا رسیا اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ان احادیث اور ان سے قبل ذکر کی گئی قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اس عظیم رکن یعنی ایمان بالقدر پر کس قدر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۲۴۶) مسلم (۸)۔

(۲۴۷) مسند احمد (۴۴۱/۶)۔

ایمان بالقدر کی چار بنیادیں ہیں، جن کے بغیر اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی: (۱) اللہ کے علم محیط وکامل پر ایمان۔ (۲) اس بات پر ایمان کہ قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا ہے، وہ سب اللہ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ (۳) اللہ کی مشیت عامہ پر ایمان۔ (۴) اور اس بات پر ایمان کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

ذیل میں ان چار بنیادوں کی تفصیل ہے:

پہلی بنیاد: اس بات پر ایمان کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے:

قرآن وحدیث کے نصوص اس بات پر صاف دلالت کرتے ہیں کہ جو کچھ ہوا، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہوگا، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔ اور یہ کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو چیز نہیں ہوئی، اگر وہ ہوتی، تو کس طرح ہوتی۔ یہ سب چیزیں اللہ کے علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ قَوْلَهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عَنَلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ ﴿۷۳﴾ [الأنعام: ۷۳]۔

ترجمہ: اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے، اور جس دن وہ (روز قیامت سے) کہے گا کہ: تو ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ اس کا قول برحق ہے۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن بادشاہی اسی کی ہوگی، وہ غائب و

حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے۔

اور اللہ فرماتا ہے کہ اس دنیا میں انسانوں اور جنوں میں سے جو بھی (نریا) مادہ ہے، یا جو پرندہ بھی آسمان میں اڑ رہا ہے یا جو جانور بھی زمین پر چل رہا ہے، یا جو مخلوق بھی سمندر میں زندگی گزار رہی ہے، یہ سب کے سب اللہ کے علم میں ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ

وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ [الرعد: ٨]

ترجمہ: اللہ ہر مادہ کے حمل کو جانتا ہے، اور ماؤں کے رحم میں جو کوئی کمی بیشی ہوتی ہے اس کو بھی، اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے

لہذا ایمان بالقدر کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ آپ یہ یقین کریں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس مستقبل میں ہونے والی ہر چیز کا علم ہے۔

اور خود ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے بھی بہت سی احادیث میں۔ جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ اس عظیم رکن کی وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایک مومن کو اس بات پر اطمینان عطا فرماتا ہے کہ کائنات میں ہونے والی ہر چیز خدا تعالیٰ کے علم میں ہے۔

دوسری بنیاد: یہ ہے کہ بندہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو، جو کہ اس کے علم میں ہے، لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

لہذا اے بندہ خدا! یہ جو کچھ تمہارے آس پاس پیش آرہا ہے، اور وہ تمام امور جو پیش آچکے ہیں، یا آئندہ آنے والے ہیں، یہ سب چیزیں لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کے پاس لکھی ہوئی اور مدون ہیں۔ اس سلسلے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ [یونس: ۶۱]۔

ترجمہ: اور آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں، اور قرآن کی جو تلاوت آپ فرماتے ہیں، اور تم لوگ جو کچھ بھی کام کرتے ہو، پس جب تم اس میں مشغول ہوتے ہو، تو ہم تم پر پوری نگاہ رکھتے ہیں۔ اور ذرہ برابر بھی کچھ آپ کے رب سے اوجھل نہیں رہتا، نہ زمین میں، نہ آسمان میں، اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ اس سے بڑا، جو کھلی کتاب میں نہ ہو۔ کیا تم نے درخت کے پتوں کو گرتے ہوئے دیکھا ہے؟ یہ بھی اللہ کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

رحم مادر میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور یہ زمین جو کچھ بھی نگلی ہوئی ہے اور جو کچھ بھی زمین میں ہو رہا ہے، سب لوح محفوظ میں درج شدہ ہے۔

زمین پر چلتے ہوئے یہ زندہ نفوس اور یہ مردہ جن سے قبروں میں حساب لیا جا رہا ہے، سب اللہ کے پاس اس کی لوح محفوظ میں درج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ [الحديد: ۲۲]

ترجمہ: جو بھی مصیبت زمین پر اتری ہے، یا تمہاری جانوں کو لاحق ہوتی ہے، وہ اس وقت سے کتاب میں موجود ہے، جب ہم نے ان جانوں کو پیدا بھی نہیں کیا تھا، اور یہ کام اللہ کیلئے آسان ہے۔

اسی لیے مسلم کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ» (۲۴۸)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مخلوق کی تقدیر لکھ دی تھی۔

کیا جب آپ یہ حدیث سنتے ہیں تو آپ کو اطمینان نہیں ہوتا؟ جب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ جو واقعات بھی آپ کے ارد گرد رونما ہو رہے ہیں، یہ سب اللہ کے علم میں ہیں، جو پہلے ہی لکھ دیے گئے تھے، تو آپ کے دل کو سکون و اطمینان ہوتا ہے، پھر آپ نہ غصہ ہوتے ہیں، نہ ناراض، اور نہ حسرت کرتے ہیں اور نہ غم۔

سنن ابو داؤد میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے

بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: اے بیٹے! تم ایمان کا مزہ نہیں پاسکتے، جب تک کہ یہ نہ جان لو کہ جو کچھ تمہیں ملا ہے، وہ تم سے چوکنے والا نہیں تھا، اور جو کچھ تم کو نہیں ملا ہے، وہ کبھی تمہیں ملنے والا نہیں تھا۔ میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ، فَقَالَ لَهُ: اكْتُبْ، قَالَ: رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبْ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»،

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، پھر اسے حکم دیا کہ لکھ۔ اس نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا لکھوں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قیامت تک جو کچھ پیش آئے گا، اس کے بارے میں مخلوق کی تقدیر لکھ۔ میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «مَنْ مَاتَ عَلَيَّ غَيْرِ هَذَا فَلَيْسَ مِنِّي» (۲۴۹)

ترجمہ: جس کا اس یقین کے علاوہ کسی اور حالت پر انتقال ہوا، تو وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے علم محیط پر ایمان لائے بغیر، اور اسی طرح سارے امور کے لوح محفوظ میں درج ہونے پر ایمان لائے بغیر انتقال کر جائے، تو اس کا حضور ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسری بنیاد: اللہ کی عمومی مشیت پر ایمان لانا، یعنی اللہ جو چاہتا ہے، وہ ہوتا

ہے، اور جو وہ نہیں چاہتا ہے، وہ نہیں ہوتا ہے، خواہ بندہ کیسے ہی اسباب اختیار کر لے، اور چاہے وہ کتنے ہی وسائل کے اکٹھے کر لے پھر بھی ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، اور جو وہ نہیں چاہے گا، وہ ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

ہم سب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے رہتے ہیں: ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ مُتَوَكِّلٌ عَلَى اللَّهِ وَالْمُلْكُ مَنَ شَاءَ وَتَرْزُقُ الْمُلْكَ وَمَنَ شَاءَ وَتُعَزِّدُ مَنَ شَاءَ وَتُذِلُّ مَنَ شَاءَ بِبِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ﴿۳۶﴾ [آل عمران: ۲۶]،

ترجمہ: کہو کہ: اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور ہم سب یہ ارشاد بھی پڑھتے ہیں: ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنِائًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنِائًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا﴾ [الشوری: ۴۹-۵۰]۔

ترجمہ: اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔ یا لڑکے لڑکیاں دونوں ملا کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا وَمَا

تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿الإنسان: ۲۸-۳۱﴾.

ترجمہ: ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ مضبوط بنائے ہیں، اور ہم جب چاہیں، ان کی جگہ ان کے جیسے دوسرے لوگ بدل کر لے آئیں، یقیناً یہ ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے، وہ اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرے، اور تم وہی چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ خوب جانتا حکمت رکھتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے وہ اپنی رحمت میں شامل فرمالتا ہے اور یہ جو ظالم لوگ ہیں، ان کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ہمارے محبوب ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ قُلُوبَ بَنِي آدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ، كَقَلْبٍ وَاحِدٍ يُصَرِّفُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»، ترجمہ: بے شک بنی آدم کے دل رحمان کی دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں۔ وہ جیسے چاہتا ہے، انھیں گھماتا اور پھیرتا رہتا ہے۔ پھر آپ ﷺ یہ دعاء فرماتے:

«اللَّهُمَّ يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ» (۲۵۰)۔

اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر

جمادے۔

چوتھی بنیاد: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ تم جو کچھ اپنے اندر دیکھتے ہو، اور جو کچھ اپنے ارد گرد دیکھتے ہو اور جو کچھ اس کائنات میں دیکھتے ہو، اور اس سیارے اور کہکشاں کے بارے میں جو کچھ بھی تمہارے دل میں احساسات و خیالات پیدا ہوتے ہیں، یہ سب کچھ اللہ کی مخلوق ہے۔ ﴿ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ خَلِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنۡتۡ تُوۡفَكُوۡنَ﴾ ﴿۶۲﴾ [غافر: ۶۲]۔

ترجمہ: وہی اللہ تمہارا رب ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

﴿ذٰلِكُمْ اَللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَلِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاَعۡبُدُوۡهُ وَهُوَ عَلٰۤیٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيۡلٌ﴾ ﴿۱۰۲﴾ [الأنعام: ۱۰۲]۔

ترجمہ: - وہی اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، لہذا اس کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

ایمان بالقدر کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہمت ہار جائے یا ناکامی کو قبول کر لے، اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بیماری کے آگے سر تسلیم خم کر دے اور علاج نہ کرائے، اور نہ یہ مطلب ہے کہ وہ نا امید اور غم زدہ ہو جائے اور تنگی و حسرت میں مبتلا رہے؛ بلکہ ایمان بالقدر کا مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگو، آپ ناکامی سے کامیابی، شکست سے فتح، بیماری سے عافیت، نا امیدی اور غم و حسرت سے امید اور مسرت و خوشی کی طرف جاؤ۔

حضرت عمر فاروقؓ ملک شام کے سفر کے ارادے سے نکلے، تو لشکروں کے کمانڈرز آپ کے استقبال کیلئے آئے، جن میں سب سے آگے حضرت ابو عبیدہؓ تھے، انھوں نے عرض کیا: اے عمر! آپ یہیں رک جائیے، کیوں کہ ملک شام میں طاعون [وباء] پھیلنا ہوا ہے۔ آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا آپ اندر جائیں گے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ مہاجرین و انصار اور دیگر ارباب عقل کو اکٹھا کریں، میں ان سے مشورہ کروں گا کہ اندر جاؤں یا نہیں، پھر بعض نے اندر جانے کا مشورہ دیا اور بعض نے منع کیا۔ حضرت عمرؓ نے اندر نہ جانے کا فیصلہ کیا اور واپس ہو گئے۔ اپنے ساتھیوں کو بھی واپسی کا حکم دیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے آپ سے پوچھا: اے امیر المؤمنین! آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اے ابو عبیدہ! کاش یہ بات آپ کے علاوہ کوئی اور کہتا! ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف ہی بھاگ رہے ہیں۔ (۲۵۱)

یہ ہے ایمان بالقدر کا صحیح فہم، کہ آپ اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف جا رہے ہو، اور یہ بھی اللہ کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔

لہذا ایمان بالقدر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہار مان لیں اور اپنی جگہ بیٹھے رہیں، کوئی حرکت نہ کریں؛ بلکہ ایمان بالقدر کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آپ خود کو ترقی دیں، اپنی قدر و قیمت بڑھائیں اور کامیاب لوگوں میں شامل ہو جائیں۔ علاج

کریں اور عافیت طلب کریں۔ ایمان بالقدر یہ ہے کہ جو کچھ ہو گیا ہے، اس پر حسرت نہ کریں، بلکہ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں (اور عمل کریں)، اور یہ بھی اللہ کی تقدیر میں شامل ہے، چنانچہ آپ کا گرنا بھی تقدیر الہی میں شامل ہے اور آپ کا گرنے کے بعد کھڑا ہونا بھی۔

بہر حال، تقدیر پر ایمان لانا، ہمارے ایمان کا ایک عظیم رکن ہے۔

(۲۲)

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَى جَارِهِ

حضور اکرم ﷺ کے جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی ایک حدیث صحیح مسلم کی یہ روایت ہے، جسے انھوں نے حضرت ابو شریح خزاعی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَى جَارِهِ» (۲۵۲)۔

ترجمہ: جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

اگر آپ قرآن و حدیث کے نصوص میں غور کریں تو دیکھیں گے کہ قرآن و حدیث، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک پر ابھارنے والے احکامات سے بھرے پڑے ہیں، قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کے فرمودات میں آپ کو حسن سلوک کی تقریباً تمام صورتیں مل جائیں گی۔

سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۚ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ

أَيْمَنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُحْتَالًا فَحُورًا ﴿٣٦﴾ [النساء: 36]

ترجمہ: اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے) یا ساتھ کھڑے (ہوئے شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی) اچھا برتاؤ رکھو (بیشک اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

آپ غور کیجیے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اپنی عبادت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑا ہے۔

اور اگر آپ نبی ﷺ کی حدیثوں پر نظر ڈالیں، تو آپ کو بڑا تعجب ہوگا کہ کس طرح آپ نے پڑوسیوں کے بارے میں وصیت و تاکید کی ہے۔ ترمذی میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے گھر میں ان کے اہل خانہ کے لیے بکری ذبح کی گئی، تو انھوں نے اپنے اہل خانہ سے پوچھا: کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے بھی کچھ بھجھا؟ کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ دیا؟ انھوں نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ ان کے گھر والے آتا گئے۔ پھر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: «مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصيني بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيَرُّهُ» (۲۵۳)۔

ترجمہ: حضرت جبرئیل مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار تاکید کرتے رہے، حتیٰ کہ مجھے لگا کہ کہیں وہ پڑوسی کو وارث نہ بنا دیں۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک گھروں کی ترقی اور عمر میں برکت کا سبب ہے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «وَصَلَّةُ الرَّجْمِ وَحُسْنُ الْحُلُقِ وَحُسْنُ الْجَوَارِ يُعَمِّرَانِ الدِّيَارَ، وَيَزِيدَانِ فِي الْأَعْمَارِ» (۲۵۴)۔

ترجمہ: صلہ رحمی، حسن اخلاق اور پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک، گھروں کی ترقی اور عمر میں برکت کا ذریعہ ہیں۔

قیامت کے دن سب سے بڑے مد مقابل ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں گے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَارَانِ» (۲۵۵)۔

ترجمہ: قیامت کے دن سب سے پہلے جن دو لوگوں کا مقدمہ پیش ہوگا، وہ دو پڑوسی ہوں گے۔

پھر ویسے بھی حسن سلوک جنت میں داخل ہونے کا ایک بنیادی سبب اور بہترین راستہ ہے۔

(۲۵۴) مسند احمد (۱۵۹/۶)۔

(۲۵۵) مسند احمد (۱۵۱/۴)۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جب میں اسے کر لوں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «كُنْ مُحْسِنًا»۔ اچھا سلوک کرنے والے بن جاؤ۔ یہ جواب قابل غور ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں اچھا سلوک کرنے والا ہوں یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «سَلِّ جَيْرَانَكَ، فَإِنْ قَالَوَا: إِنَّكَ مُحْسِنٌ فَأَنْتَ مُحْسِنٌ، وَإِنْ قَالَوَا: إِنَّكَ مُسِيءٌ فَأَنْتَ مُسِيءٌ» (۲۵۶)۔

ترجمہ: اپنے پڑوسیوں سے پوچھو، اگر وہ کہیں کہ تم اچھا سلوک کرنے والے ہو، تو حقیقتاً تم اچھا سلوک کرنے والے ہو، اور اگر وہ کہیں کہ تم (ان کے ساتھ) برا سلوک کرتے ہو، تو پھر تم برا سلوک کرنے والے ہی ہو۔

اللہ کے نزدیک سب سے اچھا پڑوسی وہ ہے، جو اپنے پڑوسی کے ساتھ سب سے اچھا برتاؤ کرتا ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرُهُمْ لِبَارِهِ» (۲۵۷)۔

ترجمہ: اللہ کے نزدیک سب سے بہترین ساتھی وہ ہے، جو اپنے ساتھی کے لیے

(۲۵۶) مستدرک (۳۷۸/۱)۔

(۲۵۷) ترمذی (۱۹۳۳)۔

سب سے بہتر ہو، اور اللہ کے نزدیک سب سے بہتر پڑوسی وہ ہے، جو اپنے پڑوسی کے لیے سب سے بہتر ہو۔

بلکہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِجَارِهِ - أَوْ قَالَ: لِأَخِيهِ - مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ» (۲۵۸)۔

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنے پڑوسی کے لیے - یا فرمایا: اپنے بھائی کے لیے - وہی پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اگر آپ کو اچھا پڑوسی مل جائے، تو جان لیجیے کہ ایک چوتھائی سعادت آپ کے حصے میں آگئی۔ جی ہاں! اچھے پڑوسی کا مل جانا، واقعی سعادت کا چوتھائی حصہ ہے۔ اور یہ نبی ﷺ کا فرمان ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيءُ» ترجمہ: چار چیزوں کا مل جانا سعادت ہے: نیک بیوی، کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور آرام دہ سواری۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: «وَأَرْبَعٌ مِنَ الشَّقَاوَةِ: الْجَارُ السُّوءُ، وَالْمَرْأَةُ السُّوءُ، وَالْمَسْكَنُ الضَّيِّقُ، وَالْمَرْكَبُ السُّوءُ» (۲۵۹)۔

(۲۵۸) مسلم (۴۵) و بخاری (۱۳)۔

(۲۵۹) صحیح ابن حبان (۴۰۳۲)۔

ترجمہ: چار چیزیں بد بختی کی علامت ہیں: برا پڑوسی، بری بیوی، تنگ گھر اور بری سواری۔

اس سے پتہ چلا کہ اگر کسی شخص کو اچھا اور نیک پڑوسی مل جائے، تو گویا اس نے سعادت کے چار حصوں میں سے ایک حصہ حاصل کر لیا، اور جسے برا پڑوسی مل جائے، تو گویا اس کے نصیب میں بد بختی کی چار چیزوں میں سے ایک چیز آگئی۔

اس تمہید کے بعد میں عرض کرتا ہوں کہ ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی پر بہت سے حقوق ہیں؛ لیکن میں ان میں سے صرف بعض کا تذکرہ کر رہا ہوں:

پہلا حق:

حسن سلوک کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں، قولی، عملی اور حسن ظن وغیرہ، ان تمام شکلوں میں پڑوسی کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا۔ جی ہاں! حسن سلوک کی تمام صورتیں پڑوسی کے حقوق میں داخل ہیں۔ اور اہل علم کے مطابق پڑوس ہر سمت سے چالیس گھروں تک ہوتا ہے۔ لہذا چالیس گھر یہاں سے اور چالیس گھر وہاں سے، نیز ہر سمت سے چالیس گھر، ان سب لوگوں کو پڑوسی کے حقوق دیے جائیں گے۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلے میں بہت سے دلائل ہیں، جن میں سرفہرست یہ حدیث ہے: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ»۔

ترجمہ: جو شخص بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

حضرت ابو قتاد سلمیٰ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء کے لیے پانی منگوایا، جب آپ وضوء سے فارغ ہو گئے تو صحابہ کرام تبرک حاصل کرنے کے لیے آپ کے استعمال شدہ پانی پر ٹوٹ پڑے، تاکہ اس اپنے جسموں پر نکل لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا حَمَلَكُمْ عَلَىٰ مَا صَنَعْتُمْ؟» قالوا: حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، قَالَ ﷺ: «فَإِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ يُحِبَّكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَأَدُّوا إِذَا أُتِمْتُمْ، وَاصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَحْسِنُوا جَوَارَ مَنْ جَاوَرَكُمْ» (۲۶۰)،

ترجمہ: تمہیں اس بات پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ اور رسول بھی تم سے محبت کریں، تو جب تمہیں امانت سونپی جائے، تو اسے ادا کرو، جب بولو تو سچ بولو، اور جب کوئی تمہارا پڑوسی بنے، تو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

اس سے پتہ چلا کہ ہر چیز میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اللہ و رسول ﷺ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

دوسرا حق:

پڑوسی کو تحفہ دینا، خواہ تحفہ معمولی ہو یا بڑا۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ حضرت ابوذرؓ سے فرماتے تھے: «يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا طَبَخْتَ مَرْقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهِدْ جِيرَانَكَ»^(۲۶۱) ترجمہ: اے ابوذر! جب شوربہ بنایا کرو، تو اس میں پانی زیادہ کر لیا کرو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھا کرو، یعنی اسے بھی تحفے تحائف دیتے رہا کرو۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ»^(۲۶۲)۔

ترجمہ: وہ شخص مومن نہیں، جو خود شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے: «مَا آمَنَ بِي مَن بَاتَ شَبَعَانًا وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَىٰ جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ»^(۲۶۳)،

ترجمہ: ایسا شخص مجھ پر ایمان لانے والا نہیں ہو سکتا جو خود شکم سیر ہو کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اسے اس کے بارے میں علم بھی ہو۔

لہذا انسان کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تحائف دیتا رہے، خاص کر اس موقع پر، جب وہ ضرورت مند اور پریشان ہو۔

(۲۶۱) مسلم (۲۶۲۵)۔

(۲۶۲) الادب المفرد (۱۱۲)، و مسند ابو یعلیٰ (۲۶۹۹)، و المعجم الکبیر (۱۲/۱۵۳، ۱۲/۱۴۳)، و السنن الکبریٰ (۳/۱۰)۔

(۲۶۳) المعجم الکبیر (۱/۲۵۹، ۱/۷۵۱)۔

تیسرا حق:

پڑوسی کی آبرو اور اس کے مال کی حفاظت کرنا۔ کبھی پڑوسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اس کی آبرو اور اس کا مال اس کے گھر میں رہ جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر ایک پڑوسی کو چاہیے کہ وہ اپنے مرحوم پڑوسی کی اس عزت و آبرو (بیوی) کی حفاظت کرے۔ یہ بات آپ کے لیے یقیناً بڑی تکلیف دہ ہوگی کہ آپ کسی کے بارے میں سنیں کہ اس نے اپنے پڑوسی کے ساتھ خیانت کی ہے اور اس کی آبرو اور مال پر دست درازی کی ہے۔ یہ بہت بڑی خیانت ہے، حتیٰ کہ مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ پڑوسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا، دس گھروں کی عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے سے زیادہ سخت اور گھناؤنا عمل ہے۔ اور جو شخص اپنے پڑوسی کے گھر چوری کرتا ہے، وہ اس شخص سے زیادہ خطرناک اور برا ہے جو دس گھروں میں چوری کرتا ہے۔

اہل عرب زمانہ جاہلیت میں بھی پڑوسی کے حقوق کا خیال رکھتے تھے۔ ان کی تاریخ آج تک لکھی چلی آرہی ہے اور ان کی نسلیں اس بات کی گواہ ہیں، حالانکہ ہزاروں سال گذر چکے ہیں۔ عنترہ کا ایک شعر ہے جسے اس کی نسلوں نے آج تک محفوظ رکھا ہے، اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے، وہ کہتا ہے:

وَاعْضُ طَرْفِيْ اِنْ بَدَتْ لِيْ جَارَتِيْ حَتَّى يُوَارِيْ جَارَتِيْ مَأْوَاهَا (۲۶۴)

ترجمہ: جب میری پڑوسن نکلتی ہے تو میں اپنی نگاہ جھکا لیتا ہوں، اور جب تک وہ اپنی پناہ گاہ میں چھپ نہیں جاتی، میں نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔

حاتم طائی یہ شعر کثرت سے پڑھا کرتا تھا:

مَا ضَرُّ جَارِي أَجَاوِرُهُ أَلَّا يَكُونَ لِبَابِهِ سِتْرٌ

ترجمہ: میرے پڑوس میں رہنے والے شخص کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ اس کے دروازے پر پردہ نہیں ہے۔ یعنی میں اس کے گھر کی طرف غلط نگاہ سے دیکھتا تک نہیں، اس لیے اسے پردے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

أُغْضِي إِذَا مَا جَارَتِي بَرَزَتْ حَتَّى يُوَارِي جَارَتِي الْخِذْرُ (۲۶۵)

ترجمہ: جب میری پڑوسن نکلتی ہے تو میں اپنی نگاہ جھکائے رکھتا ہوں، حتیٰ کہ وہ خود کو اوڑھنی سے چھپالے۔

چوتھا حق:

انسان کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔

مگر افسوس کہ آج اس میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے۔ جسے پولیس اسٹیشنوں اور عدالتوں کا حال معلوم ہے، وہ جانتا ہے کہ پڑوسیوں کے شکایتوں کے کیسے عجیب عجیب معاملے وہاں آتے ہیں کہ جن کا پڑوسی کے ساتھ کرنا بالکل بھی مناسب

(۲۶۵) مزید معلومات کے لئے مکارم الاخلاق (ص: ۹۶-۹۷)، و تاریخ دمشق (۱۱/ ۳۷۴). و ریح الأبرار (۳۹۱/۱)، و معجم الأدباء (۳/ ۱۳۰۱)، و خزائن الأدب (۳/ ۷۲) دیکھیں۔

نہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں، جن سے آپ خود بھی واقف ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ» (۲۶۶)، ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت بھی اتنی تیز آواز سے کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسی کو تکلیف ہوتی ہے، تو یہ بھی گناہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مومنین کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ مسجد میں بھی تلاوت اتنی تیز آواز سے کریں جس سے ان کے برابر والے شخص کو تکلیف ہو۔

اسی بنیاد پر ائمہ مساجد کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ اگر آپ نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اتنی تیز آواز سے تلاوت کرتے ہیں، جو باہر تک جاتی ہے، تو یہ نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت ہے۔ اس لیے کہ آپ کی تلاوت مسجد میں موجود حضرات کے لیے ہے، نہ کہ ان لوگوں کے لیے جو مسجد سے باہر ہیں۔ اور جو آپ کی تیز آواز پڑوسی کی تکلیف کا سبب بن رہی ہے تو اس کی وجہ سے آپ گناہ گار ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں علماء کے فتاویٰ کی طرف رجوع فرمائیں۔

پانچواں حق: [شاید تمہیں یہ حق عجیب سا لگے گا]

اگر پڑوسی کی کسی بات سے تکلیف پہنچے، تو اس پر صبر کیجئے۔ یہ بھی اس کا حق ہے۔

جی ہاں! اگرچہ یہ عجیب بات ہے، مگر پڑوسی کا یہ بھی حق ہے کہ آپ اس کی تکلیف پر صبر کریں۔ حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللَّهُ، وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللَّهُ»، وَذَكَرَ مِنَ الَّذِينَ يُحِبُّهُمُ اللَّهُ: «وَرَجُلٌ لَهُ جَارٌ يُؤْذِيهِ فَيَصْبِرُ عَلَىٰ أَذَاهُ وَيَحْتَسِبُهُ حَتَّىٰ يَكْفِيَهُ اللَّهُ إِيَّاهُ بِمَوْتٍ أَوْ حَيَاةٍ» (۲۶۷)۔

ترجمہ: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اور تین ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ پھر ان تین لوگوں میں سے، جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، ایک اس شخص کا ذکر کیا، جس کا پڑوسی اسے تکلیف دیتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید میں اس پر صبر کرتا ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کی زندگی یا موت کا فیصلہ کر کے خود اس کی کفایت کرے۔

لہذا پڑوسی کا حق ہے کہ آپ اس کی تکلیف پر صبر کریں۔ اسی لیے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے: پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک صرف یہ نہیں کہ اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے؛ بلکہ اصل حسن سلوک یہ ہے کہ اس کی تکلیف پر صبر کیا جائے۔ (۲۶۸)۔

(۲۶۷) مسند احمد (۵/۱۷۶)۔

(۲۶۸) «مزید معلومات کے لئے تنبیہ الغافلین (ص ۱۴۳) دیکھیں۔»

ایک شخص حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے: اے ابن مسعود! میرا ایک پڑوسی ہے، جو مجھے تکلیف دیتا ہے، برا بھلا کہتا ہے، گالی دیتا ہے اور مجھے تنگ کرتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس سے فرمایا: جاؤ، اگر وہ تمہارے سلسلے میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، پھر بھی تم اس کے سلسلے میں اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ (۲۶۹)۔

اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَى جَارِهِ»۔

ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

حسن سلوک ایسی عظیم عبادت ہے، جس کے ذریعے بندے کو اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ اے اللہ کے بندے! میں تجھ سے بھی کہتا ہوں اور خود سے بھی کہ ہمیں اس بات سے بچنا چاہیے کہ ہمارے تکلیف دینے کی وجہ سے ہمارا پڑوسی چلا جائے۔ اس لیے یاد رکھیں کہ آپ کا کوئی پڑوسی آپ سے ناراض ہو کر، آپ کا پڑوس چھوڑ کر نہ جائے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک شخص نے کسی خوب صورت جگہ ایک خوب صورت گھر بنایا۔ پھر جب وہ تیار ہو گیا اور اس نے چاہا کہ اس میں مزے سے رہے، تو اسے جو پڑوسی ملا، وہ اسے بہت تکلیف دیا کرتا تھا، جس کی وجہ سے اس نے وہ گھر بیچ دیا،

(۲۶۹) مزید معلومات کے لئے «اجزاء علوم الدین» (۲/۲۱۲) دیکھیں۔

لوگ اسے ملامت کرنے لگے کہ اس خوب صورت جگہ میں اتنے خوب صورت گھر کو تم کیوں بیچ رہے ہو؟ اس نے یہ اشعار پڑھے:

يَلْمُونَني اِذْبَعْتُ بِالرُّخْصِ مَنْزِلًا وَلَمْ يَعْرِفُوا جَارًا هُنَاكَ يَنْعَصُ
فَقُلْتُ لَهُمْ كُفُّوا الْمَلَامَ فَاِنَّهَا بِجِوَارِنَهَا تَعْلُو الدِّيَارُ وَتَرْخُصُ (٢٧٠)

ترجمہ: جب میں نے سستی قیمت میں اپنا گھر بیچ دیا تو لوگ مجھے ملامت کرنے لگے۔ انھیں معلوم نہیں کہ وہاں ایک پڑوسی ہے، جس نے زندگی اجیرن کر دی ہے۔ میں نے ان سے کہا: ملامت بند کرو، بے شک پڑوسیوں کی وجہ سے ہی گھر کی قیمت بڑھتی یا گھٹتی ہے۔

اس پڑوسی سے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سعید بن عاصؓ کے ایک پڑوسینے اپنا گھر بیچنے کا ارادہ کیا، تو خریدنے کی خواہش رکھنے والوں نے اس سے پوچھا: کیا قیمت ہے گھر کی؟ اس نے کہا: ایک لاکھ۔ انھوں نے کہا: ہم نے خرید لیا۔ اس شخص نے ان لوگوں سے کہا: تم لوگوں نے مجھ سے میرے پڑوسی کی قیمت کے بارے میں گفتگو نہیں کی؟۔ انھوں نے (تعجب سے) پوچھا: کیا پڑوسی بھی بیچا جاتا ہے؟ اس نے کہا: جو پڑوسی سعید بن عاص جیسا ہو، تو بے شک اس کی ایک قیمت ہوتی ہے، جس کے بدلے اسے بیچا جاتا ہے۔ میں گھر کو اس کی قیمت کے عوض بیچ رہا ہوں اور پڑوسی کو اس کی الگ قیمت کے

بدلے۔ انھوں نے پوچھا: کیا بات ہے؟ تو اس شخص نے بتایا کہ یہ سعید بن عاص ہیں، جب تم بیٹھے ہو گے تو یہ تمہاری خیریت پوچھیں گے، جب تم کو دیکھیں گے تو تمہارا استقبال کریں گے۔ جب تم موجود نہیں رہو گے تو یہ تمہاری (پ چیزوں کی) حفاظت کریں گے۔ جب تم انہیں دیکھو گے تو یہ تمہیں اپنے قریب کریں گے۔ اگر تم ان سے مانگو گے تو عطا کریں گے۔ اور اگر نہیں مانگو گے تو خود سے دیں گے، اگر تمہیں کوئی مصیبت آئے گی، تو یہ اسے دور کریں گے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن عاص نے ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی، تو اس شخص کے پاس ایک لاکھ روپے بھجے اور کہا: میں نے یہ گھر تمہارے لیے خرید لیا اور میں نے تمہارا پڑوس بھی خرید لیا۔ (۲۷۱)

○

(۲۳)

أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوعُ

اللہ تعالیٰ نے نماز کی بہت اہمیت بیان کی ہے اور خشوع کو نماز کی روح، اس کا مغز اور دل قرار دیا ہے۔

جی ہاں بندے سے یہ بھی مطالبہ ہے کہ وہ نماز پڑھے اور یہ بھی کہ وہ نماز خشوع کے ساتھ پڑھے۔ بلا خشوع کے پڑھی ہوئی نماز میں کوئی خیر نہیں۔ حتیٰ کہ اگر کوئی انسان درجنوں سال بغیر خشوع کے نماز پڑھے تو اس کی نماز بے جان مُردے کی طرح ہے۔

اس لیے جوامع الکلم پر گفتگو کے سلسلے میں ہم اس حدیث کو بھی شامل کرتے ہیں، جسے طبرانی نے حضرت ابو درداءؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوعُ حَتَّى لَا يُرَى فِيهَا خَاشِعٌ» (۲۷۲).

ترجمہ: سب سے پہلے اس امت سے خشوع اٹھایا جائے گا، حتیٰ کہ امت میں ایک بھی خشوع رکھنے والا نہ رہے گا۔

اے بندۂ خدا! اگر آپ مومنین کی ان صفات کا مطالعہ کریں گے جو سورۂ

مومنوں میں بیان کی گئی ہیں، تو دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صفات سے پہلے نماز میں خشوع کو بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾﴾ [المؤمنون: ۱-۲]

ترجمہ: یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد چند دیگر اوصاف بیان کیے ہیں، پھر ان کے آخر میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾﴾ [المؤمنون: ۱۱-۹]، ترجمہ: جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یہی وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ جی ہاں! کامیاب مومنین نمازوں کی پابندی کرتے ہیں؛ لیکن اصل اعتبار پہلی صفت کا ہے کہ وہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ صفت تمام اوصاف پر مقدم ہے

اسی لیے حضرت حدیقہؓ نے فرمایا ہے:

تم اپنے دین میں سے سب سے پہلے خشوع کو کھوؤ گے اور سب سے آخر میں نماز کو۔ کتنے ایسے نمازی ہوں گے جن میں کوئی خیر نہ ہوگی۔ اور قریب ہے کہ تم جامع مسجد میں داخل ہو کر دیکھو اور ایک بھی خشوع والا نظر نہ آئے۔ (۲۷۳)، یعنی تم

(۲۷۳) مدارج السالکین (۵۱۷/۱). ومصنف ابن ابی شیبہ (۲۵۴/۱۹)، ومنتدرک حاکم (۳۶۹/۳)، و حلیۃ الاولیاء (۲۸۱/۱).

بڑی مسجد میں جاؤ جس میں بڑی جماعت ہو؛ لیکن اس میں ایک بھی خشوع والا نظر نہ آئے۔ یہ آخری زمانے میں ہوگا، کہ خشوع اٹھا لیا جائے گا اور نماز اس کے بعد بھی طویل زمانے تک باقی رہے گی؛ لیکن وہ ایسی نماز ہوگی جس میں خشوع نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے نماز میں خشوع اختیار کرنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے۔ ذرا دیکھو تو کہ ہمارے نبی ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ ایک طویل حدیث کے آخر میں، جو حضرت عمرو بن عبسہ سلمیٰؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنْ هُوَ قَامَ فَصَلَّى، فَحَمِدَ اللَّهَ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِالَّذِي هُوَ لَهُ أَهْلٌ، وَفَرَعَ قَلْبَهُ لِلَّهِ» «هَذَا هُوَ الْخُشُوعُ، انْظُرِ النَّتِيجَةَ: «إِلَّا انْصَرَفَ مِنْ حَظِيَّتِهِ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (۲۷۴)

ترجمہ: اگر ایک شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور پھر اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے، جو اللہ کے شایان شان ہو، اور اپنے دل کو اللہ کے لیے فارغ کر لے (یعنی خشوع اختیار کرے) اس کے بعد آپ نے جو نتیجہ بیان فرمایا، اس پر غور کیجئے۔ تو وہ اپنے گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو کر پلٹے گا، جیسے اس دن تھا جس دن وہ پیدا ہوا تھا۔

یہ ہے خشوع کی فضیلت!

افسوس! اس فضیلت اور اجر عظیم کو حاصل کرنے میں ہم نے کتنی کوتاہی کی!

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَا مِنْ أَمْرٍ مُسْلِمٍ

تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيَحْسِنُ وُضُوءَهَا، وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا، إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يَأْتِ كَبِيرَةً، وَذَلِكَ الدَّهْرُ كُلُّهُ» (۲۷۵)۔

ترجمہ: جو مسلمان شخص فرض نماز کے وقت اچھی طرح وضوء کرے، خشوع اختیار کرے اور اچھی طرح رکوع (و سجود) کرے، تو اس کی یہ نماز اس کے سابقہ تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی، جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔ اور یہ فضیلت ہمیشہ کے لیے ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ ہمیں نماز کے اندر خشوع اختیار کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔

ایک طرف آپ ﷺ نے خشوع کی ترغیب دی ہے، اور دوسری طرف خشوع کو ترک کرنے سے روکا ہے۔ اس موقع پر میں دو حدیثیں پیش کرتا ہوں:

پہلی حدیث: نبی ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، لیکن وہ نہ رکوع مکمل طریقے سے کر رہا تھا اور نہ سجدہ، آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: «لَوْ مَاتَ هَذَا عَلَى حَالِهِ هَذِهِ؛ لَمَاتَ عَلَى غَيْرِ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ»۔

ترجمہ: اگر اس شخص کا اسی حالت میں انتقال ہو جائے، تو اس کی موت ملت محمدی پر نہیں ہوگی۔ یہ نماز پڑھ رہا ہے؛ لیکن رکوع و سجدہ مکمل طریقے سے نہیں

کر رہا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: «مَثَلُ الَّذِي لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ، وَيَنْقُرُ فِي سُجُودِهِ مَثَلُ الْجَائِعِ يَأْكُلُ التَّمْرَةَ وَالتَّمْرَتَيْنِ؛ لَا يُغْنِيَانِ عَنْهُ شَيْئًا» (۲۷۶)۔

ترجمہ: اس شخص کی مثال جو رکوع مکمل طریقے سے نہ کرے اور سجدے میں چونچ مارے، اس شخص کی طرح ہے، جو بھوکا ہو اور ایک دو کجھویریں کھالے۔ یہ دو کجھویریں اس کا کچھ بھلا نہیں کریں گی۔ (اسی طرح اس کی نماز اس کا کچھ بھلا نہیں کرے گی)۔

دوسری حدیث: حضرت حذیفہ کی حدیث ہم پیچھے پیش کر چکے ہیں، جس میں انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے دین میں سب سے پہلے خشوع کو کھوؤ گے۔ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں ڈنڈی مار رہا ہے، یعنی ناقص طریقے سے نماز پڑھ رہا ہے، رکوع اور سجدے کو اطمینان سے ادا نہیں کر رہا ہے، تو فرمایا: تم کب سے اسی طرح نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: چالیس سال سے۔ انھوں نے فرمایا: تم نے چالیس سال سے نماز نہیں پڑھی۔ اگر اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے تمہیں موت آجائے، تو تمہاری موت ملت محمدی پر نہیں ہوگی۔ (۲۷۷) اس سے پتہ چلا کہ جس طرح نماز کے اندر خشوع کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح ہمارے نبی ﷺ نے خشوع ترک کرنے سے ڈرایا بھی ہے۔

(۲۷۶) ابو یعلیٰ (۱۸۳)، وابن خزیمہ (۲۶۵)، و طبرانی (۱۱۵/۳)، و بیہقی (۸۹/۲)۔

(۲۷۷) نسائی (۱۳۱۲)، بخاری (۷۹۱)۔

اے بندگانِ خدا! اس وقت ذہنوں میں یہ سوال آرہا ہوگا کہ میں نماز میں کیسے خشوع اختیار کروں؟ اس لیے کہ خشوع تو اس امت سے اٹھ جائے گا۔ اور میں کیسے اس باقی جماعت میں شامل رہوں جو نماز میں خشوع اختیار کرنے والی ہے؟

تو میں عرض کرتا ہوں: اگر آپ نماز میں خشوع پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو یہ طریقے اختیار کیجئے:

پہلا طریقہ:

نماز کے لیے تیاری کرو۔ ہر وقت ذہنی طور پر نماز کے لیے تیار رہو۔ اپنے دل کو نماز کے لیے فارغ رکھو، پھر جب وضوء کرو تو اچھی طرح وضوء کرو۔ اور جب نماز کے لیے جاؤ تو وقار و سکینت کے ساتھ جاؤ، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَاتُّوْهَا وَأَنْتُمْ تَمْسُوْنَ وَلَا تَأْتُوْهَا وَأَنْتُمْ تَسْعُوْنَ» (۲۷۸)

ترجمہ: جب نماز کھڑی ہو جائے تو تم چل کر آؤ۔ تیز دوڑ کر نہ آؤ۔ یعنی اطمینان اور سکون کے ساتھ آؤ۔

دوسرا طریقہ: نماز اطمینان کے ساتھ پڑھو۔ اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ اس طرح اطمینان سے نماز پڑھتے تھے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ واپس آجاتی تھی۔ جب آپ رکوع کرتے تو اطمینان سے کرتے۔ جب رکوع سے اٹھتے تو اطمینان سے اٹھتے اور

جب سجدہ کرتے تو اطمینان سے کرتے، اور جب قراءت کرتے تو سمجھ کر پڑھتے۔

تیسرا طریقہ: اس طریقے کی طرف نبی ﷺ نے رہنمائی فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہونا چاہو، تو تکبیر تحریمہ سے پہلے موت کو یاد کر لو۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہی طریقہ سکھایا ہے، آپ نے فرمایا: «اذْكَرِ الْمَوْتَ فِي صَلَاتِكَ فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا ذَكَرَ الْمَوْتَ فِي صَلَاتِهِ لَحَرِيٌّ أَنْ يُحْسِنَ صَلَاتَهُ، وَصَلَّ صَلَاةَ رَجُلٍ لَا يَظُنُّ أَنَّهُ يُصَلِّي صَلَاةً غَيْرَهَا» (۲۷۹)۔

ترجمہ: نماز کے وقت موت کو یاد کر لیا کرو۔ اس لئے کہ جب کوئی شخص اپنی نماز میں موت کو یاد کر لیتا ہے، تو وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی نماز زیادہ اچھی ہو۔ اور اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو یہ سمجھ کر نماز پڑھتا ہے کہ گویا یہ اس کی آخری نماز ہے۔

کیا اس سے بھی زیادہ واضح کوئی ارشاد اور کوئی بیان یا پیغام ہو سکتا ہے؟ کہ نماز کے وقت موت کو یاد کر لو اور اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو آخری نماز سمجھ کر پڑھ رہا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پھر آدمی اپنی نماز اچھے سے اچھے طریقے سے پڑھے گا۔ جیسا کہ حدیث کے درمیانی الفاظ ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت ابو ایوب فرماتے ہیں: ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے مختصر اور مفید نصیحت کیجیے۔ آپ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «إِذَا قُمْتَ فِي صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُودَعٍ» (۲۸۰)

ترجمہ: جب تم نماز پڑھو تو آخری نماز پڑھنے والے کی طرح پڑھو۔

یہ کتنی واضح بات ہے!

چوتھا طریقہ: جو کچھ تم پڑھو یا امام پڑھے، اس کو سمجھو۔ اس لیے کہ جب تم سمجھو گے تو خشوع کی کیفیت پیدا ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ

ءَامِنُوا بِهِ ۗ أَوْلَا تُؤْمِنُونَ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْآذْقَانِ

سُجَّدًا ﴿١٠٧﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْآذْقَانِ

بِكُوفٍ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾﴾ [الإسراء: ۱۰۹-۱۰۷]۔

ترجمہ: کہہ دیجئے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ یقیناً جب یہ ان لوگوں کے سامنے پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، تو وہ تھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، یقیناً ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے، اور وہ روتے ہوئے تھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں اور یہ چیز ان کے خشوع کو اور بڑھادیتی ہے۔

یہ بھی ایک طریقہ ہے خشوع پیدا کرنے کا۔ اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو خشوع کی یہ عظیم نعمت اسے حاصل ہو جائے گی۔

اس طریقے میں مندرجہ ذیل چیزوں کا اور بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے:

جو اذکار اور سورتیں آپ پڑھیں، ان میں تنوع پیدا کیجیے، یعنی انہیں بدل بدل کر پڑھیے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کئی سال سے میں نماز میں فلاں سورتیں اور فلاں آیتیں پڑھ رہا ہوں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ سنت یہ ہے کہ آپ قراءت میں تبدیلی کرتے رہیں، تاکہ آپ کو خشوع کی نعمت حاصل ہو۔ مثال کے طور پر رکوع میں کبھی آپ کہیں: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ. اور کبھی کہیں: سُبُوْحٌ قَدُوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ. اور کسی نماز میں یہ کہیں: اللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ، وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَلَكَ اَسْلَمْتُ، خَشَعْتُ لَكَ سَمْعِي وَبَصْرِي وَمُخِّي وَعَظْمِي وَعَصْبِي، (اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکوع کیا اور میں تجھی پر ایمان لایا، اور تیرے آگے ہی سر تسلیم خم کیا۔ میری سماعت، میری بصارت، میرا دماغ، میری ہڈیاں اور میرے اعصاب؛ سب آپ کے آگے خم ہیں)۔ یہ دعائیں رکوع میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں۔

جب نبی اکرم ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ «أَوَّلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوعُ حَتَّى لَا يُرَى فِيهَا خَاشِعٌ».

ترجمہ: اس امت سے سب سے پہلے خشوع اٹھایا جائے گا، حتیٰ کہ نماز میں ایک بھی خشوع رکھنے والا نہ ہوگا، تو دراصل آپ ہمیں اس بات کی ترغیب دے رہے ہیں کہ ہم اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کریں۔

نماز میں خشوع پیدا کرنے کا ایک اور معاون طریقہ:

اگر آپ صرف اس طریقے پر عمل کر لیں تو ان شاء اللہ آپ کو خشوع حاصل ہو جائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ خشوع پر ملنے والے اجر و ثواب کو ذہن میں تازہ کر لیں۔ آپ صرف اس اجر کا احساس کر لیں جو ابھی کچھ دیر پہلے میں نے بیان کیا، یا جو اس حدیث میں آرہا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ آپ ذرا اس فرمانِ رسول ﷺ پر غور کریں اور اسے اپنے دلوں میں اسے جاگزیں کریں تاکہ اعضاء و جوارح میں ایک پہلچل پیدا ہو: «إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَامَ يُصَلِّيَ أَنِّي بِذُنُوبِهِ فَجَعَلْتُ عَلَى رَأْسِهِ وَعَاتِقِهِ، فَكَلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ» «إِنَّ الْعَبْدَ» أَيُّ عِبِدٍ «أُنِّي بِذُنُوبِهِ» كُلُّ الذُّنُوبِ «فَجَعَلْتُ عَلَى رَأْسِهِ وَعَاتِقِهِ، فَكَلَّمَا رَكَعَ أَوْ سَجَدَ تَسَاقَطَتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ» (۲۸۱)

ترجمہ: جب بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کے گناہ لاکر اس کے سر اور کندھے پر رکھ دیے جاتے ہیں، پھر جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے، تو وہ گناہ گر جاتے ہیں۔ یعنی جب بھی آپ رکوع کو یا سجدے کو ادا کریں اور اسے طویل کر دیں، تو یہ سارے گناہ آپ کے سر اور کندھے سے جھڑ کر گر جاتے ہیں۔ ایسے ہی ہوگا اگر آپ نماز میں خشوع کا ارادہ کر لیں اور ان لوگوں میں شامل ہونے کا تہیہ کر لیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ

الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿۲﴾﴾ [المؤمنون: ۱-۲]۔

ترجمہ: یقیناً وہ ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

(۲۴)

مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ
ثُمَّ مَشَى إِلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ زَائِرُ اللَّهِ
وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الرَّائِرَ

اے بندۂ خدا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب تم مسجد جاتے ہو تو گویا اللہ کے گھر میں اس کی زیارت کرنے جا رہے ہو؟

اے اللہ کے بندے! کیا تم جانتے ہو کہ جب تم مسجد پہنچتے ہو تو تم اللہ کے گھر میں اس کے مہمان ہوتے ہو۔

اے خدا کے بندے! کیا تمہیں علم ہے کہ جب تم مسجد آتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے ایسے خوش ہوتا ہے، جیسے کسی گم شدہ شخص کے گھر والے اس کی واپسی سے خوش ہوتے ہیں؟

اے اللہ کے بندے! کیا تمہیں علم ہے کہ جب تم مسجد جاتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کیسی ضیافت، اکرام اور عطیات کا انتظام کر رکھا ہوتا ہے؟

اس سلسلے میں ہم حضرت سلمان فارسیؓ کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ

فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ مَشَى إِلَى الْمَسْجِدِ - أَوْ قَالَ: ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ - فَهُوَ زَائِرُ اللَّهِ، وَحَقُّ عَلَى الْمَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ» (۲۸۲).

ترجمہ: جس نے اپنے گھر میں اچھی طرح وضوء کیا، پھر وہ مسجد کی طرف چل کر گیا۔ یا یہ الفاظ فرمائے کہ پھر وہ مسجد آیا۔ تو دراصل وہ اللہ کی زیارت کرنے والا ہے۔ اور جس کی زیارت کی جائے اس پر حق ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے۔

یہاں جس کی زیارت کو آیا ہے وہ اللہ کی ذات ہے، اور زیارت کرنے والا کوئی اور نہیں؛ بلکہ اے بندہ خدا! وہ تم ہو۔ زیارت گاہ مسجد ہے جو زمین کے خطوں میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

اسی لیے حضرت عمرو بن میمونؓ نے فرمایا ہے: صحابہ رسول کہتے تھے کہ مسجدیں، زمین پر اللہ کے گھر ہیں۔ اور اللہ پر حق ہے کہ جو ان میں اس کی زیارت کرنے آئے اللہ اس کا اکرام کرے۔ (۲۸۳).

جو لوگ مسجد میں ہوتے ہیں، وہ اللہ کی ضیافت میں ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ہمیں جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دسترخوان پر مسجد آنے والے کے لیے کون کون سے عطیے اور تحفے تحائف کی کیسی کیسی اقسام ہیں۔ نبی اکرم ﷺ فرماتے

(۲۸۲) العجم الکبیر (۶/۲۵۳، ۶۱۳۹)، و ابن ابی شیبہ (۱۹/۱۸۹)، و الزہد (۲/۳۷۱)۔

(۲۸۳) الزہد والرقائق (۲/۲)، و شعب الایمان (۲۶۸۲-۲۶۸۳)۔

ہیں: «مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ أَوْ رَاحَ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُ نُزُلَهُ فِي الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ» (۲۸۴) ترجمہ: جو شخص صبح یا شام جب بھی مسجد میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ضیافت تیار کر دیتا ہے، خواہ وہ صبح کو آئے یا شام کو۔

اللہ تعالیٰ نے جو ضیافت اعزاز تیار کر رکھی ہے، اس میں کئی چیزیں ہیں:

پہلی ضیافت: قیامت کے دن کامل نور ملے گا:

اور یہ اس وقت ہوگا جب بندے کو اس نور کی سخت ضرورت ہوگی۔ اس لیے کہ قیامت کے دن سخت تاریکی ہوگی، خاص کر پل صراط پر، اور اس وقت بندے کو روشنی کی ضرورت ہوگی، تاکہ اسے اپنا راستہ نظر آئے۔ آپ ان لوگوں کو (پچشم تصور) دیکھیے جو دنیا میں (نماز پڑھنے کے لیے) تاریکی میں جاتے ہیں، کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں مکمل نور عطا کرے گا۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «بَشِّرِ الْمَشَائِينَ فِي الظُّلَمِ إِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّورِ النَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (۲۸۵)

ترجمہ: جو لوگ تاریکیوں میں مسجد جاتے ہیں، انہیں قیامت کے روز مکمل روشنی ملنے کی خوش خبری سنا دیجیے۔

اس حدیث میں فجر اور عشاء کی نماز کے لیے جانے والے مراد ہیں؛ کیوں کہ

(۲۸۴) بخاری (۶۶۲)، و مسلم (۶۶۹)۔

(۲۸۵) ابن ماجہ (۷۸۱)۔

تاریکی والی نمازیں یہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائیں، [وقت پر نہ پہنچیں] اور ان کے بارے میں کسی کو علم بھی نہ ہو، تو اسی لیے اللہ تعالیٰ انہیں اعزاز و اکرام و انعام کے دسترخوان سے نوازے گا اور انہیں نور عطا کرے گا۔

دوسری ضیافت: غلطیوں اور خطاؤں کا مٹنا۔

اللہ کے گھر میں گناہ اور خطائیں مٹادی جاتی ہیں۔ جی ہاں! خانہ خدا میں یہ تمام مہلک غلطیاں مٹادی جاتی ہیں۔ اور اس بات کی خبر بھی ہمیں نبی ﷺ ہی نے دی ہے۔ آپ نے فرمایا: «مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَسَىٰ إِلَىٰ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ، كَانَتْ خُطُوتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً، وَالْأُخْرَىٰ تَرْفَعُ دَرَجَةً» (۲۸۶)، ترجمہ: جس شخص نے اپنے گھر میں وضوء کیا، پھر وہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ کسی فرض کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف چل پڑا، تو اس کے ہر ایک قدم کے بدلے ایک غلطی مٹادی جاتی ہے اور دوسرے کے بدلے ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے۔

جی ہاں، ایک قدم پر ایک غلطی مٹادی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے اس بات کو سمجھ لیا تھا، اسی لیے وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے، تاکہ زیادہ سے زیادہ درجے بڑھالیں اور زیادہ سے زیادہ گناہ اور غلطی معاف کروالیں۔

اسی مناسبت سے ایک حدیث اور ہے، جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور ذرا تھوڑی طویل ہے، اس کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: «وَفِي نَقْلِ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ» يَعْنِي: إِلَى الْمَسْجِدِ «وَأِسْبَاغِ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ، وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ، وَمَنْ يُحَافِظْ عَلَيْهِنَّ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»^(۲۸۷)، ترجمہ: مسجد کی طرف قدم اٹھانا اور نا خوشگوار حالات میں بھی اچھی طرح وضوء کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنا؛ جو شخص بھی ان چیزوں کی پابندی کرے گا، اس کی زندگی بھی خیر کے ساتھ گزرے گی اور اس کی موت بھی خیر والی ہوگی۔ اور وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے اس دن تھا، جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔ تو جماعت یعنی مسجد کے لیے قدم بڑھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا؛ قیامت کے دن مکمل نور کا اور گناہوں کی معافی کا سبب ہوگا۔

تیسری ضیافت: تمہارے لیے ملائکہ مسخر کر دیے جائیں گے:

اے وہ شخص جو تردد کا شکار رہتا ہے اور یہ کہتا رہتا ہے کہ میں اکیلا پن محسوس کر رہا ہوں، اس لیے کہ بعض لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ میں اکیلا پن محسوس کرتا ہوں، مجھے گھٹن کا احساس ہو رہا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے ساری دنیا میرے خلاف ہو۔ تو ایسے خیالات رکھنے والوں سے میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب تم مسجد آؤ گے

تو وہاں تم تنہا نہیں رہو گے، کیوں کہ فرشتے تمہارے لیے مسخر ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتْ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ، يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، اللَّهُمَّ تَبَّ عَلَيْهِ» (۲۸۸)۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جاتا ہے، تو جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے، اسے نماز کے اندر ہی (مشغول) مانا جاتا ہے۔ اور جو اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لیے دعاء کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔

تو جب آپ اپنی جگہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم مخلوق جو کبھی بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتی ہے، وہ آپ کے لیے دعاء کرتے ہوئے کہتی رہتی ہے: اے اللہ! فلاں کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! فلاں پر رحم فرما۔ اے اللہ! فلاں کی توبہ قبول فرما۔ جب تک نماز کھڑی نہیں ہو جاتی، وہ اسی طرح دعاء کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا: «وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، يَقُولُونَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، اللَّهُمَّ تَبَّ عَلَيْهِ»۔

ترجمہ: اور فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعاء کرتے ہیں جو اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔

بلکہ ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ لِلْمَسَاجِدِ أَوْلَادًا» ترجمہ: مسجدوں کے بھی کھوٹے ہوتے ہیں۔ کھونٹوں سے مسجد آنے جانے والے مراد ہیں۔ آگے فرمایا: «الْمَلَائِكَةُ جُلَسَاؤُهُمْ، إِنْ غَابُوا يَفْتَقِدُونَهُمْ، وَإِنْ مَرَضُوا عَادُوهُمْ، وَإِنْ كَانُوا فِي حَاجَةٍ أَعَانُوهُمْ» (۲۸۹) ترجمہ: ایسے لوگوں کے ہمنشین فرشتے ہوتے ہیں، جب وہ غیر حاضر ہوتے ہیں تو فرشتے انہیں تلاش کرتے ہیں، جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو ان کی عیادت کرتے ہیں، اور جب انہیں کوئی ضرورت پڑ جاتی ہے، تو وہ ان کی مدد کرتے ہیں۔

تو آپ تنہا نہیں ہوتے؛ بلکہ فرشتے بھی آپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اعزاز کی ضیافتوں میں سے یہ بھی ایک نعمت ہے۔

چوتھی ضیافت: یہ ضیافت کتنی عظیم ہے! جب بھی بندہ اس کے بارے میں سنے گا تو خوشی سے پھولے نہ سمائے گا۔ اور اس کی زبان پر حمد و ذکر کے ترانے جاری ہو جائیں گے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ» كُلُّ فَرِيضَةٍ «وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يَنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ» (٢٩٠)

ترجمہ: جو شخص با وضوء اپنے گھر سے فرض نماز کی نیت سے نکلا تو اس کا اجر احرام باندھے ہوئے حاجی کی طرح ہے۔ اور جو شخص چاشت کی نماز کے لیے نکلا اور اس کے بغیر کوئی اور مقصد نہ تھا تو اس کا اجر عمرہ کرنے والے کی طرح ہے۔

تو انسان اگر کسی بھی فرض نماز کے لیے نکلتا ہے تو اس کے لیے حاجی کے برابر اجر و ثواب لکھا جاتا ہے اور جب وہ مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے جاتا ہے تو اس کے لیے عمرہ کرنے والے کے برابر ثواب لکھا جاتا ہے۔

یہ رحمان کے چار دسترخوان ہیں، جو اس نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیے ہیں جو ذکر اور نماز سے اس کے گھر کو آباد کرتے ہیں۔ جی ہاں! یہ رحمان کی ضیافتیں ہیں: مکمل نور، گناہوں اور خطاؤں کو مٹانا، فرشتوں کا اس کی خدمت کے لئے مامور ہونا، اور حاجی اور معتمر کے برابر اجر و ثواب۔

پانچویں ضیافت: یہ ایسی ضیافت ہے جو کسی کے خیال میں بھی نہیں آتی؛ لیکن یہ اُس کریم ذات کی طرف سے ہے؛ بلکہ کوئی عقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی؛ لیکن یہ بھی رحمان کی ضیافتوں میں شامل ہے، اور اس شخص کے لیے ہے جو اس

کے گھر آتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی نبی ﷺ نے خبر دی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ رَاحَ» يَعْنِي: إِلَى الْمَسْجِدِ «فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا» انْتَهَتْ الصَّلَاةُ «أَعْطَاهُ اللَّهُ جَلَّ وَعَزَّ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَّرَهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْئًا» (۲۹۱)،

ترجمہ: جس نے اچھی طرح وضوء کیا پھر مسجد کی طرف نکل پڑا، اور جب پہنچا تو دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، یعنی جماعت ہو چکی ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ان لوگوں کے برابر اجر عطا فرمائیں گے جنہوں نے جماعت سے نماز پڑھی ہے۔ اور اس وجہ سے ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اے ہمارے رب! آپ کتنے کریم ہیں!! ایک شخص مسجد آتا ہے؛ اس لیے کہ اس کا معمول ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔ اب وہ مسجد پہنچتا ہے۔ اور اس کے لیے اپنے قدم اٹھاتا ہے اور سارے اسباب اختیار کرتا ہے، لیکن اس کی جماعت چھوٹ چکی ہوتی ہے، تو بھی آپ اس کے لیے جماعت کا ثواب لکھتے ہیں! ان لوگوں جتنا ثواب جو اس جماعت میں شریک تھے اور جنہوں نے امام کے ساتھ آمین کہی اور اس کے ساتھ تکبیر کہی اور اس کے ساتھ سلام پھیرا۔ یہ رب کریم کا کتنا بڑا فضل ہے!

اس لیے اگر ہمارے نبی ﷺ یہ فرماتے ہیں: «فَحَقُّ عَلَى الْمَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ» ترجمہ: جس کی زیارت کی جائے، اس پر حق ہے کہ وہ زیارت کرنے والے کا اکرام کرے، تو یہ بھی اکرام کی ایک قسم ہے، جو رحمان و رحیم اپنے ان مہمانوں کو عطا کرتا ہے جو اس کے گھر میں اس کے پاس آتے ہیں۔

(۲۵)

أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ

اسلامی شریعت لوگوں کے دلوں کو جوڑنے کے لیے آئی ہے۔ اس نے لوگوں کے درمیان صلح کی کوشش کی حوصلہ افزائی کی ہے، اور اس پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے؛ بلکہ اس کو سب سے افضل صدقہ، سب سے بڑی اطاعت اور اللہ کے قریب کرنے والی سب سے بڑی نیکیوں میں شمار کیا ہے۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانا ایک عظیم عبادت ہے، جس کی بڑی اہمیت ہے اور جس میں بہت خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ [النساء: ۱۲۸]۔ ترجمہ: اور صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا مطلب یہ ہے کہ لڑائی جھگڑے اور اختلاف و افتراق کے اسباب دور کیے جائیں، اور محبت و الفت اور مودت کے اسباب پیدا کیے جائیں۔ صلح کرانا، اچھے کارناموں میں سرفہرست ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

إِنَّ الْمَكَارِمَ كُلَّهَا لَوْ حَصَلَتْهَا
تَعْظِيمُ أَمْرِ اللَّهِ جَلَّ جَلَالُهُ
رَجَعَتْ كُلُّهَا إِلَى شَيْئَيْنِ
وَالسَّعْيُ فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ (۲۹۲)

ترجمہ: اگر تم تمام اچھے کاموں کو حاصل کرنا چاہو، تو ان سب کا محور دو چیزیں ہیں۔ ایک اللہ جل جلالہ کے حکم کی تعظیم اور دوسری؛ آپس میں صلح صفائی کرانا۔ یہ حدیث بھی اسی جوامع الکلم کے مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ معجم کبیر میں طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ» ترجمہ: سب سے افضل صدقہ؛ آپس کی صلح ہے۔ (۲۹۳)۔

آپس کی اصلاح ایک عظیم عبادت اور عمدہ اخلاقی صفت ہے۔ اسے وہی سمجھ سکتا ہے جس کا دل کینے، حسد اور خود غرضی و خود پسندی سے پاک ہو۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانا، ایک ایسی عبادت ہے، جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے رغبت دلائی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بہت سی آیتیں نازل ہوئی ہیں، جن میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيمًا ۝۸۵﴾ [النساء: ۸۵]۔

ترجمہ: جو اچھی سفارش کرے گا، اس کے لیے اس میں حصہ ہے۔ اور جو برائی کی سفارش کرے گا، اس کے لیے اس میں بوجھ ہے۔

تفسیر بغوی میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اچھی سفارش لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ اور بری سفارش لوگوں کے درمیان ایک دوسرے کی چغلی کرنا ہے۔ (۲۹۳)

سورہ نساء کی ایک عظیم آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [النساء: ۱۱۴]۔

ترجمہ: ان کی اکثر سرگوشیوں میں بھلائی نہیں ہے، ہاں کوئی صدقے کی بات یا بھلی بات یا لوگوں کے درمیان اصلاح کی بات کہے، اور جو بھی اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے ایسا کرے گا، تو ہم آگے اس کو بڑے اجر سے نوازیں گے۔

سورہ نساء میں ہی ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ تُصَلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء: ۱۲۹]۔

ترجمہ: اور اگر تم موافقت و صلح کر لو اور پرہیزگاری کرو، تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

یہ ایک عظیم عبادت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا اجر و ثواب رکھا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَمْسِكُونَ بِالْأَنْبِئِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ

الْمُصَلِّينَ ﴿١٧٠﴾ ﴿الأعراف: ١٧٠﴾.

ترجمہ: جو لوگ اس کتاب کو مضبوطی سے پکرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، تو پھر ہم درستگی رکھنے والوں (اصلاح کرنے والوں) کے اجر کو بالکل ضائع نہیں کرتے ہیں۔

اگر آپ اس سلسلے میں حدیثوں کی طرف رخ کریں، تو ان میں بھی اس عبادت کی ترغیب ملے گی۔ اس بارے میں آپ ﷺ کا یہی ارشاد کافی ہے، جسے حضرت ابو درداء نے روایت کیا ہے: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلِ مَنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟!» قالوا: بلى. قال: «إِصْلَاحَ ذَاتِ الْبَيْنِ» (۲۹۵)

ترجمہ: آپ نے صحابہ سے پوچھا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو روزے، نماز اور صدقے کے درجے سے بڑھکر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ضرور ارشاد فرمائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپس کی صلح۔

تو آپس کی صلح اللہ کے نزدیک اجر و ثواب میں نفل نماز، نفل روزوں اور نفل صدقے سے بھی افضل ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ شَيْئًا أَفْضَلَ مِنْ الصَّلَاةِ وَإِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَخُلُقِي حَسَنٍ» (۲۹۶)۔

(۲۹۵) احمد (۴۳۳/۶)، وابو داؤد (۳۹۱۹)، وترمذی (۲۵۰۹)۔

(۲۹۶) شعب الایمان (۱۰۵۸۰)۔

ترجمہ: نماز، آپسی صلح اور حسن اخلاق کے علاوہ انسان کا کوئی عمل افضل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے جو حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو ایوبؓ سے فرمایا: «يَا أَبَا أَيُّوبَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَىٰ عَمَلٍ يَرْضَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ؟!» قال: بلى. قال: «تُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ إِذَا تَفَاسَدُوا، وَتُقَارِبُ بَيْنَهُمْ إِذَا تَبَاعَدُوا» (۲۹۷)۔

ترجمہ: اے ابو ایوب! کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: جی، کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب لوگوں میں جھگڑا فساد ہو جائے، تو تم ان کے درمیان صلح کرادو اور جب ان میں دوری ہو جائے، تو قربت پیدا کر دو۔

یہ ایک جلیل القدر عبادت ہے اور معاشرے کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے کہ معاشرہ انسانی خصوصیات سے بندھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے میٹھے اور باپ کے درمیان، بھائی اور بھائی کے درمیان، بیوی اور شوہر کے درمیان اور دو خاندانوں کے درمیان لڑائی جھگڑوں کی نوبت آہی جاتی ہے، اور اختلاف کے اسباب پیدا ہو ہی جاتے ہیں، ایسے مواقع پر یہ عبادت اپنا کام کرتی ہے اور دلوں میں پائے جانے والی کدورتوں کو دور کر دیتی ہے۔

اگر آپ ان مواقع پر غور کریں جن میں صلح کرانے کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسے مواقع بہت زیادہ ہیں۔

ان میں سرفہرست حاکم اور رعایا کے درمیان صلح کرانا ہے:

یعنی انسان کو چاہیے کہ وہ امیر اور رعایا، حاکم اور محکوم کے درمیان صلح کرائے۔ وہ صلح کے بجائے امیر اور رعایا کے درمیان فساد پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ امیر اور رعایا کے درمیان فساد پھیلانے سے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، موجودہ صورت حال اس پر گواہ ہے۔

اسی مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے بتایا: «وَأِفْسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ. وَلَكِنَّهَا تَحْلِقُ الدِّينَ» (۲۹۸)۔

ترجمہ: آپس میں فساد پھیلانا (جھگڑا کرانا) مونڈنے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے؛ بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتا ہے (یعنی ختم کر دیتا ہے)۔

ذرا ان معاشروں کی حالت پر غور کرو جن میں امیر اور عوام، اور حاکم و محکوم کے درمیان اختلافات ہوئے، کہ کیسے وہ معاشرے دین سے محروم ہو گئے اور ان میں کتنے خطرناک فتنے رونما ہوئے۔

آپ کو تعجب ہو گا جب آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خود غرض لوگ، وہ اہل قلم بھی ہو سکتے ہیں، خطیب اور واعظ بھی، جو ہمیشہ محکوم کو حاکم اور رعایا کو امیر کے خلاف ورغلانے کا کام کرتے ہیں، اور زیادہ تر معاشرے کی برائیوں کے بارے میں

گفتگو کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ کو اچھائی نظر نہیں آتی ہے۔ یہ طرز عمل صلح کرانے کی عبادت سے میل نہیں کھاتا۔ صلح کرانا تو یہ ہے کہ آپ دو مقابل لوگوں کے درمیان فرقت و نزاع کے اسباب دور کریں۔ جو شخص محکوم کو حاکم کے خلاف یا حاکم کو محکوم کے خلاف ورغلاتا ہے، وہ فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایسے شخص کو مُفسد کہا ہے۔

اصلاح کا ایک میدان؛ دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کرانا ہے:

کتنے ایسے بھائی ہیں، جن کی اپنے بھائیوں سے خصومت ہے، کتنے ایسے دوست ہیں، جن کی اپنے دوستوں سے لڑائی ہے! تو ان دو جھگڑا کرنے والوں کے معاملے میں پڑنا اور اصلاح کرانا؛ ایک عظیم عبادت ہے۔ حضرت انسؓ کے اس جملے پر غور کرو، کتنا شاندار جملہ ہے، فرمایا: جس نے دو لوگوں کے درمیان صلح کرائی، تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر کلمے کے بدلے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب دے گا۔ «مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ أَعْطَاهُ بِكُلِّ كَلِمَةٍ عَتَقَ رَقَبَةً» (۲۹۹) یعنی وہ صلح کرانے کے لیے جتنے کلمے (الفاظ) بھی استعمال کرے گا، تو اسے ہر لفظ کے بدلے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔

یہ ممکن نہیں کہ حضرت انسؓ نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہو۔ لازماً انھوں نے حضور ﷺ سے سنی ہوگی۔ اس قدر عظیم ثواب کی وجہ یہ ہو سکتی ہے

کہاگر دونوں جھگڑا کرنے والے، اسی خفگی و ناراضی کی حالت میں مرجائیں، تو یہ بڑی سنگین بات ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: «لَا تَحِلُّ الْهَجْرَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ» ترجمہ: تین دن سے زیادہ بول چال بند کرنا جائز نہیں۔

اے بھائی! اگر آپ ابھی تک اپنے بھائی، یا والدین، یا اولاد یا بیوی سے ناراض ہیں اور آپس میں بات بند ہے، تو اس حدیث پر غور کیجئے: «لَا تَحِلُّ الْهَجْرَةُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ؛ فَإِنَّ التَّقِيًّا فَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرِ وَرَدَّ عَلَيْهِ الْآخَرَ السَّلَامَ اشْتَرَكَ فِي الْأَجْرِ، وَإِنْ أَبِي الْآخَرَ أَنْ يَرُدَّ السَّلَامَ بَرِيءٌ هَذَا مِنَ الْإِثْمِ، وَبَاءَ بِهِ الْآخَرَ، وَإِنْ مَاتَا وَهُمَا مُتَهَاجِرَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي الْجَنَّةِ» (۳۰۰)،

ترجمہ: تین دن سے زیادہ قطع کلامی جائز نہیں۔ پھر اگر دونوں کی ملاقات ہو اور ایک دوسرے کو سلام کرے، اور دوسرا سلام کا جواب دے دے، تو اجر میں دونوں شریک ہیں۔ لیکن اگر دوسرا جواب نہ دے تو سلام کرنے والا گناہ سے بری ہے۔ سارا گناہ اسی پر ہوگا۔ اور اگر دو قطع کلامی کرنے والوں کا اسی حالت میں انتقال ہو جائے تو وہ جنت میں بھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔

اے صلح کرانے والے! اگر آپ دو جھگڑا کرنے والوں کو اس مصیبت سے بچالیں، تو آپ کا یہ عمل بہت عظیم ہوگا اور آپ کو بڑا ثواب حاصل ہوگا۔

صلح کا ایک میدان؛ شوہر اور بیوی کے درمیان صلح کرانا ہے:

ایسا شخص بھی صلح کرانے والا مانا جائے گا، جو ایک خاندان میں (شوہر اور بیوی کے درمیان) صلح کراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مواقع پر اس کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَيْرًا﴾ [النساء: ۳۵]۔

ترجمہ: اور اگر تمہیں ان دونوں کے آپس کے توڑ کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے کھڑا کرو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ دونوں میں جوڑ پیدا فرمادے گا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا، پورا باخبر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أُمْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ [النساء: ۱۲۸]۔

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی جانب سے اکھڑے رہنے یا بے رخی کا ڈر ہو، تو اس میں ان دونوں کے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ آپس میں کچھ صلح کر لیں، اور صلح کر لینا ہی بہتر ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِنْ تَصَلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ [النساء: ۱۲۹].

ترجمہ: اور اگر تم موافقت و صلح کر لو اور پرہیزگاری کرو، تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

صلح کا ایک میدان وارثوں کے درمیان جھگڑے کے وقت صلح کرانا بھی ہے: وراثت کے وقت جھگڑے کا سبب کبھی تو وصیت کرنے والا ہوتا ہے۔ ہم نے کتنی مرتبہ سنا ہے اور آپ نے بھی بارہا دیکھا ہوگا کہ میت کی تدفین سے پہلے ہی ترکہ کو لے کر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ یعنی ابھی مرنے والے کو دفن بھی نہیں کیا گیا ہوتا ہے۔ اس کی نعرش ان کے سامنے ہوتی ہے؛ لیکن ترکے کے حصوں کو لے کر ان کے درمیان جھگڑا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [البقرة: ۱۸۲].

ترجمہ: ہاں جو وصیت کرنے والے کے بارے میں طرف داری یا گناہ کا اندیشہ کرے، پھر وہ ان (وارثین) میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلْخَيْرِ مَعَالِيْقَ لِلشَّرِّ، وَإِنَّ مِنَ النَّاسِ مَفَاتِيحَ لِلشَّرِّ مَعَالِيْقَ لِلْخَيْرِ، فَطُوبَى لِمَنْ جَعَلَ اللَّهُ مَفَاتِيحَ الْخَيْرِ عَلَى يَدَيْهِ، وَوَيْلٌ لِمَنْ جَعَلَ اللَّهُ

مَفَاتِيحَ الشَّرِّ عَلَى يَدَيْهِ» (۳۰۱)،

ترجمہ: کچھ لوگ خیر کی کنجی اور برائی کے قفل ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ برائی کی کنجی اور خیر کے قفل ہوتے ہیں۔ تو اس شخص کے لیے بہت بڑی خیر ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ خیر کی کنجیاں رکھ دے، اور اس کے لیے ہلاکت ہے، جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ شر کی کنجیاں رکھ دے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ نے اس شخص کو جو خیر کے دروازوں کی کنجی اور شر کے دروازوں کا قفل ہو، ”طوبی“ یعنی خیر کثیر کی بشارت دی ہے۔

میں اس موقع پر اپنے بھائیوں سے، فرد کی سطح پر بھی اور سرکاری یا شہری تنظیموں کی سطح پر بھی یہ درخواست کرتا ہوں کہ ہمارے معاشروں میں بھی اس طرح کی تنظیمیں ہونی چاہئیں جو لوگوں کے درمیان صلح صفائی پر توجہ دیں۔ میری تمنا ہے کہ ہر ضلع میں لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے والی ایک تنظیم ہو، تاکہ ان مقدموں میں کچھ کمی آئے جو عدالتوں میں پیش ہوتے ہیں۔ اور عدالت میں مقدمہ پہنچنے سے پہلے ہی اصلاحی تنظیم کے کارکن ان تک پہنچیں اور جھگڑا کرنے والوں میں صلح کرائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو بھی اس کی طرف پہل کرے گا، خواہ انفرادی طور پر یا سرکاری سطح پر، جو بھی اس کام کی باگ ڈور سنبھالے گا، وہ اس خیر کثیر کا مستحق ہوگا، جس کی نبی اکرم ﷺ نے خوشخبری دی ہے۔

(۲۶)

إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ

جوامع الكلم کے اس مبارک سلسلے کی یہ حدیث بھی ہے جسے حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، لِيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ» (۳۰۲)۔

ترجمہ: بے شک دنیا میٹھی اور سرسبز و شاداب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس میں خلیفہ بنایا ہے، تاکہ وہ یہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ دنیا گزر گاہ ہے، قیام گاہ نہیں۔

دنیا کی طرف وہی جھکتا ہے اور وہی اس سے خوش ہوتا ہے اور وہی اس سے دھوکے میں پڑتا ہے، جو اس کی حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے۔

دنیا آخرت کی سواری ہے۔ اگر آپ دنیا اور اس کی حقیقت سے واقف ہونا چاہتے ہیں، تو قرآن اور حدیثوں کو دیکھیے کہ دنیا کی حقیقت کے بارے میں بے شمار آیتیں اور احادیث موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَنْقُوتُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [۳۲] [الأنعام: ۳۲]۔

ترجمہ: اور دنیا کی زندگی تو کھیل تماشے کے سواء کچھ نہیں، اور آخرت کا گھر ہی پر ہیز گاروں کے لیے بہتر ہے۔ پھر کیا تم سمجھ سے کام نہیں لیتے۔
دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا أَتَيْنَاهَا أَمْرًا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢٥﴾﴾ [يونس: ٢٤-٢٥].

ترجمہ: دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم نے اوپر سے پانی برسایا، تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا، جس کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں، یہاں تک کہ جب زمین اپنی سچ دھج دکھاتی ہے اور وہ لہلہا اٹھتی ہے اور اس کے مالک سمجھ لیتے ہیں کہ اب وہ ان کے ہاتھوں میں ہے، تو رات میں یا دن میں ہمارا فیصلہ آپہنچتا ہے، بس ہم اس کو بھوسا بنا کر رکھ دیتے ہیں، جیسے کل وہ کچھ تھی ہی نہیں۔ اسی طرح ہم آمتیں ان لوگوں کے کے لیے کھول کھول کر بیان کرتے ہیں، جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھے راستے پر چلا دیتا ہے۔

بعض لوگوں نے دنیا کی حقیقت کو سمجھ لیا تھا، تو وہ اس سے بچ گئے اور اس کے

دھوکے میں گرفتار نہ ہوئے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے :

إِنَّ اللَّهَ عِبَادًا فُطِنَا طَلَقُوا الدُّنْيَا وَخَافُوا الْفِتْنَا
نَظَرُوا فِيهَا فَلَمَّا عَلِمُوا أَنَّمَا لَيْسَتْ لِدَارٍ حَيٍّ سَكْنَا
جَعَلُوهَا لُجَّةً وَاتَّخَذُوا صَالِحِ الْأَعْمَالِ فِيهَا سُفْنًا (۳۰۳)

ترجمہ: اللہ کے کچھ سمجھ دار بندے تھے جنہوں نے آزمائش کے خوف سے دنیا کو طلاق دیدی۔ انہوں نے دنیا کے بارے میں غور کیا، اور جب انہوں نے جان لیا کہ یہ کسی زندہ شخص کے لیے جائے سکونت نہیں ہے۔ تو انہوں نے اس کو سمندر سمجھا اور نیک اعمال کو اس کی کشتی بنا لیا۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»، ترجمہ: دنیا میں ایسے رہو جیسے پردیسی یا مسافر۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے تھے: جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کرو۔ اپنی صحت کو بیماری کے لیے اور اپنی زندگی کو موت کے لیے استعمال کر لو۔ (۳۰۴)، یہی دنیا کی بے مقصد ہے۔ اور یہ دینا اور جو کچھ اس میں ستارے، کہکشاں، نہریں، درخت، باغات اور شہر ہیں، یہ سب آخرت کے مقابلے

(۳۰۳) الصلۃ (ص: ۵۳۵)، ووفیات الایمان (۴/۲۶۲)۔

(۳۰۴) بخاری (۶۴۱۶)۔

میں کچھ بھی نہیں۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: «وَاللَّهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَرَجُلٍ وَضَعَ
إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ»، أَي: فِي الْبَحْرِ «ثُمَّ رَجَعَتْ إِلَيْهِ فَمَا أَخَذَ مِنْهُ؟!» (۳۰۵)
ترجمہ: اللہ کی قسم! آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص
سمندر میں اپنی انگلی ڈالے، تو کیا اس کا یہ عمل سمندر میں کچھ بھی کمی کرے گا!

دنیا گزر گاہ ہے۔ اور جو کچھ آج ہم لڑائی جھگڑے، ترک تعلق اور دنیا کی
بھوک دیکھ رہے ہیں، یہ سب کچھ ایسی حقیر و معمولی چیز کے لیے ہو رہا ہے، جس
کی اس کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔
اور دنیا کے معمولی حصے کے فوت ہونے پر جو ہم حسرت و افسوس کا مشاہدہ
کرتے ہیں، درحقیقت یہ دنیا کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے کہا
گیا ہے:

النَّفْسُ تَبْكِي عَلَى الدُّنْيَا وَقَدْ عَلِمَتْ أَنَّ السَّلَامَةَ فِيهَا تَرُكُ مَا فِيهَا
لَا دَارَ لِلْمَرْءِ بَعْدَ الْمَوْتِ يَسْكُنُهَا إِلَّا الَّتِي كَانَ قَبْلَ الْمَوْتِ بَانِيهَا
فَإِنْ بَنَاهَا بِخَيْرٍ طَابَ مَسْكَنُهُ وَإِنْ بَنَاهَا بِشَرٍّ خَابَ بَانِيهَا (۳۰۶)

ترجمہ: یہ نفس دنیا پر آنسو بہاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ دنیا میں

(۳۰۵) احمد (۲۳۰/۴)، و مسلم (۲۸۵۸)۔

(۳۰۶) بغیة الطلب فی تاریخ حلب (۴۰۷۱/۹) الکلیول (۷۷/۲) ودیوان علی بن ابی طالب (ص: ۲۱۰)۔

سلامتی اسی میں ہے کہ جو کچھ اس میں ہے اس سے ترک تعلق کر لیا جائے۔ مرنے کے بعد آدمی کے رہنے کے لیے وہی گھر ہوگا، جو اس نے موت سے پہلے بنایا ہوگا۔ اگر اس نے نیک عمل گھر بنایا ہوگا، تو اس کا گھر اچھا ہوگا۔ اور اگر برے عمل کے ذریعے بنایا ہوگا، تو بنانے والا ناکام و نامراد ہے۔

خلیفہ راشد حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

سنو کہ دنیا تو پیٹھ پھیر کر چلی گئی اور آخرت آنے والی ہے۔ ہر ایک کے کچھ چاہنے والے ہیں۔ تو تم آخرت والے بنو، دنیا والے نہ بنو۔ آج عمل کا موقع ہے اور کوئی حساب کتاب نہیں۔ کل کو صرف حساب ہوگا، عمل کا موقع نہیں ہوگا۔ (۳۰۷)۔

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ ہمارے لیے دنیا کی حقیقت اس طرح بیان کرتے ہیں: سنو کہ دنیا کی زیب و زینت کی برقراری بہت قلیل مدت کے لئے ہے۔ دنیا میں جو معزز ہے، وہ ذلیل ہے۔ دنیا کا مال دار حقیقت میں فقیر ہے۔ اس میں جو جوان ہے، اسے بوڑھا ہونا ہے۔ جو زندہ ہے، اسے موت آنی ہے۔ تو جب تم جانتے ہو کہ وہ بہت جلد ختم ہو جائے گی، تو اس کے آنے سے دھوکے میں نہ پڑنا۔ اور سب سے بڑے دھوکے میں تو وہ ہے جو دنیا سے دھوکہ کھا جائے۔ (۳۰۸)۔

(۳۰۷) بخاری (۸۹/۸) الزهد (۱/۸۶، ۲۵۵)، و مصنف ابن ابی شیبہ (۱۹/۱۵۳)، و ابو داؤد فی الزهد (۱۰۶)۔

(۳۰۸) حلیۃ الاولیاء (۵/۲۶۱-۲۶۲)۔

حضرت عمرؓ ہی فرماتے تھے: دنیا کے وہ مکس کہاں چلے گئے جنہوں نے اس کے شہر بسائے تھے، نہریں کھودی تھیں اور جنہوں نے درخت لگائے تھے!!

إِنَّمَا الدُّنْيَا فَنَاءٌ لَيْسَ لِلدُّنْيَا ثُبُوتٌ
 إِنَّمَا الدُّنْيَا كَبَيْتٌ نَسَجْتَهَا الْعَنْكَبُوتُ
 وَلَقَدْ يَكْفِيكَ مِنْهَا أَيُّهَا الطَّالِبُ قُوتٌ (۳۰۹)

ترجمہ: دنیا کو فناء ہے۔ دنیا کے حصے میں بقاء نہیں۔ دنیا کی مثال تو مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ اے دنیا کے طالب! تیرے لیے اس میں سے اتنا ہی کافی ہے جو بقدر ضرورت ہو۔

دنیا سے جو بھی محبت کرتا ہے اور اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے، اسے دنیا کے ذریعے ہی عذاب ملتا ہے۔ دنیا کی جو محبت مذموم ہے، اس سے مراد ایسی محبت ہے جو آخرت سے محبت میں آڑ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۗ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۗ وَأَحْسِنَ ۗ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۗ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ [القصص: ۷۷].

ترجمہ: اور تمہیں اللہ نے جو دیا ہے، اس سے آخرت کی گھر کی طلب میں کرو اور دنیا میں سے اپنے حصہ نہ بھولو، اور جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے، تم بھی دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو، اور زمین میں فساد مت چاہو۔ یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔

لہذا دنیا کی ایسی چاہت جس میں آخرت کا نقصان نہ ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ دنیا میں اپنے والدین سے، اپنی بیوی سے، اپنی اولاد سے محبت کر سکتے ہیں۔ اس میں کھاپی سکتے ہیں اور اچھا لباس پہن سکتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ حلال طریقے سے ہو اور اسے آخرت پر ترجیح نہ دی گئی ہو۔ اگر آپ اپنی شہوت پوری کرنا چاہتے ہیں، تو شادی کر سکتے ہیں، اس لیے کہ یہ تو انسان کی فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَادِ ﴿١٤﴾﴾

قُلْ أُو۟بَيِّتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنۢ ذَٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنۢ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ [آل عمران: ۱۵-۱۶].

ترجمہ: لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت خوش نما کر دی گئی ہے، عورتوں کی اور بچوں کی اور ڈھیروں ڈھیروں ڈھیر سونے اور چاندی کی اور نشان لگے ہوئے گھوڑوں

اور چوپایوں اور کھیتی کی، یہ دنیاوی زندگی سے لطف اٹھانے کے کچھ سامان ہیں اور بہترین ٹھکانہ صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا میں تمہیں اس سے بہتر نہ بتا دوں ان کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے رب کے پاس وہ باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، اور صاف ستھری بیویاں ہیں، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی کا پروانہ ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

جس نے دنیا کی محبت کو آخرت کی محبت پر ترجیح دی، اور حرام کھایا، زنا کیا، حرام پہنا اور شراب پی اور حرام لین دین کیا، تو جس نے دنیا سے ایسی محبت کی، اس کی حالت دنیا میں بھی خراب ہے اور آخرت میں بھی خراب ہوگی۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ﴾ [التوبة: ۸۵]

ترجمہ: ان کے مال پر آپ حیرت نہ کریں۔

آپ دیکھئے کہ دنیا کی حالت ایسی ہی، پھر بھی لوگ اس میں مگن ہو رہے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ [التوبة: ۵۵].

ترجمہ: تو ان کا مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دے، اللہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے ذریعے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے، اور کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکلے۔

دنیا سے محبت کرنے والے کو دنیا میں ہی عذاب دیا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ اسے دنیا کمانے میں تکلیف ہوتی ہے، پھر اس کے فوت ہونے پر بھی اسے تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھر اسے اس کی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور جب اس دنیا کی مال و دولت کا حساب ہوگا، تو اپنے رب سے ملاقات کے وقت بھی اس کو تکلیف و عذاب ہوگا۔ دنیا کی محبت کے تین خطرے ہیں۔ ان سے چوکنا رہیے۔ میں خود کو بھی متنبہ کرتا ہوں اور آپ کو بھی۔

جس شخص نے آخرت کے مقابلے میں دنیا سے محبت و تعلق قائم کیا، تو وہ تین خطرات کا شکار ہوتا ہے:

پہلا خطرہ: دائمی غم، لازمی فقر اور نہ ختم ہونے والی حسرت۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَمَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ»، بخلاف الأول «مَنْ كَانَتْ الآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتْ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللَّهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ» (۳۱۰)،

ترجمہ: جس نے آخرت کو اپنی فکر بنالیا، تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں بے نیازی ڈال دیتا ہے، اور اس کے ارادے مضبوط کر دیتا ہے، اور دنیا اس کے پاس ناک

رگڑ کر آتی ہے۔ اور جو دنیا کو اپنی فکر بناتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اس کے سامنے کر دیتا ہے، اس کے ارادے کو منتشر کر دیتا ہے، اور پھر بھی دنیا، اس کے پاس اسی قدر آتی ہے، جتنی مقدر ہوتی ہے۔

تو بندے کو ڈرنا چاہیے کہ جب جب بھی وہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی طلب میں پڑے گا، تو اسے یہ نقصانات ہوں گے: دائمی فقر، لازمی غم اور نہ ختم ہونے والی حسرت۔

دوسرا خطرہ:- اور یہ بڑا سنگین ہے۔

جو شخص دین کے مقابلے دنیا کو ترجیح دیتے ہوئے اس سے مذموم محبت کرتا ہے، تو اس کا اس کی زندگی سے دینی اقدار ختم ہو جاتے ہیں، اور وہ تمام اصول و مبادی ہوا ہو جاتے ہیں، جن کی وہ خود دعوت دیا کرتا تھا، پھر جب اس کے لیے دنیا سچ دھج گئی، تو وہ دنیا کے معمولی سامان کے بدلے اپنا دین بیچ ڈالتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتْنًا كَقَطْعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا» (۳۱۱)،

ترجمہ: تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے آنے سے پہلے پہلے [نیک] اعمال میں جلدی کر لو۔ (ایک وقت آئے گا کہ) انسان ایمان کی حالت میں صبح کرے گا،

اور کفر کی حالت میں اس کی شام ہوگی۔ شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر ہوگا۔ وہ دنیا کے معمولی سامان کے لیے اپنا دین بیچ دے گا۔

یعنی وہ اپنا دین اور اپنے اصول کا سودا کر لے گا۔ پہلے کبھی جس چیز کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ یہ حرام ہے، یہ ناجائز ہے، اب وہ اس بارے میں بات کرنا ہی چھوڑ دے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کے لیے دنیا مزین کر دی گئی، اور اسی حقیر دنیا کے عوض وہ اپنا دین بیچ دیتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے کہ وہ دین کے نام پر، دینی لبادہ اوڑھ کر اور دینی بات کر کے، لوگوں کو دھوکہ دیتا رہے، اس لیے کہ لوگ دین سے اور دین داروں سے محبت کرتے ہیں۔

اسی لیے حضرت فضیل بن عیاضؒ نے ایک بڑی شاندار بات ارشاد فرمائی ہے: اگر میں بانسری اور ڈھول کے ذریعے دنیا کماتا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ دین کے ذریعے دنیا کمائوں۔^(۳۱۲) انھوں نے یہ بات اسی لیے کہی کہ انہیں اس معاملے کی سنگینی کا ادراک و شعور تھا۔

اسی لیے ایک موقع پر امام مالک اپنے استاذ ربیعہ الرائیؒ کے سامنے کھڑے تھے، تو ان کے استاذ نے ان سے پوچھا: بے وقوف کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو اپنے دین کے ذریعے سے کمائے۔ انھوں نے پوچھا: بے وقوفوں کا بے وقوف کون ہے؟

فرمایا: جو اپنا دین خراب کر کے دوسروں کی دنیا بنائے۔ (۳۱۳).

بہر حال، عقل مند وہی ہے جو دنیا کی حقیقت کے سلسلے میں وارد آیات واحادیث کا مطالعہ کرے، تاکہ وہ دنیا میں سے اسی قدر لے جو صحیح اور درست ہے، تاکہ دنیا سے ہلاکت اور فتنوں میں مبتلا نہ کر دے۔

تیسرا خطرہ:

دنیا کو اپنا مقصد بنانے سے بچو، خاص کر ان چیزوں میں جن کے ذریعے تم اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہو۔ لہذا جب نماز پڑھو تو دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔ جب صدقہ کرو یا زکوٰۃ دو، تو دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔ جب تقریر کرو، اذان دو، امامت کرو، وعظ کہو یا تربیت کرو، تو بھی دنیا کو اپنا مقصد نہ بناؤ۔ ایسے ہی جب کسی کے لیے مسکراؤ، تو دنیا کو مقصد نہ بناؤ۔ اس لیے کہ دنیا مقصد بننے کے لائق ہی نہیں ہے۔ وہ تو فقط مقصد اصلی آخرت کی سواری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عَجَلْنَا لَهُ، فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

جَهَنَّمَ يَصَلِّيٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ ﴿الإسراء: ١٩-١٨﴾.

ترجمہ: جو بھی دنیا کا طالب ہوتا ہے، تو ہم اس میں سے جو چاہتے ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں، فوری طور پر اس کو دے دیتے ہیں، پھر ہم نے اس کے لیے

جہنم طے کر رکھی ہے، جس میں وہ ذلیل و خوار ہو کر جا گھسے گا۔ اور جو آخرت کا طلب گار ہو اور اس نے ایمان کے ساتھ اس کے لیے ویسی کوشش کی جیسی کرنی چاہیے تو ایسوں کی کوشش یقیناً ٹھکانے لگی ہے۔

اس لیے بندے کو چاہیے کہ دنیا کی حقیقت سے واقف ہو اور ان تینوں خطرات کو اچھی طرح سمجھ لے، تاکہ ان سے بچ سکے۔

(۲۷)

إِنَّ الْكُذِبَ يَهْدِي إِلَى الضُّجُورِ

جوامع الکلم کے سلسلے کی حدیث ہمارا آج کا موضوع سخن ہے، جسے امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «وَإِنَّ الْكُذِبَ يَهْدِي إِلَى الضُّجُورِ، وَإِنَّ الضُّجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا»^(۳۱۳) ترجمہ: جھوٹ گناہ (فجور) کی طرف لے جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ خدا کے ہاں اسے جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

جھوٹ گھٹیا عمل، بری صفت، نفاق کی عادتوں میں سے ایک عادت اور کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

جھوٹ حقیقت کے خلاف خبر دینے کو کہتے ہیں، چاہے وہ خبر قول کے ذریعے ہو، یا فعل کے ذریعے ہو، یا اشارہ کے ذریعے ہو، یا لکھ کر ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہو۔

جھوٹ ایک کام ہے، اور یہ کام جھوٹے انسان کا ہے، لہذا جھوٹے کا کام حقیقت کو بدلنا، حقائق کی جعل سازی کرنا اور وہم بیچنا ہے۔

دروغ گو کی طرف نہ تو کوئی مائل ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے پاس بیٹھتا ہے، سوائے اس کے جو اسی جیسا جھوٹا ہوتا ہے، اسی لیے خود دار، فطرتِ سلیمہ رکھنے والے اور سچے لوگ جھوٹے لوگوں کو پسند نہیں کرتے، اسی لیے اہل عرب نے بہت پہلے ہی کہہ دیا تھا: جو سچ کم بولتا ہے اس کے دوست کم ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اس کی تصدیق وہی کرتا ہے جو اس جیسا ہوتا ہے، جیسے کہ کہات ہے: «جنس با ہم جنس پرواز، کبوتر با کبوتر، باز با باز»۔

اس امت میں دروغ گو بہت بڑی مصیبت ہے، اور خاص طور پر جب امت کی ضروریات اور اس کی مصلحتیں اسی سے متعلق ہوں، اسی لیے یہ مثل بھی مشہور ہے کہ: «جھوٹے سے اپنی ضروریات نہ مانگو، کیوں کہ وہ انہیں قریب کر دے گا اگرچہ حقیقت میں وہ دور ہوں، اور وہ انہیں دور کر دے گا اگرچہ حقیقت میں وہ قریب ہوں.»

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے سربراہان مملکت کو خطوط لکھا کرتے تھے جو آج بھی محفوظ ہیں، وہ اس خطوط میں اپنے سربراہان کو لکھتے: جھوٹے سے مدد طلب کرنے سے گریز کرنا کیوں کہ اگر تم اس کی پیروی کرو گے تو برباد ہو جاو گے۔ (۳۱۵)

ہمارے سماج، معاشرے میں معاملات میں، اور ہماری روز مرہ کی زندگی میں جھوٹ کی متعدد صورتیں ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

پہلی شکل: اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ کے متعلق جھوٹی بات منسوب کرنا
 لہذا وہ انسان جو کسی حلال چیز کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ حرام ہے، تو وہ
 شخص اللہ پر جھوٹ بولتا ہے، جو شخص کسی حرام چیز کے بارے میں کہتا ہے کہ
 یہ حلال ہے تو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے، دلیل سورہ نحل کی وہ آیت ہے جسے ہم
 سب پڑھتے ہیں، ارشاد باری ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا نَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ
 هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِنُفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا
 يُفْلِحُونَ﴾ [النحل: ۱۱۶]

ترجمہ: اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں، ان
 کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ اس کا
 مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے۔ یقین جانو کہ جو لوگ اللہ پر
 جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔

تو جو لوگ کسی مرد یا عورت کو راضی کرنے کے لیے شریعت کو بدلتے ہیں
 اور شریعت کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، تاکہ کچھ دنیوی ساز و سامان حاصل کر لیں
 اور تاکہ قربت حاصل کریں پھر وہ احکام کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے کہتے ہیں
 کہ یہ جائز ہے اور یہ ممکن ہے اور یہ جائز ہے، حالانکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ
 حرام ہے، تو ایسے لوگ اللہ پر جھوٹ بول رہے ہیں، جو لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے
 ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ

كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾

[الزمر: ٦٠]

ترجمہ: اور قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے، ان کے چہرے سیاہ پڑے ہوئے ہوں گے۔ کیا ایسے متکبروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہوگا؟

یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حالانکہ وہ جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں یا انہیں معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں، موجودہ دور میں ہمیں ایسے وسائل سے آزمایا جا رہا ہے جو ہمارے لیے حقیقت میں نعمت ہیں، مگر ہم نے اسے زحمت بنا لیا، بھیجنے والا کہتا ہے: اس خبر کو شیئر کرو کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے منقول حدیث ہے، حالاں کہ وہ حدیث جھوٹی ہوتی ہے یا موضوع ہوتی ہے یا منکر ہوتی ہے، پھر وہ اسے شیئر کر دیتا ہے، خاص طور پر جب بھیجنے والا یہ لکھتا ہے کہ تم نے اگر اس پیغام کو ارسال نہ کیا تو قیامت تک یہ تمہارے ذمہ امانت رہے گی!۔

صحیح بخاری میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ ككَذِبٍ عَلَيَّ أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعْهُ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»^(۳۱۶) ترجمہ: بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا

کسی اور شخص پر جھوٹ باندھنے جیسا نہیں ہے، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس لیے جب تک آپ کو علم نہ ہو یہ نہ کہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، اور اس حدیث کو آگے نہ بھیجو جب کہ تمہیں اس کے صحیح ہونے کا علم نہ ہو، اس سے تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا، لیکن اگر تم نے اسے آگے بھیج دیا اور یہ جھوٹی حدیث ہو تو بہت بڑا نقصان ہوگا۔

اکثر بدعتی لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ حدیث جھوٹی ہے پھر بھی کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد امت کی اصلاح ہے، سبحان اللہ! کچھ تو یہ بھی کہ دیتے ہیں: ہمیں معلوم ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، ہمیں معلوم ہے کہ یہ بدعت کے دائرے میں آتا ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ کبھی نہیں کیا ہے، لیکن ہمارا مقصد اصلاح ہے، کرتے ہوئے بے راہ روی اور گمراہی سے امت کو دور رکھنا ہے۔

میں کہتا ہوں: استغفر اللہ! رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھ کر انت کی اصلاح! جبکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبِ عَلَيَّ أَحَدٍ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ» ترجمہ: بیشک مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی اور پر جھوٹ باندھنے جیسا نہیں ہے، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ یہ پہلی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی ہے۔

دوسری صورت: خرید و فروخت میں جھوٹ

خرید و فروخت کے وقت جھوٹ بولنے کے بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جھوٹی قسم۔ یعنی قسم کھاتے ہوئے یہ کہنا: بخدا یہ مال مجھے اتنے ہی میں ملا ہے، بخدا بالکل یہ چیز صحیح سلامت ہے، بخدا میں نے یہ اتنے میں خریدا ہے، حالاں کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا: «الْيَمِينُ الْكَاذِبَةُ مَنْفَقَةٌ لِلْسَّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْكَسْبِ» ترجمہ: جھوٹی قسم سے سامان تو بک جاتا ہے مگر روزی کو ختم کر دیتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ جھوٹی قسم سے کی جانے والی خرید و فروخت سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ اَقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ» ترجمہ: جس نے جھوٹی قسم سے کسی مسلمان کا حق مار لیا، یعنی وہ قسم کھا کر جھوٹی گواہی دیتا ہے، لوگ اس سے کہتے ہیں کہ ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم یہ گواہی دو کہ فلاں کے انتقال کے وقت اس کی ایک ہی بیوی اس کی نکاح میں تھی، جبکہ حقیقت میں اس کی دو بیویاں تھیں، لوگ کہتے ہیں: جھوٹی گواہی دو تو وہ گواہی دے دیتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ اَقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِينِهِ» ترجمہ: جس نے جھوٹی قسم سے کسی مسلمان کا حق مار لیا تو «فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» ترجمہ: اللہ نے اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیا ہے اور اس پر جنت

کو حرام کر دیا ہے۔ کسی نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول، اگرچہ وہ کوئی معمولی چیز ہی ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا: «وَإِنْ قَضِيًّا مِنْ أَرَائِكِ»^(۳۱۷) ترجمہ: اگرچہ وہ مسواک کا کوئی ٹکڑا ہی ہو، اللہ نے اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیا ہے اور جنت کو اس پر حرام کر دیا ہے۔

بخاری میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے حبیب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ» يَعْنِي: الْبَائِعُ وَالْمُشْتَرِي «مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَّا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَّتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا»^(۳۱۸) ترجمہ: بیچنے اور خریدنے والے کو جب تک وہ جدا نہ ہوں (معاملہ توڑ دینے کا) اختیار ہے۔ اگر دونوں نے سچائی اختیار کی اور بات صاف صاف واضح کر دی تو انہیں ان کی خرید و فروخت میں برکت ہوتی ہے اور اگر انہوں نے جھوٹی باتیں بنائیں اور (کسی عیب کو) چھپایا تو تھوڑا سا نفع شاید وہ کمالیں، لیکن ان کی خرید و فروخت میں برکت نہیں ہوگی۔

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ»، قَالَ أَبُو ذَرٍّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ خَابُوا وَخَسِرُوا، مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «الْمُسْبِلُ،

(۳۱۷) مسلم (۱۳۷)۔

(۳۱۸) بخاری (۲۰۷۹)، و مسلم (۱۵۳۲)۔

وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنْفِقُ سَلَعَتْهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ»^(۳۱۹) ترجمہ: تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا، نہ انہ کی طرف نظر رحمت فرمائے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ جو نامراد اور خسارے میں رہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ٹخنے سے نیچے تہ بند لٹکانے والا، احسان جتانے والا، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا سامان بیچنے والا۔“

اس کے بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں اور یہ جھوٹ کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

تیسری شکل: لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا

پرانے زمانے میں محفلیں چھوٹی ہوا کرتی تھیں، تو انسان اپنے ساتھ محفل میں شریک دس ساتھیوں کو ہنسالتا ہوگا، لیکن آج کل ادھر جھوٹ بولا جاتا ہے اور ادھر پوری دنیا میں اس کا چرچہ شروع ہو جاتا ہے، تاکہ وہ اپنے لاکھوں اور کروڑوں فالورز کو انٹرنیٹ کے وسیلے سے ہنسائے، اسی لیے انسان جھوٹ بول دیتا ہے، کبھی کبھار اپنے ٹویٹز میں جھوٹ بولتا ہے یا ڈرامائی انداز میں جھوٹ بولتا ہے، اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو ہنسائے۔

ہمارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَيْلٌ هَذِهِ الْوَيْلُ الْأُولَى لِلَّذِي

يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيُلُّ لَهُ وَيُلُّ لَهُ»^(۳۲۰) ترجمہ: ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہو، ہلاکت ہو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ ہلاکت والی وعید کو اس شخص کے لیے دہرایا جو یہ کہتا ہے کہ ہمارا مقصد صرف ہنسانا اور اپنے دل بہلانا ہے، ایسے شخص سے کہا جائے کہ ہنسا اور خوب مذاق کرو مگر جھوٹ مت بولو، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَيُلُّ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ، وَيُلُّ لَهُ! وَيُلُّ لَهُ!» ترجمہ: ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے جھوٹ بولتا ہے، ہلاکت ہو ہلاکت ہو۔

کچھ علماء کہتے ہیں: "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں اگر دنیوی پہاڑ رکھ دیا جائے، تو وہ اس کی حرارت سے پگھل جائے گا، یہ سزا اس شخص کی ہے جو کسی کو ہنسانے کے لئے محفل میں یا انٹرنٹ وغیرہ پر جھوٹ بولتا ہے۔

چوتھی شکل: ہر سنی سنائی اور پڑھی ہوئی بات آگے کہہ دینا

ہر وہ چیز جس پر نظر پڑے اسے بیان کر دیتا ہے، اور اس سنی ہوئی بات کی سچائی کا تیقن بھی نہیں کرتا، اور وہ یہ بھی نہیں سوچتا ہے کہ میری اس بات سے [چاہے وہ حق بات ہی کیوں نہ ہو] حقیقت کوئی مفاد وابستہ بھی ہے؟

ہمارے محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا» سَمَاءَ كَذِبًا «أَنْ

يُحَدِّثُ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»^(۳۲۱) ترجمہ: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے کہدے۔ لہذا ہر سنی سنائی بات بیان نہ کرو اور کسی بات کے شروع میں تمہارا یہ لکھ دینا کہ "جیسا کہ مجھے بات پہنچی ہے" تمہیں غفلت میں نہ رکھے، کیوں کہ صرف یہ لکھ دینے سے گناہ کم نہیں ہو جاتا اور نہ ہی گناہ سے تم بچ جاو گے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم جو بات سُن کر لوگوں تک پہنچا رہے ہیں، اس سے کبھی لوگوں کی عزت پر حرف آ جاتا ہے، امن عالم تباہ ہو جاتا ہے اور معاشرے کو نقصان پہنچتا ہے، تم اسے کیوں دوسروں تک پہنچا رہے ہو؟ تم کیوں چاہتے ہو کہ تمہیں سبقت ملے؟

خصوصاً آج کے دور میں لوگ پہلے ہی سے چارج شدہ ہیں، اور بعض ایسے بھی لوگ ہیں جن کا کام ہی لوگوں کو چارج کرنا اور انہیں بے چین رکھنا ہوتا ہے، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ انہیں پریشان رکھا جائے، چنانچہ یہ لوگ غلط پیغامات گڑھتے ہیں۔ ایسے پیغامات اس شخص تک پہنچتے ہیں اور وہ انہیں دوسروں کو بھیجنے لگتا ہے۔ ایسے شخص سے میں کہتا ہوں: اسے مت بھیجو، اپنے تک ہی اس کو محدود رکھو اور اپنے پاس ہی اس کو دفن کر دو، کیوں کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔

پانچویں شکل: خاندانی حسب و نسب میں جھوٹ بولنا

یہ بھی جھوٹ کی ایک صورت ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں، یا یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا ہے، یا یہ کہے کہ میں اس قبیلے سے ہوں، یا یہ میرے قبیلے سے ہے۔ اپنے آباء و اجداد اور اپنے خاندان کو چھوڑ کر کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی جھوٹ کی ایک شکل ہے، دور حاضر میں کھلم کھلا نسبوں کا کھلوڑا کیا جا رہا ہے، اور ہمارے لئے بڑی آزمائش کی بات یہ ہے کہ ہمارے دانا لوگ اس مسئلے پر خاموش ہیں، بلکہ انہیں خوشی ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دو تین نسلوں کے بعد ہمارے نسب خلط ملط ہو جائیں گے۔ اور یہ ایک بڑی مصیبت ہوگی، اور آج اس کے بارے میں خاموشی بھی مصیبت ہے، حاکم جب چپ ہو جاتا ہے، تو گنہگار ہوتا ہے، اور اگر تم مجھ سے یہ پوچھو کہ اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ تو میرا جواب یہ ہے: اس کے بارے میں احادیث کثرت سے وارد ہوئی ہیں اور سب کے سب نسبوں کی تبدیلی کو روکنے کی ترغیب دیتی ہیں:

پہلی حدیث:

مسند احمد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ ادَّعَىٰ إِلَىٰ غَيْرِ أَبِيهِ لَمْ يَرْحُ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ» ترجمہ: جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعویٰ کرے اسے جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی، [اس حدیث کے ضمن میں وہ حاکم بھی شامل ہے، جو تبدیلی نسب کی اجازت دیتا ہے] «وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ

قَدْرٍ سَبْعِينَ عَامًا، أَوْ مَسِيرَةَ سَبْعِينَ عَامًا»^(۳۲۲) ترجمہ: اور اس کی خوشبو ستر سال کے بقدر یا ستر سال کی مسافت سے آئے گی، یعنی وہ ستر سال تک جنت کی خوشبو نہیں پائے گا، تو جو شخص کسی مجہول النسب بچے کو لے کر اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ فلاں بن فلاں ہے یا وہ کسی ایسے قبیلے کی طرف نسبت کرتا ہے جس میں سے وہ نہیں ہے تو یہ حدیث اس پر بھی لاگو ہوگی۔

دوسری حدیث:

صحیح بخاری میں ہمارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ»^(۳۲۳) ترجمہ: جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کا دعویٰ کرے حالانکہ اسے حقیقت معلوم ہو، تو اس پر جنت حرام ہے۔ پتا چلا تمہیں اس خطرے کا؟ "جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی"، مثال کے طور پر کوئی یہ گواہی دے یا یوں کہے کہ: یہ ہمارے ساتھ کا ہے، تو اس سے بھی نسب خلط ملط ہو کر برباد ہو جاتے ہیں۔

تیسری حدیث:

یہ کتنی سبق آموز حدیث ہے، سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس نے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف

(۳۲۲) الحدیث (۱۷۱/۲)۔

(۳۲۳) بخاری (۳۳۲۶-۳۳۲۷)، و مسلم (۶۳)۔

کی۔ بعض لوگ اپنے ملک شہروں کے قانون کے خلاف حیلے تلاش کرتے ہیں، اور نام کے ساتھ اپنے چچایا اپنے ماموں کا نام لکھ لیتے ہیں، تاکہ یہ ثابت ہو کہ یہی ان کا باپ ہے، اور اس طرح سے یہ لوگ موجودہ قانون کے خلاف حیلے تلاش کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «مَنْ اِنْتَسَبَ اِلَى غَيْرِ اَبِيهِ اَوْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ»^(۳۲۳) ترجمہ: جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی یا اپنے مالک کے علاوہ کسی اور کو مالک بنالیا، تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اللہ، فرشتے اور تمام لوگوں کی پے درپے لعنت میں زندگی گزارتا ہے۔

جھوٹ کی متعدد شکلیں ہیں، تعقلند وہی ہے جو ان تمام صورتوں سے اپنے آپ کو بچالے، اور اللہ رب العزت سے دعاء کرے کہ ہم سچے لوگوں میں سے ہو جائیں۔

(۲۸)

الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ

ہر مصیبت کے مارے، پریشان اور غمگین کے لئے نداء ہے۔
 ہر مریض اور پریشانی میں مبتلاء شخص، ہر ضرور تمند اور مسکین کے لئے نداء ہے۔
 ہر اس شخص کے لئے جس کے لئے راستے تنگ ہو گئے اور دروازے بند ہو گئے۔
 ان سب کے لئے میری صدا ہے:

ارشاد باری ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة: ۱۸۶]

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجیے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔

ان سب کے لئے میری یہ صدا ہے:

ارشاد باری ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [غافر: ۶۰]

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

ان سب کے لئے میری یہ صدا ہے:

وہ رسول ﷺ جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے ان کا ارشاد گرامی ہے: «مَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ» آئی: حَاجَةٌ وَعَوْزٌ «فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ، وَمَنْ نَزَلَتْ بِهِ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِاللَّهِ فَيُوشِكُ اللَّهُ لَهُ بِرِزْقٍ عَاجِلٍ أَوْ آجِلٍ»^(۳۲۵) ترجمہ: جو شخص فاقہ کا شکار ہو اور اس نے لوگوں سے بیان کرتا پھرے تو اس کا فاقہ ختم نہیں ہوگا ، اور جو فاقہ کا شکار ہو اور اللہ تعالیٰ سے التجا کرے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیر یا سویر روزی دے۔

جوامع الکلم کے سلسلے میں سنن ابوداؤد کی وہ حدیث ہمارا موضوع سخن ہے جسے نعمان بن بشیر نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے: «الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»^(۳۲۶) ترجمہ: دعاء ہی عبادت ہے۔

دعاء ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اللہ سے قربت حاصل کرتا ہے، جب تم دعاء کرتے ہوئے «یا اللہ» کہتے ہو اور اپنی حاجت کا سوال کرتے ہو اور جو چاہتے ہو مانگتے ہو تو اس وقت تم اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہو۔
دعاء کے اسباب ہیں:

ایک سبب یہ ہے کہ اس سے بلاء ٹال دی جاتی ہے اور فیصلے بدل دیئے جاتے

(۳۲۵) ترمذی (۲۳۲۶)، و احمد (۴۰۷/۱)، و ابو داؤد (۱۶۳۵)۔

(۳۲۶) احمد (۲۶۷/۴)، و ابو داؤد (۱۴۷۹)، و ترمذی (۲۹۶۹)، و ابن ماجہ (۳۸۲۸)۔

ہیں، کیوں کر نہ ہو جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَرُدُّ الْقَضَاءُ إِلَّا الدُّعَاءُ»^(۳۲۷) ترجمہ: قضا و تقدیر کو دعاء کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ٹالتی۔

بلکہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: «إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ، فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللَّهِ بِاللُّدْعَاءِ»^(۳۲۸) ترجمہ: دعاء اس مصیبت میں نفع بخش ثابت ہوتی ہے جو نازل ہو چکی اور اس میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی تو اسے اللہ کے بندو دعاء کو لازم پکڑو۔

ایک سبب یہ ہے کہ دعاء اللہ کے نزدیک عظیم عبادت ہے، کیوں کہ جب اللہ تمہاری آواز کو دعاء کرتے ہوئے سنتا ہے، اور تم اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوتے ہو، تو یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے؛ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الدُّعَاءِ»^(۳۲۹) ترجمہ: اللہ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز معزز نہیں ہے۔

لہذا اللہ ہماری آواز اور ہماری آہ کو سنتا، اور ہماری کمزوری اور محتاجگی کو دیکھنا پسند کرتا ہے، اسی لیے اللہ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔

ایک سبب یہ ہے کہ جب بندہ بے رخی اختیار کرتا ہے اور دعاء نہیں کرتا

- (۳۲۷) ترمذی (۲۱۳۹)۔

- (۳۲۸) ترمذی (۳۵۳۸)۔

- (۳۲۹) احمد (۳۶۲/۲)، و ترمذی (۳۳۷۰)، و ابن ماجہ (۳۸۲۹)۔

ہے تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے، جو بھی دعاء سے بے رخی اختیار کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ دعاء سے بے نیاز ہے، تو اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي﴾ [غافر: ۶۰] **يَعْنِي:** دُعَائِي ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [غافر: ۶۰]

ترجمہ: بیشک جو لوگ تکبر کی بناء پر میری عبادت (یعنی دعاء) سے منہ موڑتے ہیں، وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «إِنَّهُ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللَّهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ»^(۳۳۰) ترجمہ: جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اور انسان کا یہ حال ہے کہ جب تم اس سے ایک دو بار یا دو تین مرتبہ مانگو، تو وہ تمہیں دھتکار دے گا اور غصہ ہوگا، اور اللہ کی شان کریمگی یہ ہے کہ جب تمہاری آواز کو دعاء کرتے ہوئے سنتا ہے، تو وہ خوش ہوتا ہے۔

اللَّهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ وَبَنِيَّ آدَمَ حِينَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ^{۲۶}
ترجمہ: جب تم اللہ سے مانگنا چھوڑ دیتے ہو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور انسان سے جب مانگتے ہو تو وہ غصہ کرتا ہے۔

دعاء کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو اور اللہ کو پکارو، دنیوی معاملات ہوں یا

اخروی معاملات ہوں، سب حالتوں میں بس اللہ کو پکارو، بڑے کام ہوں یا چھوٹے کام سب میں اللہ کو پکارو۔

دیکھو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کیا فرماتی ہیں، دعاء کی حقیقت کو سمجھنے کی ہم سب کو ضرورت ہے وہ فرماتی ہیں: ہر چیز میں آسانی کے لئے اللہ سے دعاء کرو، حتیٰ کہ جوتے کے اندر تسمہ ڈالنے میں بھی، کیوں کہ اگر اللہ آسانی پیدا نہ فرمائے تو کوئی کام آسان نہیں ہوگا۔^(۳۳۱)

دعاء تمہارے ایک ہاتھ میں ہتھیار، اور دوسرے ہاتھ میں دواء کی طرح ہے، تو ہتھیار اور دواء تمہارے ہاتھ میں ہے، دعاء وہ ہتھیار ہے جس کے ذریعہ تم مصیبت آنے سے پہلے تقدیر کو ٹال سکتے ہو اور وہ دواء ہے جس کے ذریعہ مصیبت آنے کے بعد علاج کر سکتے ہو۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”الجواب الکاافی“ میں فرماتے ہیں: دعاء دواؤں میں سب سے زیادہ نفع بخش ہے، یہ مصیبت کی دشمن ہے، اس کا علاج کرتی ہے، اسے آنے سے روکتی ہے، اور اسے دور کرتی ہے یا جب مصیبت آجائے تو اسے کم کرتی ہے، یہ مومن کا ہتھیار ہے۔^(۳۳۲)

یہ آسان چیز ہے، لہذا تمہیں کوئی دروازی کھولنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی کبھی تمہارے اور اللہ کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت ہے۔

(۳۳۱) الزهد (ص: ۱۶۶، ۱۱۳۰)، و شعب الایمان (۱۰۸۱)۔

(۳۳۲) الجواب الکاافی (ص: ۱۱)۔

جہاں بھی رہو، خواہ مسجد ہو یا گھر، آفس ہو یا بستر بس اللہ کو پکارو۔

یاد رکھو کہ دعاء وہ چیز ہے کہ جب سے تم اسے شروع کرتے ہو، تم عبادت میں ہو، اور تمہارے لئے ثواب کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے، چاہے تمہاری دعاء قبول کی جائے یا نہ قبول کی جائے، تم عبادت میں ہی ہو؛ اسی لیے رسول محبوب ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ» ترجمہ: دعاء عبادت ہے۔ لہذا جب دعاء کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرو تو مخلص بن کرو۔ ارشاد باری ہے: ﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [الأعراف: ۲۹]

ترجمہ: اور اس کو پکارو کہ اطاعتِ خالص اسی کا حق ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [غافر: ۶۵]

ترجمہ: وہی سدا زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے اس کو اس طرح پکارو کہ تمہاری تابع داریِ خالص اسی کے لیے ہو۔

جب دعاء کرو تو اپنے رب کے سامنے اپنے ہاتھ کو ایسے اٹھاؤ جیسے کوئی ذلیل، عاجز اور کمزور ہاتھ اٹھاتا ہے، اور ہاتھ زیادہ اوپر تک اٹھاؤ، صرف اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور اپنی ضرورت بیان کرو، اپنی محتاجگی اور بے بسی کو بے نیاز رب کے سامنے بیان کرو، تاکہ وہ تمہاری کمزوری اور محتاجگی کو دیکھے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ حَيِّيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ»^(۳۳۳) ترجمہ: بیشک اللہ بہت ہی زیادہ حیاء والا اور کریم ہے، اور جب کوئی بندہ اس کے سامنے اپنا ہاتھ اٹھاتا ہے تو انہیں خالی لوثاتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔ تمہاری خضولی بھر دی جائے گی، لیکن اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ کو پکارو، چاہے تم لوگوں میں ہو یا تنہائی میں، اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور انہیں زیادہ اوپر تک اٹھائے رکھو، ہمارے نبی ﷺ اتنی اوپر تک ہاتھ اٹھایا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے بغل کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔

تیسری وصیت: جب اللہ سے دعاء کرو تو اس کی تعریف کرو، کیوں کہ اللہ تعریف کو پسند کرتا ہے۔ «وَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبُّ إِلَيْهِ الْمَدْحُ مِنَ اللَّهِ»^(۳۳۴) ترجمہ: کوئی چیز اللہ کے نزدیک تعریف سے زیادہ پسند نہیں ہے۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے؛ اس لیے وہ خود اپنی تعریف کرتا ہے، قرآن کو پڑھو تمہیں اللہ اپنی تعریف کرتا ملے گا، اللہ کو تعریف پسند ہے، اللہ کے نزدیک کوئی چیز تعریف سے زیادہ پسند نہیں ہے، اپنی حاجت کے درمیان اس کی ثناء بیان کرو، اور کہو: اے اللہ، اے رحمن، اے رحیم، اے لطیف، اے ودود۔

ہمارے نبی ﷺ مسجد میں داخل ہوئے۔ یہ بڑی بہترین حدیث ہے۔ تو کیا

(۳۳۳) ابو داؤد (۱۳۸۸)، و ترمذی (۳۵۵۶)، وابن ماجہ (۳۸۶۵)۔

(۳۳۴) بخاری (۲۶۳۴)، و مسلم (۲۷۶۰)۔

دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور تشہد میں دعاء کر رہا ہے اور اس کی آواز بلند ہو جاتی ہے تو نبی ﷺ نے اسے دعاء کرتے ہوئے سن لیا، وہ کہہ رہا تھا: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ»، فَقَالَ النَّبِيُّ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ سَأَلَ اللَّهُ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ؛ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أُعْطِيَ» (۳۳۵) ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی وہ اللہ ہے، جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو اکیلا ہے، بے نیاز ہے، جس نے نہ تو کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور جس کا ہمسر کوئی نہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس نے اللہ سے اس کے اسم اعظم کا واسطہ دے کر سوال کیا، جس کے ذریعہ اگر دعاء کی جائے تو قبول ہوتی ہے اور اگر سوال کیا جائے تو عطا کیا جاتا ہے۔ لہذا اپنی دعاء سے پہلے اللہ کی ثناء بیان کرو۔

چوتھی وصیت: اللہ سے دعاء کرو اور تمہیں قبولیت دعاء کا یقین ہو، یہ نہ کہو کہ میں اللہ کو آزما رہا ہوں، بلکہ اللہ سے دعاء کرو، اور تمہیں قبولیت دعاء کا یقین بھی ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے: «أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِئِي» (۳۳۶) ترجمہ: بیٹس اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوتا ہوں، اگر اچھا گمان کیا تو وہ

(۳۳۵) احمد (۳۳۹/۵)، و ابو داؤد (۱۳۹۳-۱۳۹۴)، و ترمذی (۳۴۷۵)، و ابن ماجہ (۳۸۵۷)۔

(۳۳۶) بخاری (۷۴۰۵)، و مسلم (۲۶۷۵)۔

اسے مل کر رہے گا اور اگر براگمان کیا تو وہ اسے مل کر رہے گا۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَ مَنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ»^(۳۳۷) ترجمہ: اللہ سے دعاء کرو اس حال میں کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو، کیوں کہ اللہ غافل و لاپرواہ دل کی دعاء کو قبول نہیں کرتا ہے۔

پانچویں وصیت: جب دعاء کرو تو اخیر میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا نہ بھولو، کیوں کہ وہی ذات ہے جس نے ہمیں سکھایا، سیدھا راستہ دکھایا اور ہمیں گمراہیوں سے بچایا، اس لیے دعاء کے اخیر میں نبی ﷺ پر درود بھیجو، کیوں کہ آپ ﷺ پر درود بھیجنے تک دعاء کو روک دیا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: «كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوبٌ حَتَّى يُصَلِّيَ عَلَيَّ مُحَمَّدٌ وَآلُ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ»^(۳۳۸) ترجمہ: ساری دعاؤں کو روک دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ نبی ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھ لیا جائے۔

دعاء سے متعلق دو عظیم تنبیہات:

پہلی تنبیہ: باپ کو اپنی کسی اولاد کو ہلاکت کی بد دعاء دینے سے بچنا چاہئے، بلکہ ہم سب کو اپنی جان و مال کی ہلاکت کی بد دعاء کرنے سے بچنا چاہئے، کیوں کہ سنن ابو داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(۳۳۷) ترمذی (۳۳۷۹)۔

(۳۳۸) طبرانی فی الاوسط (۷۲۱)، و بیہقی فی الشعب (۱۳۷۴)۔

«لَا تَدْعُوا عَلَيَّ أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَيَّ أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَيَّ خَدَمِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلَيَّ أَمْوَالِكُمْ، لَا تُؤَافِقُوا مِنِ اللَّهِ سَاعَةً نَيْلٌ فِيهَا عَطَاءٌ، فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ»^(۳۳۹) ترجمہ: تم لوگ نہ اپنے لیے بد دعاء کرو اور نہ اپنی اولاد کے لیے، نہ اپنے خادموں کے لیے اور نہ ہی اپنے اموال کے لیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گھڑی ایسی ہو جس میں دعاء قبول ہوتی ہو اور اللہ تمہاری بد دعاء قبول کرے۔

غصہ کی حالت میں تم اپنے بیٹے کے لیے بد دعاء کرتے ہو تو وہ برباد ہو جاتا ہے، غصہ کی حالت میں اپنے مال کے لیے بد دعاء کرتے ہو تو برباد ہو جاتا ہے، غصہ کی حالت میں کبھی کبھی تم اپنے لیے بد دعاء کرتے ہو تو تم ہلاک ہو جاتے ہو، بلکہ تم اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ دعاء ہی کرو، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «ثَلَاثٌ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لِهِنَّ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ»^(۳۴۰) ترجمہ: تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ہے: ایک مظلوم کی بد دعاء، دوسرے مسافر کی دعاء اور تیسرے باپ کی اپنے بیٹے کے لیے دعاء۔

دوسری تنبیہ:

ہمیں مظلوم کی بد دعاء سے بچنا چاہئے اور اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ہم سے

(۳۳۹) سنن ابو داؤد (۱۵۳۲)، و مسلم (۳۰۰۹)۔

(۳۴۰) احمد (۲/۲۵۸)، و ابو داؤد (۱۵۳۶)، و ترمذی (۱۹۰۵)، و ابن ماجہ (۳۸۶۲)۔

کسی دوسرے پر ظلم ہو اور وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر ہمارے لیے بد دعاء کرے اور ہم غفلت میں رہیں، چاہے وہ مظلوم کافر ہو، یہودی و نصرانی ہو اور ہندو و بودھ مذہب کا ماننے والا ہو، کیوں کہ مظلوم کی بد دعاء قبول ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا»^(۳۲۱) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء سے ڈرو چاہے وہ کافر ہو۔ اس وقت کیا ہوگا جب یہ مظلوم نیک بندہ ہو؟ اس وقت کیا ہوگا جب یہ بندہ اللہ کا کوئی ولی ہو؟

صحیح بخاری میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: «اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ»^(۳۲۲) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء سے بچو، کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔

طبرانی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ تُحْمَلُ عَلَى الْغَمَامِ، وَتُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ أَنْصِرْنِي وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ»^(۳۲۳) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء بادل پر سوار ہوتی ہے اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور رب کہتا ہے: میں تمہاری مدد ضرور کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر بعد سہی۔

متدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد

(۳۲۱) احمد (۱۵۳/۳)۔

(۳۲۲) بخاری (۲۲۳۸)، و مسلم (۱۹)۔

(۳۲۳) طبرانی فی الدعاء (۱۳۱۵)، و احمد (۳۰۵/۲)۔

فرمایا: «اتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا تَصْعَدُ إِلَى السَّمَاءِ كَأَنَّهَا شَرَارٌ»^(۳۳۳) ترجمہ: مظلوم کی بد دعاء سے بچو کیوں کہ وہ آسمان پر ایسے چڑھتی ہے جیسے کوئی انگارہ ہو۔

جیسا کہ تمہاری دعاء قبول کی جاتی ہے اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے، اسی طرح مظلوم کو بھی ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ظالموں کے لیے بد دعاء کرے۔ تاریخ اور سیرت میں کتنی ہی حکومتیں مظلوم کی بد دعاء کی وجہ سے ختم ہو گئیں اور کتنے ہی مالدار مظلوم کی بد دعاء کی وجہ سے محتاج بن گئے، اور کتنے ہی صحت و تندرست لوگ مظلوم کی بد دعاء کی وجہ سے بیمار ہو گئے، لہذا انسان کو ڈرنا چاہئے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

لَا تَظْلِمَنَّ إِذَا مَا كُنْتَ مُقْتَدِرًا فَالظُّلْمُ تَرْجِعُ عُقْبَاهُ إِلَى النَّدَمِ
تَنَامُ عَيْنَاكَ وَالْمَظْلُومُ مُنْتَبِهٌ يَدْعُو عَلَيْكَ وَعَيْنُ اللَّهِ لَمْ تَنَمْ^(۳۴۵)

ترجمہ: جب تم اقتدار میں ہو تو کسی پر ظلم نہ کرنا، کیوں کہ ظلم کا انجام بالآخر ندامت ہوتا ہے۔ تم سوتے ہو اور مظلوم بیدار رہ کر تیرے لیے بد دعاء کرتا ہے اور اللہ تو سوتا ہی نہیں۔

(۳۳۳) متدرک الحاکم (۲۹/۱)۔

(۳۳۵) البصيرة (ص: ۹۲)، والکبائر (ص: ۱۰۵)۔

(۲۹)

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ

كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ

ہمارا آج کا موضوع جوامع الکلم کے سلسلے کی حدیث ہے جسے امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ» (۳۳۶) ترجمہ: ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ ان میں اپنے دین پر صبر کے ساتھ کاربند رہنے والا ایسا ہوگا جیسے کوئی آدمی انگارہ اپنی ہتھیلی پر لے۔

ہمارے نبی ﷺ نے زمانے کے بدلنے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ جس میں مختلف فتنے دین پر اثر انداز ہوں گے، نبی ﷺ نے ان دنوں کو صبر کے دن سے موسوم کیا ہے، صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ كَقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِهِ» (۳۳۷) ترجمہ: تمہارے بعد ایسے دن آئیں گے جن میں دین پر صبر کرنا ایسا

- (۳۳۶) ترمذی (۲۲۶۰)۔

- (۳۳۷) صحیح ابن حبان (۳۸۵)، و ابو داؤد (۴۳۴۱)، و ترمذی (۳۰۵۸)، و ابن ماجہ (۴۰۱۴)۔

ہوگا جیسے انگارے کو ہاتھ میں لینا، ان دنوں دین پر عمل کرنے والے کے لیے اجر پچاس عامل لوگوں کے اجر جتنا ہوگا۔

اس زمانے کی علامتیں جن کے بارے میں ہمارے نبی ﷺ نے خبر دی ہے دو ہیں: فتنوں کی کثرت اور کی کثرت۔

فتنے جب بڑھ جاتے ہیں تو آدمی کا دین پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے، اور یہ فتنے اسے دین سے روگردانی کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں،، ضروری نہیں کہ فتنہ جنگ کی شکل میں ہو، یا پریشانی اور قتل کی شکل میں ہو، ہاں یہ صورتیں تو فتنے کی سب سے خطرناک اشکال ہیں لیکن محتاجگی بھی ایک فتنہ ہے، مالداری بھی ایک آزمائش ہے، کسی کے پاس دنیا کے عیش و آرام کے اسباب کا جمع ہو جانا بھی ایک آزمائش ہے، اور کسی سے دنیا کا چلا جانا ایک فتنہ ہے، اور صحت و عافیت بھی کبھی آزمائش بن جاتی ہے اور بیماری بھی کبھی آزمائش ہو جاتی ہے۔

لیکن نبی ﷺ نے اس حدیث میں بالخصوص جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فتنے اور قتل و غارتگری کی کثرت ہے، اسی لیے ارشاد فرمایا: «سَتَكُونُ فِتْنَةُ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ، وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي، وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي»^(۳۲۸) ترجمہ: عنقریب فتنہ بپا ہوگا، اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے

سے بہتر ہوگا، یعنی فتنوں سے جس قدر دور رہیں گے، اتنا ہی بہتر ہوگا۔

ان فتنوں میں شرکت ایک جیسی نہیں ہے، چنانچہ دوڑنے والا چلنے والے جیسا نہیں ہوگا، اور چلنے والا کھڑے ہونے والے جیسا نہیں ہوگا، اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے جیسا نہیں ہوگا۔ اس زمانے میں تبدیلیاں اور مراعات کی کثرت ہوگی، تم بعض قائدین کو دیکھو گے کہ وہ بہت ساری ان بنیادی اقدار سے دستبرداری اختیار کر لیں گے، جن کی طرف خود وہ بلایا کرتے تھے، یہ سب سے خطرناک فتنہ ہوگا، ہمارا پروردگار ان میں سے بعض شکلوں اور نمونوں کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي ءَاتَيْنَاهُ ءَايَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِبِيْنَ ﴿١٧٥﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلٰكِنَّهُ ءَاخَذَ اِلَى الْاَرْضِ وَاَتَّبَعَهُ هُوٰنَهٗ﴾ [الأعراف: ١٧٦-١٧٥]

ترجمہ: اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اسے سر بلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا۔

سنو ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے: «الصَّبْرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهِ كَالْقَابِضِ عَلٰى الْجَمْرِ» ترجمہ: اس زمانے میں اپنے دین پر صبر سے کار بند رہنے

والا ایسے ہے جیسے انگارے کو ہاتھ میں پکڑنے والا، شاید تمہارے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ وہ کیا وسائل و اسباب ہیں جو فتنے کے دنوں میں صبر کے لیے مددگار ثابت ہوں گے؟

تو میرا جواب ہے:

۱۔ اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔

جب فتنوں کی کثرت ہو جائے تو اللہ کی طرف آو اور پورے اخلاص کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور اپنی پوری زندگی اس اللہ کے لیے وقف کر دو، جو تنہا و یکتا ہے، جیسا کہ سورہ انعام کے اخیر میں ارشاد باری ہے: «الصَّابِرِ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ» ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ أَعْتَبِرُوا لِلَّهِ أَنْبِيَاءَ رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ﴿الأنعام: ۱۶۲-۱۶۳﴾

ترجمہ: کہدو کہ: بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔ کہدو کہ: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟۔ اپنی پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں آجاؤ، کیوں کہ اس کے سوا کوئی ثابت قدم رکھنے والا نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ہے۔

اللہ اپنے نبی سے ارشاد فرماتا ہے اور یہ خطاب بعد میں آنے والی ساری امت کے لیے ہے: ﴿وَلَوْلَا أَنْ تَبَنَّكَ لَفَدَّ كِدَّتْ تَرَكَّنْ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا إِذَا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ [الإسراء: ۷۵-۷۴]

ترجمہ: اور اگر ہم نے تمہیں ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب جا بیچتے۔ اور اگر ایسا ہو جاتا تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دگنی سزا دیتے، اور مرنے کے بعد بھی دگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

جان لو اگر تم فراخی کی حالت میں اللہ کی طرف نہیں آو گے تو تنگ دستی کی حالت میں اس کی طرف آنا مشکل ہوگا۔

اے میرے بھائی خبردار ہو جاو کہ جب تم فراخی کی حالت میں راہِ خدا نہیں پہچانو گے، تو تنگ دستی کی حالت میں اس کی معرفت دشوار ہوگی، کبھی تم ایسے راستوں کی طرف نکل پڑو گے جو اللہ کی طرف نہیں جاتے؛ اور فتنے کی موجیں تمہیں ڈبو دیں گی۔

۲۔ قرآن کریم کو اپنانا:

تلاوت و حفظ کے ذریعے، یا پڑھنے کے لحاظ سے، یاد کرنے کے لحاظ سے، غور و فکر اور عمل کے ذریعے قرآن کریم کو اپنانا؛ کیوں کہ یہ فتوں کے دنوں میں صبر

پر سب سے زیادہ معین و مددگار ہو گا، ارشاد باری ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُتَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿۳۲﴾﴾
[الفرقان: ۳۲]

ترجمہ: اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ (اے پیغمبر) ہم نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہارا دل مضبوط رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔

جو لوگ صرف رمضان میں پورا قرآن یکبارگی پڑھتے ہیں اور پھر بقیہ سال اسے چھوڑ رکھتے ہیں، تو فتنے کے دنوں میں ان کے لئے صبر کرنا مشکل ہوگا، لیکن جو اسے تھوڑا تھوڑا ہر روز پڑھتا ہے، تو یہ صبر پر زیادہ معین و مددگار ہوگا؛ اسی لیے ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ» والسببُ هو الحبلُ المتينُ «طَرَفُهُ بِيَدِ اللَّهِ، وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ، فَاسْتَمْسِكُوا بِهِ فَإِنَّكُمْ لَنْ تَضِلُّوا وَلَنْ تَهْلِكُوا بَعْدَهُ أَبَدًا»^(۳۲۹) ترجمہ: یہ قرآن سبب ہے (یعنی مضبوط رسی ہے) اس کا ایک سرا اللہ کے دست قدرت میں ہے تو دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے، اسے مضبوطی سے تھامے رکھو تم اس کے بعد کبھی گمراہ و ہلاک نہیں ہوگے۔

۳۔ جب فتنے بڑھ جائیں تو عبادت کی طرف آؤ:

(۳۲۹) ابن ابی شیبہ (۱۵/۳۶۱)، وابن حبان (۱۲۲)، و طبرانی فی المعجم الکبیر (۲۲/۱۸۸، ۱۹۴)۔

کیوں کہ یہ صبر پر سب سے زیادہ معین و مددگار ہوتی ہے، فتنوں کے دنوں میں کی جانے والی عبادت کی خصوصیت ہی کچھ اور ہے؛ اسی لیے ہمارے نبی ﷺ نے فتنے کے دنوں میں کی جانے والی عبادت اور عبادت گزار کی تعریف کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «عِبَادَةٌ فِي الْهَرَجِ كَهَجْرَةِ إِلَيَّ»^(۳۵۰) ترجمہ: فتنے کے زمانے میں عبادت ایسے ہے جیسی میری طرف ہجرت، یعنی اس کا اجر ہجرت کرنے جتنا ہے۔

اگر ہمیں وہ زمانہ ملتا تو ہم مہاجرین میں ہوتے، لیکن جب فتنوں کا دور آ تو خوب عبادت کرو، کیوں کہ اجر میں فتنوں کے دنوں میں عبادت کرنا نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت کرنے کے برابر ہے۔

بلکہ اس وسیلے کی تاکید میں ارشاد باری ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ﴾ [النساء: ۶۶] يَعْنِي الصَّلَاةَ وَالزَّكَاةَ وَقِرَاءَةَ الْقُرْآنِ وَالْبِرَّ وَالْإِحْسَانَ ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيثًا﴾ [النساء: ۶۶] ترجمہ: « اور جس بات کی انہیں نصیحت کی جا رہی ہے «یعنی نماز، زکوٰۃ، قرآن کی تلاوت اور نیکی و احسان» اگر یہ لوگ اس پر عمل کر لیتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، اور ثابت قدمی کے لحاظ سے خوب پختہ ہوتا۔»

۴۔ اپنے ہاتھ اٹھا کر کہو: "اے اللہ۔"

ہم نے کچھ باتیں پہلے بیان کر دی ہیں، کوئی بچانے والا نہیں سوائے اللہ کے اور

کوئی نجات دینے والا نہیں سوائے اللہ کے، اور جب بندہ اپنے پروردگار کو فتنوں کے دنوں میں نہیں پہچانے گا، تو پھر کب پہچانے گا؟ اسی لیے ارشاد فرمایا: «تَعْرِفُ إِلَيَّ اللَّهُ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفُكَ فِي الشَّدَّةِ»^(۳۵۱) ترجمہ: فراخی میں اللہ کو پہچانو وہ تمہیں تمہاری تنگ دستی میں پہچانے گا؛ اسی لیے سنن ترمذی میں یہ دعاء منقول ہے: «يَا مُقَلَّبَ الْقُلُوبِ ثَبَّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ»^(۳۵۲) ترجمہ: اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔

جب ہر سمت سے دشمنوں کی فوجیں آنے لگیں اور مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا، تو نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ خندق کھودنے لگے، اور بلند آواز سے پڑھنے لگے اور صحابہ سن رہے تھے:

«وَاللَّهُ لَوْ لَا اللَّهُ مَا اهْتَدَيْنَا * وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَأَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا * وَثَبَّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَا قَيْنَا

إِنَّ الْعِدَا قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا»^(۳۵۳)

ترجمہ: بخدا اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی تو نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہی نماز پڑھتے، اے اللہ ہم پر سکینہ بھی نازل فرما اور اگر ہم دشمنوں سے لڑیں ہمیں

(۳۵۱) احمد (۳۰۷/۱)۔

(۳۵۲) احمد (۱۱۲/۳) و ترمذی (۲۱۴۰)، وابن ماجہ (۳۸۳۴)۔

(۳۵۳) بخاری (۳۱۰۴)، و مسلم (۱۸۰۳)۔

ثابت قدم رکھنا، بے شک دشمنوں نے ہمارے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

اللہ کی ذات سے اپنا تعلق جوڑ لو!

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے: فتنہ کا دور ہوگا، اور اس سے نجات ڈوبنے والے کی طرح گڑگڑا کر کی جانے والی دعاء ہی دلائے گی۔ (۳۵۴)

سورہ انعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بِأُسْنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِم أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ فَقَطَّعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الأنعام: ۴۲-۴۵] ترجمہ: اور (اے پیغمبر) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی کی بناء پر) انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دل تو اور سخت ہو گئے اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے انہیں یہ سمجھایا کہ وہ بڑے شاندار کام ہیں۔ پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں

تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ ان پر اترنے لگے تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔ اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ کی طرف آنا، قرآن کی تلاوت کرنا، دعاء کرنا اور نیک عمل کرنا یہ سب کے سب بڑے ذرائع ہیں جو فتنوں کے دنوں میں صبر پر مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

۵۔ نیک و صابر اور اللہ کی معرفت رکھنے والوں کے ساتھ رہنا۔

ان وسائل میں جو فتنے کے دنوں میں صبر پر معین و مددگار ثابت ہوتے ہیں، پاک و صاف ماحول اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا بھی شامل ہے، اور یہ ماحول صبر پر قائم رہنے میں معین و مددگار ہو گا، اور یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ ہم ایک دوسرے سے بے نیاز ہیں، کیونکہ نبی ﷺ جیسی ذات سے رب کریم : - وہ نبی جنہیں وحی سے تقویت دی گئی ہے۔ اور انہیں بھی اللہ تعالیٰ اس وسیلے کو اپنانے کی ہدایت دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ امت ہی نبی ﷺ کے ارد گرد گھومتی ہے اور انہیں سے تقویت پاتی ہے، پھر بھی اس ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ امت تربیت یافتہ ہو، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَعَلَّهُمْ بَضْرَعُونَ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ

كُلِّ سَفٍّ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَعَثَةٌ فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ
 الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٢-٤٥﴾ ﴿مَعَ الَّذِينَ
 يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ
 زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ
 فُرْطًا﴾ ﴿٢٨﴾ ﴿الکھف: ٢٨﴾

ترجمہ: اور اپنے آپ کو استقامت سے ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام
 اپنے رب کو اس کی خوشنودی کے لیے پکارتے ہیں اور تمہاری آنکھیں دنیوی زندگی
 کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے جائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ
 ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے
 پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔

یہ وہ وسائل ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور ہمارے نبی
 کریم ﷺ ہدایت دے رہے ہیں؛ تاکہ امت فراخی اور تنگ دستی کی حالت میں
 انہیں پر عمل کریں، اللہ مجھے اور آپ سب کو فتنوں سے بچائے۔

(۳۰)

لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ

سات مہینوں سے زائد عرصہ سے ہماری تقریر جوامع الکلم پر تھی، ہم اس مبارک سلسلے کو تیسویں حدیث پر ختم کر رہے ہیں، سنن نسائی میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ» (۳۵۵) ترجمہ: دو چیزیں بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں: ایک ایمان اور دوسری حسد۔ جب کسی مومن بندے کے دل میں حسد داخل ہوتا ہے تو اس کے ایمان کو بڑا موثر کرتا ہے اور بسا اوقات یہ اسے ایمان سے خارج کرنے کا اصل سبب بن جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ فَقَدْ آتَيْنَاهُمُ آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾﴾ [النساء: ۵۴] ترجمہ: یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل عطا فرمایا ہے۔ سو ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّوكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ [البقرة: ۱۰۹] ترجمہ: (مسلمانو) بہت سے اہل کتاب اپنے دلوں کے حسد کی بناء پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنا دیں، باوجودیکہ حق ان پر واضح ہو چکا ہے۔

ارشاد باری ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ [الفلق: ۵] ترجمہ: اور (رب کی پناہ طاہر ہوں) حسد کرنے والے کے حسد سے جب وہ حسد کرے۔
 اگر ہم نبی ﷺ کی سنت میں غور و خوض کریں تو ہمیں یہ ارشاد ملے گا اور ہم یہ وضاحت و ہدایت پائیں گے جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَّرُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا»^(۳۵۶) ترجمہ: بد ظنی سے بچو کیوں کہ بد ظنی سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور نہ کسی کے راز جاننے کی کوشش کرو نہ جاسوسی کرو، نہ دھوکے سے (خرید و فروخت میں) بولی بڑھاؤ، نہ ایک دوسرے پر حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے دل میں کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔

نبی ﷺ نے اسے ایسا مرض بتایا جو موت کے ساتھ ہی ختم ہوتا ہے، جس وقت انسان کو حسد کی بیماری لگتی ہے تو یہ بہت خطرناک بیماری ہے، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ مِنْ قَبْلِكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ»^(۳۵۷) ترجمہ: تم سے پہلی امتوں کی بیماری تمہاری طرف آچکی ہے، وہ حسد اور بغض ہے جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دے گی، بلکہ یہ دین کو مونڈ دے گی۔

یہ حسد، یہ مہلک بیماری، اور یہ مرض جب بھی آتا سب سے پہلے تمہارے دین

(۳۵۶) بخاری (۶۰۶۳)، و مسلم (۲۵۶۳)۔

(۳۵۷) احمد (۱۶۷/۱)، و ترمذی (۲۵۱۰)۔

پر اثر انداز ہوتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلِقُ الشَّعْرَ، وَلَكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ» ترجمہ: جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈ دے گی، بلکہ یہ دین کو مونڈ دے گی۔ - یعنی یہ دین کو جڑ سے اڑا دے گی۔

اسی لیے ارشاد فرمایا: «لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ» ترجمہ: ایمان اور حسد بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔

جب معاشرہ حسد سے خالی ہو جاتا ہے تو سکون کی زندگی جیتا ہے، طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا لَمْ يَتَحَاسَدُوا»^(۳۵۸) ترجمہ: لوگ خیر کے ساتھ ہوتے ہیں جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے لگیں۔

حسد کی تعریف امام راغب نے کچھ یوں کی: مستحق انسان سے نعمت کے زوال کی تمنا کرنا، اور کبھی اس نعمت کے زائل کرنے کی کوشش کرنا بھی حسد کہلاتا ہے۔^(۳۵۹)

حاسد یہ تمنا لے کر جیتا ہے کہ فلاں سے یہ نعمت زائل ہو جائے اور فلاں سے وہ نعمت زائل ہو جائے، اور بسا اوقات اپنے حسد میں غلو کرتے ہوئے اس نعمت کے زائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

حسد پہلا گناہ ہے جس کے ذریعے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی، چنانچہ ہوا یہ تھا کہ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کے دل میں برائی کا جذبہ پیدا ہوا، اور قابل اپنے بھائی ہابیل سے حسد کرنے لگ پڑا، اور اس کے قتل کی کوشش کی، تو

(۳۵۸) المعجم الکبیر (۸/۳۰۹، ۸۱۵۷)۔

(۳۵۹) المفردات (ص: ۲۳۴)۔

حاسد غلو کرتے کرتے قتل جیسے جرم کو بھی انجام دے سکتا ہے۔

اس لیے کہ ہم معاشرہ میں جیتے ہیں اور ہمارا ایک دوسرے سے ملنا جلنا ہوتا ہے، عرب کہتے ہیں: «کوئی جسم حسد سے خالی نہیں ہے» جب تمہارا اپنے آپ کو حاسد کی نگاہ سے بچانے کا ارادہ ہو۔ اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو کچھ چیزیں پسند جاتی ہیں، اور دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ انہیں بھی وہی چیزیں میسر ہوں، جو کسی دوسرے کے پاس ہیں۔ اور اگر آپ اپنے آپ کو حاسد کی نگاہ سے، اس کی ذات سے اور اس کے حسد کے شر سے بچنا چاہتے ہیں تو یہ چار وسیلے اختیار کرو:-

پہلا وسیلہ:

نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف رہنمائی فرمائی ہے؛ طبرانی نے المعجم الکبیر میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اسْتَعِينُوا عَلَيَّ اِنْجَاحَ الْحَوَاجِّ بِالْكِثْمَانِ، فَاِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَّحْسُودٌ»^(۳۶۰) ترجمہ: اپنے مقاصد کی کامیابی کے لئے رازداری سے کام لو، کیوں کہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔

اگر تمہارے پاس ایسی کوئی نعمت ہو، جس کو تم حاسد کی نگاہ سے چھپا سکتے ہو، تو اس کو ضرور چھپاؤ، ویسے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾^(۱۱) [الضحیٰ: ۱۱] ترجمہ: اور جو تمہارے پروردگار کی نعمت ہے اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔ لیکن اگر تم کوئی نعمت چھپانے کی طاقت رکھتے ہو جس کا حاسد کی نگاہ سے چھپانا ممکن ہو تو اسے چھپاؤ۔

(۳۶۰) المعجم الکبیر (۲۰/۹۳، ۱۸۳) - والحلیہ (۶/۹۶)، و شعب الایمان (۲۲۸)۔

میں اپنے بھائیوں کو ایک ایسی حماقت پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں جس میں اکثر لوگ مبتلاء ہیں، کہ جن کے پاس کوئی چیز راز نہیں ہے، چنانچہ جو کچھ ان کے گھر میں ہو رہا ہے، جو کچھ میاں بیوں کے درمیان رازدارانہ تعلقات ہوتے ہیں، جو وہ کھاتا اور پیتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگوں کو یہ بولتا پھرتا ہے کہ وہ کیا کھاتا اور کیا پیتا ہے؛ قبل اس کے کہ وہ کوئی دعوت کھانے جائے، اس کی تصویر کشی کرتا ہے اور قبل اس کے کہ وہ لذیذ پکوان کھائے، اس کی تصویر کشی کرتا ہے اور بولتے پھرتا ہے، اور بسا اوقات اس کے بچے اور بیوی ان چیزوں کی تصویر کشی کرتے ہیں، اور ان کی یہ باتیں کسی ایسے شخص کے کانوں میں پڑتی ہیں، جو محتاج و بھوکہ ہوتا ہے، اور یہ وہ دیکھتا ہے کہ تم تو اتنی ساری نعمتوں سے مالا مال ہو، تو وہ تم سے حسد کرنے لگتا ہے، اور اس طرح سے تم ربانی منج کی مخالفت کرتے ہو: «اسْتَعِينُوا عَلَيَّ اِنْجَاحَ الْحَوَاجِّ بِالْكِتْمَانِ، فَاِنَّ كُلَّ ذِي نِعْمَةٍ مَّحْسُوْدٌ» ترجمہ: اپنے مقاصد کی کامیابی کے لئے رازداری سے کام لو، کیوں کہ ہر نعمت والے سے حسد کیا جاتا ہے۔ اسی لیے عرب کہتے ہیں: «جب تم حاسد سے محفوظ رہنا چاہتے ہو، تو اس پر اپنے معاملات کو چھپاؤ، یہ پہلا وسیلہ ہے۔»

دوسرا وسیلہ:

اپنے آپ کو سب سے بڑے حفاظتی قلعے میں محفوظ رکھو، وہ اللہ کا ذکر ہے؛ یہ محفوظ رہنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور ہمارے نبی ﷺ نے اس کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے، امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، لَمْ تَفْجَأْهُ فَاجِئَةٌ بَلَاءٍ حَتَّى يُمْسِيَ، وَمَنْ قَالَهَا حِينَ يُمْسِي لَمْ تَفْجَأْهُ فَاجِئَةٌ بَلَاءٍ حَتَّى يُصْبِحَ»^(۳۶۱) ترجمہ: جو شخص صبح میں تین مرتبہ یہ دعاء پڑھے: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، تو شام تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور جو اسے شام کو پڑھے تو صبح تک اسے کوئی مصیبت نہیں آئیگی۔ یہ ایسی دعاء ہے جس میں آدھے منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگتا، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، جو اسے تین مرتبہ پڑھتا ہے وہ اللہ کی امان میں چلا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم بالکل رات کے اندھیرے میں امامت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے، تو میں نے انہیں پایا، آپ نے فرمایا: کہو تو میں نے کچھ نہیں کہا، آپ نے پھر کہا کہ کہو، پھر بھی میں نے کچھ نہیں کہا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کہو تو میں نے عرض کیا: کیا کہوں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: «قُلْ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي وَحِينَ تُصْبِحُ تَكْفِكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ»^(۳۶۲) ترجمہ: --- قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس صبح و شام پڑھو۔ یہ دونوں سورتیں تمہیں ہر شر سے محفوظ رہنے کے لئے کافی ہیں۔ یہ ارشاد نبوی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں بولتے ہیں۔

تم ان نعمتوں کو جو تمہارے پاس ہیں، انہیں حاسد کی نظر سے بچاؤ اور خود بھی ذکر کے پردے میں محفوظ رہو۔

(۳۶۱) الادب المفرد (۶۶۰)، و احمد (۷۲/۱)، و ابوداؤد (۵۰۸۸)، و ترمذی (۳۳۸۸)، وابن ماجہ (۳۸۶۹)۔

(۳۶۲) احمد (۳۱۲/۵)، و ابوداؤد (۵۰۸۲) و ترمذی (۳۵۷۵)، و نسائی (۵۳۲۸)۔

تیسرا وسیلہ :

حاسد کے حسد کو خاطر میں نہ لاؤ تاکہ تمہیں وہم کی بیماری نہ لگ جائے، کیوں کہ بعض لوگ اپنے اطراف و اکناف کے لوگوں کے حسد کرنے کے وہم میں مبتلا ہو کر نہ کچھ حرکت کرتے ہیں اور نہ اللہ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اور جب انسان وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو یہ اس کے لئے حسد میں پڑنے سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے؛ لہذا تم حاسد کی فکر کرنا چھوڑ دو، اور کسی شاعر نے بہت پہلے ہی کہہ دیا تھا:

اضِرِّ عَلَى كَيْدِ الْحَسُودِ فَإِنَّ صَبْرَكَ قَاتِلُهُ
كَالنَّارِ تَأْكُلُ بَعْضَهَا إِنَّ لَمْ تَجِدْ مَا تَأْكُلُهُ^(۳۶۳)

ترجمہ: حسد کرنے والے کے مکر پر صبر کرو، کیوں کہ تمہارا صبر اسے مار ڈالے گا، اس آگ کی طرح جو خود کو جلا دیتی ہے جب اس کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا ہے۔

حاسد کی طرف توجہ نہ دو اور نہ ہی اس کی فکر کرو، وہ تو غم اور حسرت میں جیتا ہے، اصمعی رحمہ اللہ نے کہا: میں نے ایک اعرابی کو کہتے ہوئے سنا: «مَا رَأَيْتُ ظَالِمًا أَشْبَهَ بِمَظْلُومٍ مِثْلَ الْحَاسِدِ؛ فَهَوَ فِي حُزْنٍ دَائِمٍ، وَفِي عَقْلِ هَائِمٍ، وَفِي حَسْرَةٍ لَا تَنْقِضِي»^(۳۶۴) ترجمہ: میں نے حاسد سے زیادہ کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا وہ ہمیشہ ایسے غم، فکر اور حسرت میں جیتا ہے جو ختم نہیں

(۳۶۳) دیوان ابن معمر (ص: ۳۸۹)۔

(۳۶۴) الموشی لابن الطیب الوشاء (ص: ۵)، والفوائد المتتقاة (ص: ۴۷)، وزاد المسیر (۱/۱۰۱)۔

ہوتے۔ تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حاسد غم اور پریشانی میں زندگی گزارے، اور تم خوش رہو، وہ افسوس اور حسرت میں جیتا رہے اور تم خوشی میں مگن رہو، لہذا اس کی فکر ہی نہ کرو۔

چوتھا وسیلہ:

رب کریم نے اس کی طرف رہنمائی فرمادی ہے کہ حاسد کے ساتھ احسان کرو، اس سے اس کی برائی کم ہوگی اور برائی کی آگ اس میں ہی بجھ جائے گی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِيَ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾﴾ [فصلت: ۳۴-۳۵]

ترجمہ: اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، تم (بدی سے) دفاع ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو نتیجہ یہ ہوگا کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہو جائے گا جیسے وہ (تمہارا) جگری دوست ہو اور یہ بات صرف انہیں کو عطا ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور یہ بات اسی کو عطا ہوتی ہے جو بڑے نصیبے والا ہو۔

اللہ سے دعاء ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو حاسد کے حسد کے شر سے بچائے۔ حاسد کی نگاہوں سے بچنے کے لئے ماذکورہ گفتگو میں بہت ساری ہدایات ہیں، لیکن پھر بھی میں ہر اُس شخص سے کہنا چاہوں گا، جس کے دل میں برائی کا داعیہ ہو، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ کبھی کبھی وہ حسد کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو جب بھی وہ یہ دیکھے کہ وہ کسی پر حسد کر رہا ہے، یا حسد جیسی بیماری اس کے اندر پیدا

ہوگئی ہے، اور ہاں حسد ہونا ایک فطری بات ہے، اس پر انسان کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن جب وہ کسی سے حسد کرنے لگے تو ضرور اس کا مواخذہ ہوگا۔ اور جب حسد کا داعیہ دل میں پیدا ہونے لگے، اور تم چاہتے ہو کہ اس داعیے سے اپنے آپ کو دور رکھو، تو میری یہ کچھ نصیحتیں سن لو: پہلی وصیت:

اللہ کی طرف سے دوسروں کو ملنے والی نعمتیں نہ دیکھو اور اس طرف توجہ ہی نہ دو، اور اس کی فکر نہ کرو کہ فلاں کے پاس کیا ہے اور نہ اس نعمت کی فکر کرو، جو اللہ نے کسی اور کو دی ہے، بلکہ خود کو ملنے والی خدائی نعمتوں میں سرشار رہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «انظروا اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَاِنَّهُ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ» (۳۶۵) ترجمہ: ان کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہیں اور ان کی طرف نہ دیکھو جو تم سے اوپر ہیں، کیوں کہ اس طرح کرنے سے تم کو ملنے والی اللہ کی نعمتیں تمہارے لئے کچھ کم نظر نہیں آئیں گی۔

اگر تم دوسروں کی نعمتوں کو دیکھتے رہو گے تو تم تھک جاو گے، کیوں کہ یہ ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے، لیکن جب تم اپنی نعمتوں میں مشغول رہو گے اور خود کے پاس موجود ان ڈھیر ساری نعمتوں میں سرشار رہو گے، تو تمہیں راحت، اطمینان اور سکون ملے گا۔

دوسری وصیت:

جب تمہیں دوسرے کی نعمت اچھی لگے تو اسے برکت کی دعاء دو اور «ماشاء اللہ» اور «تبارک اللہ» کہو۔ سنن ابن ماجہ میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «عَلَامٌ يَقْتُلُ أَحَدَكُمْ أَخَاهُ» ترجمہ: کس بنیاد پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے، کیوں کہ حاسد بسا اوقات اپنے ہاتھ، اپنی نگاہ اور اپنی زبان سے قتل کرتا ہے، «عَلَامٌ يَقْتُلُ أَحَدَكُمْ أَخَاهُ، إِذَا رَأَى أَحَدَكُمْ مِنْ أَخِيهِ مَا يُعْجِبُهُ فَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَاتِ»^(۳۶۶) ترجمہ: کس بنیاد پر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کا قتل کرتا ہے، جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے پاس اپنی پسند کی چیز دیکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے برکت کی دعاء دے۔ تمہیں کہنا چاہئے: بارک اللہ لک فی ذالک، ماشاء اللہ۔ چاہے وہ سنے یا نہ سنے، تم اپنے دل میں کہو یا آواز بلند کہو۔ تم اپنے ساتھی کے لئے برکت کی دعاء دو؛ اس سے برائی کا داعیہ اور دل میں پیدا ہونے والا خطرہ ختم ہو جائیگا۔

ہمارے موضوع کی طرف آتے ہیں، حدیث رسول ﷺ میں، آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ» ترجمہ: بندے کے دل میں دو چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں: ایمان اور حسد، اس حدیث سے ہمیں اس بات کا صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ حسد کتنی خطرناک بیماری ہے۔

فهرس المحتويات

- (١) مَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ ٩
- (٢) مَا تَقَصَّ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ ١٩
- (٣) الدِّينُ النَّصِيحَةُ ٣٠
- (٤) اسْمَحْ يُسْمَحْ لَكَ ٤٣
- (٥) أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ ٥٦
- (٦) مَنْ يُحْرِمِ الرَّفْقَ يُحْرِمِ الْخَيْرَ كُلَّهُ ٦٧
- (٧) تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ ٨٠
- (٨) وَيُعْجِبُنِي الْفَالُ الْحَسَنُ ٩١
- (٩) لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ١٠٧
- (١٠) لَا إِيْمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ ١١٧
- (١١) مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ١٢٦
- (١٢) أَكْثَرُوا مِنْ قَوْلٍ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ فَإِنَّهَا كُنْزٌ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ ١٣٩
- (١٣) نِعْمَتَانِ مَعْبُودٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ الصَّحَّةُ وَالْفِرَاقُ ١٥٠
- (١٤) أَوَّلُ صَلَاحِ هَذِهِ الْأُمَّةِ بِالْيَقِينِ ١٦١
- (١٥) إِنْ الرِّزْقُ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ أَجَلُهُ ١٧٢
- (١٦) إِنْ الله لَا يَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا كَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتِغَى بِهِ وَجْهَهُ ١٨٤

- (١٧) مَنْ صَمَتَ نَجَا ١٩٨
- (١٨) إِنَّ هَذَا الدِّينَ مَتِينٌ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرَفْقٍ ٢٠٩
- (١٩) أَكْثِرُوا ذِكْرَ هَازِمِ اللَّذَاتِ ٢٢٣
- (٢٠) الْقَبْرِ أَوْلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ ٢٣٦
- (٢١) لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ ٢٤٩
- (٢٢) مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنِ إِلَى جَارِهِ ٢٦٢
- (٢٣) أَوْلُ مَا يُرْفَعُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْخُشُوعُ ٢٧٧
- (٢٤) مَنْ تَوَضَّأَ فِي بَيْتِهِ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ مَشَى إِلَى الْمَسْجِدِ
فَهُوَ زَائِرُ اللَّهِ وَحَقٌّ عَلَى الْمَزُورِ أَنْ يُكْرِمَ الزَّائِرَ ٢٨٧
- (٢٥) أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ ٢٩٧
- (٢٦) إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلُوءَةٌ ٣٠٨
- (٢٧) إِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ ٣٢١
- (٢٨) الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ٣٣٤
- (٢٩) يَا أَيُّهَا عَلَى النَّاسِ زَمَانُ الصَّابِرِ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ ٣٤٦
- (٣٠) لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: الْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ ٣٥٧
- فهرس المحتويات ٣٦٩

